خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

پبلشر: مشتاق احمد قریشی، پرنٹر: طاہر قریشی، مطبوعہ: نئے افق پرنٹرز، کھنڈو گوٹھ بلاک B نارتھ ناظم آباد کراچی
دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی

سرورق: رانیہ خان..... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

مکمل ناول

ناولٹ

افسانہ

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز، ای میل info@aanchal.com.pk

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب تم میں سے وہ ہوں گے جو اخلاق میں بہتر ہیں اور مجھ سے زیادہ دور اور زیادہ ناپسندیدہ وہ ہوں گے جو تم میں سے اخلاق میں بُرے ہیں۔ جن کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔ جو منہ پھلا پھلا کر تکلف سے باتیں بناتے ہیں، متکبر ہیں۔“ (بیہقی)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مارچ ۲۰۱۴ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

آپ تمام بہنوں کا شکریہ اس بار غیر معمولی ڈاک ملی ہے۔ بہنوں نے اپنی محبتوں چاہتوں سے ہمیں جس طرح نوازا ہے میں تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یہ آپ کی محبتوں، شفقتوں اور پسندیدگی کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کا آنچل بتدریج ترقی کے سنگِ میل طے کررہا ہے۔ بہنوں کی رہنمائی ہی تو ہے کہ ہمیں اپنی غلطیوں کوتاہیوں کا ادراک ہوتا ہے۔ ادارے کے کارکنان اس کے ازالے کی بھرپور کوشش کرکے آپ کے آنچل کو سجانے سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آئندہ ماہ آپ کے آنچل کی سالگرہ ہے اس کی بھرپور تیاری کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں آپ اپنی تجاویز آراء اور لکھاری بہنیں اپنی تحریریں جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ بروقت آنچل آپ تک پہنچا سکیں۔ اس بار آپ سے سرگوشیوں میں کوئی بات سیاسی نہیں کررہی کچھ بہنوں کو اعتراض ہے کہ ان سے باتیں کرنے کے بجائے سیاسی حلوہ نہ کھلایا کریں دراصل ہم جس سرزمین پر رہتے بستے ہیں جس سے ہم جڑے بیٹھے ہیں اس کے دکھ درد میں ہم اگر شریک نہیں ہوں گے تو کون ہوگا؟ ہمارے ایسے ہی رویوں نے ہمیں اپنی دھرتی ماں سے غافل کردیا ہے اور جو اولاد اپنی ماں کی نہیں ہوتی وہ خود کی بھی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی خود غرضی، مفاد پرستی کے شکنجوں میں جکڑے جارہے ہیں اور خود اپنی دھرتی ماں سے بغاوت کررہے ہیں خودکش حملہ آور کہیں باہر سے نہیں آرہے ان کے ذریعے ہلاک وزخمی ہونے والے بھی غیر نہیں ہیں اسی دھرتی ماں کے بیٹے اور سپوت ہیں خود اپنی ذات کے دشمن بن رہے ہیں جس شاخ پر آشیانہ ہے اسے ہی کاٹ رہے ہیں۔

آئیں آج ہم تمام بہنیں عہد کریں کہ ہم اپنے بیٹوں، کو بھائیوں کو، باپوں کو اور چچا، ماموں کو اپنی زمین سے اپنے وطن عزیز سے محبت کا سبق یاد کرائیں گے۔ یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے قریب رہنے والوں کی تربیت میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہم سب مل کر وطنِ عزیز کو بچانے سنوارنے سجانے کا عہد کریں آئیں ہم سب ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے وطن کے لیے سینہ سپر ہوجائیں جو کام ہمارے بیٹوں بھائیوں کا ہے انہیں وہ یاد دلائیں اور اپنے وطن کی اپنی زمین کی حفاظت کا بیڑا اٹھائیں۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو آمین۔

اس ماہ کے ستارے۔

”ڈھل گئی پھر ہجر کی رات“ سمیرا شریف طور اور ناہید چوہدری ”ترکِ تعلق بلاسبب نہیں“ کے بہت ہی عمدہ مکمل ناول۔

”میرے خواب مٹی کے گھر تھے“ نزہت جبین ضیاء کا بہترین ناولٹ۔

”یہ نیم شب کی خاموشی“ طلعت نظامی اور ”امیدِ صبح“ اُم اقصیٰ کے افسانے۔

دعا گو قیصر آرا

حمد

ہر مصیبت، ہر پریشانی میں ہے ربّ چارہ گر
درد کا درماں ہے ذکرِ مالک ہر خشک و تر

ایک حرف ”کن“ سے جب یہ سب بنا سکتا ہے وہ
کائناتیں کر بھی سکتا ہے خدا زیرو زبر

اپنی عظمت ربِّ عالم سے ملی محبوب ﷺ کو
تھا شب معراج خالق منتظر، وہ منتظر

مالک کون و مکاں کے نور سے روشن ہوئے
کہکشاں و کوکب و خورشید رخشاں و قمر

دل میں جب خوف خدا ہے اس میں آسکتیں نہیں
منفعت کی چاہتیں اور خواہشات مال و زر

اسم ربّ و مصطفیٰ ﷺ پر حرف آسکتا نہیں
”کوئی اس کے نام پر نقطہ نہ ان کے نام پر

حمد رب محمود اور مدح رسول محتشم ﷺ
ہے یہی حکمت، یہی معراج فن، حسن ہنر

راجا رشید محمود

نعت

چھائی ہے خیالوں پر ثنا لمحہ بہ لمحہ
چلتی ہے عطاؤں کی ہوا لمحہ بہ لمحہ

اس ہادیٔ انسان کو بہرگام بہرحال
مقصود ہے انسان کا بھلا لمحہ بہ لمحہ

سہتا ہے دل و جاں پر ستم کفر کے ہاتھوں
وہ پھر بھی ہے مصروفِ دعا لمحہ بہ لمحہ

ہے شامل حال اس کا کرم لحظہ بہ لحظہ
امت کو ہے وہ دیکھ رہا لمحہ بہ لمحہ

تذکار شہنشاہ دو عالم کی بدولت
سرشار ہے جاں صبح و مسا لمحہ بہ لمحہ

صد شکر کہ آلام ڈرا پائے نہ مجھ کو
یوں نعت نے سرمست رکھا لمحہ بہ لمحہ

فیضان درود اور سلام اس پر سدا بھیج
سانسوں میں یہی ورد پکا لمحہ بہ لمحہ

فیض رسول فیضان

درِ جوابِ آں

مدیرہ

عمیرہ احمد...... سیالکوٹ

ڈیئر عمیرہ! سدا مسکراتی رہو! آپ اپنی تحریروں کے ذریعے علم وہدایت کی شمع روشن کرتی رہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اپنے آنچل میں ڈھیروں خوشیاں لیے پیا دیس سدھاریں۔ نکاح کے اس مقدس بندھن پر آنچل کی پوری ٹیم اور قارئین آنچل کی جانب سے آپ کو ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آنے والی زندگی کو خوشیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرے اور بے حساب خوشیاں پائیں اور اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کا نصیب بلند کریں' آمین۔

شمیم ناز صدیقی...... کراچی

اچھی بہن! سلامت رہو' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم گردشِ دوراں میں کچھ اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ ہمارا قلم خاموش ہوجاتا ہے۔ لفظ ساتھ دینے سے انکاری ہوجاتے ہیں اور پھر آپ کے ساتھ جو معاملہ ہے اس میں ہم آپ کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے بہنوئی کو کینسر جیسے موذی مرض سے نجات دے اور انہیں صحت کاملہ نصیب فرمائے' آمین۔ قارئین سے بھی دعا کی اپیل ہے۔

فوزیہ غزل...... سیالکوٹ

پیاری فوزیہ! شاد رہو' آپ کے دادا کی رحلت کا سن کر افسوس ہوا۔ بزرگوں کا سایہ بہت بڑی نعمت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ آپ کے تمام گھر والوں کو صبر وہمت عطا فرمائے اور آپ کے دادا مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے آمین' قارئین سے بھی دعا کے ملتمس ہیں۔

سائرہ گڑیا! سدا ہنستی رہو' آپ کی تحریر "لمحہ فکریہ" اصلاحی انداز میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں آپ توازن برقرار نہ رکھ سکیں۔ کہانی کا حسن ختم ہوگیا اور صرف سبق آموز لیکچر کی مانند لگ رہا ہے۔ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اپنا مطالعہ وسیع کریں بہت جلد اچھا لکھ پائیں گی۔

ام ایمن نعیم...... منڈی بہاؤ الدین

پیاری ایمن! آباد رہو' آپ کی تحریر "نیا دن" منتخب ہوگئی ہے جبکہ ہمنوا کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں' آپ آنچل کے دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کرسکتی ہیں۔

فضہ ہاشمی...... عارف والا

اچھی فضہ! جیتی رہو' سب سے پہلے تو امتحان میں شاندار کامیابی پر ہماری جانب سے ڈھیروں مبارکباد۔ گڑیا آپ کی تحریر ان شاء اللہ باری آنے پر لگ جائے گی البتہ آپ کی دوسری تحریر موصول نہیں ہوئی' امید کا دامن تھامے رکھیے۔

انا احب...... گجرات

انا ڈیئر! سدا مسکراؤ' اتنے عرصے بعد دوبارہ آپ کی آمد بہت بھلی لگی۔ ماں کے عہدے پر فائز ہونے پر ڈھیروں مبارکباد۔ رسالے منگوانے کے لیے آپ آنچل کے نام پتے پر چھ سو روپے کا منی آرڈر بھیج دیں اور فارم کے آخری حصے میں اپنا مکمل نام پتا اور نمبر بھی لکھ دیں' اپنا تعارف ارسال کردیں۔

دعا ہاشمی...... فیصل آباد

دعا گڑیا! سدا مسکراؤ' آپ کی جگہ ہمارے دل میں آج بھی موجود ہے اور ہماری جانب سے آپ کو خالہ بننے پر ڈھیروں مبارکباد۔ آپ نے ہمارے لیے جو شعر لکھا ہے وہ ہمیں بہت پسند آیا۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں نصیب فرمائے آمین۔

فائزہ فاروق...... لاہور

پیاری فائزہ! شاد رہو' آپ کے محبت نامے کا جواب حاضر ہے' ہمیں آپ کے دیگر خطوط نہیں ملے تو جواب کیسے دیتے' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔

عمارہ گیلانی...... خانیوال

ڈیئر عمارہ! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر "کاغذ کی گڑیا" آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتری' اس لیے معذرت۔ اس تحریر میں بہت سی باتوں میں تضاد موجود ہے' لڑکی کا اچانک ملنا اور میڈم روبینہ کے کردار میں بہت الجھاؤ ہے۔ بہرحال آپ کا انداز تحریر بہتر ہے آپ کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں' ان شاء اللہ بہتر لکھ پائیں گی۔

ماروی یاسمین...... چك 44 ج

ماروی گڑیا! خوش رہو' آپ کا پہلا خط موصول ہوا' خوش آمدید۔ آپ اتنے برسوں سے آنچل کی قاری ہیں اور آج شرکت کی ہے اسی طرح آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا' آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ثمینہ طاہر بٹ...... لاہور

پیاری ثمینہ! شاد رہو' آپ کا تفصیلی خطوط موصول ہوا' جواب حاضر ہے۔ آنچل نے بہت سی لکھاری بہنوں کو پلیٹ فارم مہیا کیا۔ آج ان کا شمار نامور رائٹرز میں ہوتا ہے اور آپ کو بھی یہ موقع فراہم کیا گیا ہے کیونکہ آپ کی تحریر "ہیں کواکب کچھ" منتخب ہوگئی ہے اور بہت جلد قابل اشاعت بھی ہوگی۔ آپ اسی طرح اپنا قلمی سفر جاری رکھیے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے مطالعہ کو وسیع کریں اور مزید محنت کے ساتھ لکھنے کی کوشش کرتیں رہیں' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو آمین۔

کائنات بشیر...... شاد باغ' لاہور

پیاری گڑیا! سدا سلامت رہو' آپ کی تحریر "فریب آرزو" انجام کے لحاظ سے کمزور ہے اسی لیے اپنی جگہ نہ بنا سکی۔ اس طرح کے اختتام پر قارئین تشنگی محسوس کرتے ہیں کیونکہ بات کی وضاحت منطقی انداز میں نہیں کی گئی' پر اصلاحی انداز میں لکھیں' تحریر مختصر اور جامع ہو۔

صائمہ طاہر سومرو...... حیدر آباد

پیاری بھانجی! سلامت رہو' شکوہ' شکایات اور دعاؤں سے بھرپور خط موصول ہوا۔ گڑیا ہم آپ کو تو کیا کسی بھی بہن کو نظر انداز نہیں کرتے البتہ صفحات کی کمی کی بناء پر بعض اوقات ایسا ہوجاتا ہے۔ آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں' سعدیہ امل کو آپ بہت جلد آنچل میں دیکھ پائیں گی۔

سدرۃ المنتہیٰ...... خانیوال

پیاری سدرہ! شاد رہو' نظمیں غزلیں متعلقہ شعبے کو بھیج دی جاتی ہیں ان کے قبول ورد ہونے کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے۔ آپ کی شاعری اگر معیاری ہوئی تو لگ جائے گی ورنہ معذرت۔

عائشہ صلاح الدین...... لاہور

پیاری بہن! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر "اوقات" اصلاحی انداز میں لکھی گئی ہے لیکن انداز تحریر کمزور ہے۔ موضوع کا چناؤ آپ کا اچھا ہے' آپ اپنا مطالعہ وسیع کیجیے مزید بہتر لکھ سکتی ہیں۔

دلکش مریم...... چنیوٹ

دلکش گڑیا! سدا مسکراؤ' آپ کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ ساتھ ہی آپ نے اپنے شہر کے بارے میں جو معلومات فراہم کیں اسے پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کا شہر کافی خوب صورت ہے' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ثوبیہ نواز اعوان...... کنڈان

ثوبی ڈیئر! ہنستی مسکراتی رہو' اتنا غصہ' اتنی خفگی اچھی نہیں ہوتی' آپ کے تمام شکوؤں پر جواب شکوہ حاضر ہے۔ گڑیا ہم کسی کو بھی نظر انداز نہیں کرتے بس صفحات کی کمیابی کی وجہ سے بعض خطوط رہ جاتے ہیں۔ امید ہے تشفی ہوپائے گی' آپ کے والد کے لیے قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن
پیاری شہزادی! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر "بات تو ذرا سی ہے مگر" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن اس کہانی میں آپ کا انداز کچھ جگہ پر کمزور ہے' آپ اپنا انداز تحریر مزید بہتر بنا سکتی ہیں اور اسی طرح اصلاحی موضوع پر قلم اٹھائیں' آپ مختصر افسانہ کسی اور موضوع پر لکھ کر بھیج دیجیے۔

شیبا کنول...... کراچی
شیبا گڑیا! شاد رہو' آپ کی تحریر آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ نہ بنا سکی' آپ نے اس تحریر میں تعلیم کی اہمیت' بچوں اور فیملی سے بے پروائی یعنی دو تین موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جس کی بناء پر کہانی پر آپ کی گرفت کمزور ہوگئی ہے بہرحال آپ کا انداز تحریر قدرے بہتر ہے آپ تھوڑی محنت اور کریں تو مزید بہتر لکھ سکتی ہیں' امید ہے کہ آپ باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوشش جاری رکھیں گی۔

عذرا کنول...... اوکاڑہ
پیاری گڑیا! خوش رہو' آپ کی تحریر "ارمانوں کی مالا" موصول ہوگئی ہے' ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

صاحبہ گلزار...... آزاد کشمیر
صاحبہ ڈیئر! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر "دل کے رشتے" پڑھ ڈالی۔ انداز تحریر کافی کمزور ہے اس کے علاوہ بہت سی باتوں میں تضاد بھی ہے' جب عروہ کا رشتہ بچپن سے عادل سے طے تھا تو پھر باہر سے اس کے لیے لوگ کیوں آئے' ان باتوں کی بناء پر کہانی میں الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے' آپ ابھی اپنا مطالعہ وسیع کریں اور مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں۔

ارم کمال...... فیصل آباد
ارم گڑیا! سدا سلامت رہو' آپ کی بھابی کی رحلت اور چھوٹے بچوں سے ماں کا سایہ چھن جانے کا پڑھ کر دل بہت اداس ہوگیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ان لوگوں کو ہمت اور حوصلہ نصیب فرمائے اور آپ کے تمام اہل خانہ کو صبر واستقامت عطا کرے آمین۔

کوثر ناز...... حیدر آباد
پیاری کوثر! سدا سلامت رہو' خوب صورت انداز و الفاظ سے سجا آپ کا خط موصول ہوا۔ گڑیا انتظار کی گھڑیاں طویل اور کٹھن ہی ہوتی ہیں ان شاء اللہ باری آنے پر یہ انتظار ختم ہوجائے گا۔ سیاس گل کو آپ جلد ہی پڑھ سکیں گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عیش وفا...... بورے والا
ڈیئر وفا! آباد رہو' دو سالوں کی خاموشی توڑ کر آنچل کی محفل میں شرکت کرنے پر خوش آمدید' ناول بھیجنے سے پہلے آپ اپنا کوئی افسانہ بھیج دیجیے تاکہ ہمیں آپ کے انداز تحریر کا اندازہ ہوسکے۔ معیاری ہوا تو حوصلہ افزائی کی جائے گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ایم ماہی عباس...... بارہ قطعہ' خانیوال
ماہی گڑیا! سدا مسکراؤ' شکریہ کی ضرورت نہیں ہے آپ آئندہ بھی آنچل کی محفل میں شرکت کرسکتی ہیں۔ سلسلوں میں شرکت کے لیے آپ اس سلسلہ کا نام اور اپنا نام لکھ کر ایک ہی لفافے میں بھیج دیجیے' نظمیں غزلیں اگر معیاری ہوئیں تو ضرور لگ جائیں گی ورنہ معذرت۔

فرحانہ ناہید...... کوہاٹ
ڈیئر فرحانہ! خوش رہو' شکوہ وشکایات سے بھرپور خط موصول ہوا اور پرسے آپ کا انداز بہرحال ہمیں آپ کی بات کا برا نہیں لگا' گڑیا آپ کا تعارف ان شاء اللہ باری آنے پر لگ جائے گا اور روحانی مسائل والا خط متعلقہ شعبہ کو بھیج دیا جاتا ہے' امید کا دامن تھامے رکھیے جلد ہی جواب موصول ہوجائے گا۔ پیاری گڑیا اب یہ ناراضگی ختم کرو اور امید کا دامن تھامے رکھو۔

منیبہ نواز...... گجرات
ڈیئر منیبہ! شاد رہو' ہمارے پاس آپ کے لیے وقت

ہی تو مہکتا ہے۔ گڑیا آپ اپنا افسانہ ارسال کردیں لیکن مختصر اور جامع ہو طوالت سے گریز کیجیے گا' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

فاریہ زینب بخاری...... رحیم یار خان
پیاری فاریہ! سلامت رہو' آپ کے گھریلو مسائل پڑھ کر دل اداس ہوگیا' اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے والد کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ گڑیا آپ اپنے علاج کی طرف دھیان دیں' آپ کی والدہ ٹھیک کہتی ہیں۔ جہاں تک آپ کی تحریروں کی اشاعت کی بات ہے تو آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے دے پائیں گے۔

انعم...... کراچی
انعم ڈیئر! سدا خوش رہو' آپ آنچل میں شرکت کرسکتی ہیں' آپ اپنی تحریر ہمیں مختصر افسانے کی صورت میں بھیج دیجیے تاکہ ہمیں آپ کے انداز تحریر کا اندازہ ہوسکے۔ معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

رشنا خلیل...... نامعلوم
پیاری رشنا! جیتی رہو' آپ اپنی تحریر آنچل کے پتے پر بھیج دیجیے' طریقہ کار کے لیے درجواب آں کے آخر میں دیئے گئے بکس کا مطالعہ کرلیں لیکن تحریر مختصر اور جامع ہو۔

ماریہ ادریس...... قلعہ دیدار سنگھ
ماریہ ڈیئر! خوش رہو' اتنے برسوں کی طویل خاموشی کے بعد آپ کی شرکت بہت اچھی لگی' گڑیا رد ہونے کے خوف سے تحریر بھیجنا یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں' اس خوف کو نکال دیں اور اپنی تحریر ارسال کردیں۔ اچھی اور معیاری چیز اپنی جگہ خود بنالیتی ہے' امید ہے تشفی ہوپائے گی۔

سیدہ علیشاہ...... بھاولپور
ڈیئر علیشاہ! خوش رہو' تعارف باری آنے پر ہی لگا یا شائع ہوجائیں گی' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

ناقابل اشاعت:۔
محبت میں امتحان کیسا' بوجھ زندگی کا ہے کیا' ملا دکھ بے وفائی کا' بات تو ذرا سی ہے مگر' ساز ہستی غور سے سن' لحہ فکریہ' تم زندگی ہو' آخری پیغام' فصل گل' زندگی کا سفر' پھر کرم ہوگیا' دعا اور نصیب' ہموا' انتقام' ہجر میں نے خود کو کھویا' کس طرح' میری بھول' رضائے الہیٰ' کاغذ کی گڑیا' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا' نک نیم' دوستی کی اک نئی مثال' گیا وقت ہاتھ نہیں آتا' اوقات' دل کے رشتے' اک کمی رہ گئی' تم سے محبت ہے' چاہتوں کے موسم' فریب آرزو' بس اک لفظ موتی' کیا حاصل زیست کا' نادانی۔
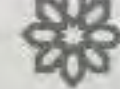
مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7' فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مالک یوم الدین

مولف: مشتاق احمد قریشی

دینِ اسلام کیا ہے؟

دین اسلام کیا ہے یہ ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ دینِ سلام صرف ایمان‘ نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ‘ حج‘ جہاد کا نام نہیں ہے بلکہ دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ایک مکمل معاشرت اور اخلاقی‘ حیاتی نظام ہے‘ اسلام کا اپنا نظام زندگی ہے۔ نظام معاشرت واقتصادیات ہے۔ اسلام کسی انفرادی مذہب یا دین کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی ہمہ گیر نظامِ حیات ہے۔ انسان کی انسانیت کی وہ معراج ہے جو اس کے خالق و مالک نے اس کے لئے تجویز کی ہے۔

دینِ اسلام جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ فی الارض کے لئے نہ صرف پسند فرمایا ہے بلکہ ابتدائے آفرینش سے اسے نافذ بھی فرمادیا۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک اور ان سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اور ان سے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک وہی ایک دین اسلام چلا آرہا ہے۔ اللہ نے اپنے تمام نبی‘ پیغمبر‘ رسول اسی دینِ اسلام کی ترویج واستحکام کے لئے بھیجے۔ تمام کتبِ الٰہی اسلام کا پیغامِ الٰہی لے کر آئیں۔ اسلام صرف ایک مذہب ایک دین ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی ایک تہذیب ایک معاشرت ہے جو انسانوں کو صلح‘ امن‘ سلامتی واطاعت‘ فرمانبرداری کا درس ہی نہیں بلکہ ایک اکیلے اللہ کی بندگی کا پابند کرتا ہے۔

اسلام کا لفظ سلمہ سے نکلا ہے جس کے معنی باطنی آفات سے بچے رہنے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام دین کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے لئے دنیا میں زندگی گزارنے کا ضابطہ اخلاق وآئین کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ شریعت میں اسلام دو طرح سے ہے۔ ایک زبانی اقرار کرنا‘ دوسرا دلی اعتقاد کے ساتھ خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور سپرد کردینا۔ مسلم سے مراد ہے کہ انسان خود کو اللہ کی اطاعت کے لئے خالص کرلے۔ یعنی خود کو ایک اکیلے اللہ کی غلامی میں دے دے اور اللہ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم رکھے۔ اللہ کی اطاعت وعبادت میں کسی بھی طرح کی سرتابی انحراف یا اپنی مرضی نہ چلائے جس کام کے لئے جیسا اور جتنا حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کرے نہ کم نہ زیادہ۔

دین اسلام کی تعلیمات نہایت سادہ‘ آسان‘ جامع اور ہمہ گیر ہیں۔ اسلام عقائد واعمال سے لے کر انفرادی واجتماعی زندگی کے ایک ایک عمل اور لمحے کے لئے ہر طرح سے ہدایت دیتا ہے۔ اسلام اس دنیا میں سیاسی‘ معاشرتی‘ تمدنی‘ اقتصادی زندگی کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے جتنی کہ اخلاقی نظامِ عبادت کی ہے۔

اسلام انسانی زندگی کے بنیادی اصول متعین کرتا ہے۔ ان ہی اصولوں کے تحت ہر زمانے اور حالات کے

تحت قوانین مدون کئے جاسکتے ہیں۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ساری کائنات کوئی اتفاقی ہنگامہ نہیں ہے بلکہ منظم سلطنت ہے جسے خالق کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنایا ہے۔ وہی اس کا مالک ومختار وہی اس کا حاکم مطلق ہے‘ اس حاکم الحاکمین کے سوا کسی کا کسی بھی طرح حکم نہیں چلتا۔

اسلام وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بنیاد پر ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے۔ کیونکہ اللہ کے قوانین کو تسلیم کرنا اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور اطاعت کرنا ہی اسلام ہے اور قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا‘ اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔“ (العمران۔۸۵)

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل الہامی دین ہے‘ جبکہ دیگر مذاہب کی الہامی تعلیمات مسخ شدہ ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی صحیح صورت میں موجود نہیں ہے اس لیے ہی ان کی مذہبی حیثیت منسوخ کردی گئی اور اسلام کو مکمل کردیا گیا تاکہ آئندہ اُس میں کوئی تحریف نہ ہوسکے۔ اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ ایک منظم ضابطہ حیات ہے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اس کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔ اسلام اس معنوں میں مذہب نہیں کہ اس میں محض عبادات پر زور دیا گیا ہو اور انسان صرف عبادات کا ہی ہوکر رہ جائے۔ چونکہ یہ دین سب سے پہلا دینِ حق ہے جو ابتدائے آفرینش سے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا اور نافذ فرمایا ہے۔ اس لئے ایمان اس میں مکمل صورت میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایمان کی بنیاد میں یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے ساتھ اس کے تمام رسولوں پر اس کے فرشتوں پر اس کی بھیجی ہوئی تمام کتبِ آسمانی پر‘ اور آخرت کی زندگی پر ایمان رکھنا اس دین کی اہم خصوصیت ہے۔

اسلام دنیا کو دین سے علیحدہ نہیں کرتا بلکہ تمام معمولاتِ زندگی کو احکامِ الٰہی کے تابع کرکے عبادت میں بدل دیتا ہے۔ انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان توازن قائم کرتا ہے اور ہر انسان کو فرداً فرداً اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دہ بناتا ہے اور ریاست میں گم ہونے سے روکتا ہے۔ اور ساتھ ہی ہر فرد میں اجتماعی ذمہ داری کا احساس اُجاگر کرتا ہے۔ تمام مسلمانوں کو ایک قوم ایک امت قرار دیتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لئے مل جل کر آگے بڑھ کر کام کریں۔ اخوت‘ بھائی چارے کا نظام مضبوط کرتا ہے۔ مالدار افراد کو پابند کرتا ہے کہ وہ اپنے مال سے زکوٰۃ‘ صدقات وخیرات کے ذریعے اپنے کمزور‘ فقرا‘ مساکین بھائیوں کی مدد کریں اُن کی ضروریات کا خیال رکھیں اور وقت پڑنے پر اسلامی ریاست کے تحفظ کے لئے جان کی قربانی تک سے دریغ نہ کریں‘ یہی توازن ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کہا ہے۔

مسند احمد میں ایک حدیث حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ”ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک شخص نمودار ہوا‘ جس کے کپڑے بہت اجلے اور سفید تھے اور بال نہایت سیاہ تھے۔ اس شخص پر سفر کا بالکل کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا اور ہم میں سے کوئی اسے

نہیں پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اپنا زانو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو سے ملا دیا اور اپنی ہتھیلیاں زانوں پر رکھ کر عرض کرنے لگا۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''اسلام یہ ہے کہ تو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو نماز قائم کرے اور یہ کہ تو زکوۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور یہ کہ اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔'' اس شخص نے کہا آپ نے درست فرمایا۔ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم اس پر متعجب ہوئے کہ یہ شخص خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔'' پھر اس نے پوچھا۔ آپ مجھے ایمان سے واقف کیجئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت پر اور نیک و بد تقدیر پر ایمان لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس پر وہ شخص بولا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس شخص نے پوچھا۔ اب مجھے احسان کے بارے میں کچھ بتائیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ حالت میسر نہ ہوسکے تو کم از کم تو یہ محسوس کرلے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کے جانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ اے عمر! جانتے ہو کہ وہ سائل کون تھا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ ''اللہ اور اللہ کے رسول بہتر جانتے ہیں کہ وہ سائل کون تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جبرائیل تھا اور تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آیا تھا۔

اسلام تو ایک مکمل نظامِ حیات' نظامِ معاشرت ہے اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل دین قرار دیا ہے۔ زندگی کے تمام اہم امور و معاملات اور ہر چیز کا مطلب' ماضی' حال اور مستقبل سے متعلق علم جو ضروری اور انسان کے لئے مفید ہے' اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ تمام باتیں جن کا دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان کو ضرورت پڑتی ہے سب چیزوں کو قرآن اور حدیث کے ذریعے واضح کردیا ہے۔ اسلامی نظام کی مضبوطی اور پائیداری کا انحصار نظامِ عدل' نظامِ معاشرت پر ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ عدل کا' بھلائی کا' صلہ رحمی (قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک) کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں' ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے' وہ خود تمہیں نصیحتیں کررہا ہے' تاکہ تم سبق حاصل کرو۔ (النحل۔۹۰)

یہ آیتِ کریمہ قرآنِ کریم کی بہت اہم آیات میں شمار ہوتی ہے اس میں دراصل اسلامی نظامِ زندگی کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ اسلام کا بنیادی فلسفہ اس مختصر سے فقرے سے بیان کردیا گیا ہے' اگر یوں کہا جائے کہ سمندر کو کوزے میں بند کردیا گیا ہے تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ آیتِ مبارکہ میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستگی کا انحصار ہے۔

آیتِ کریمہ میں پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے ملے۔

عدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں۔ یعنی اپنوں اور بے گانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے' کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت و قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ عدل کے دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملے میں افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی۔ کیونکہ دین میں افراط غلط ہے' جو سخت مذموم ہے اور تفریط دین میں کوتاہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں توازن اور تناسب ہے' اس حکم کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی' معاشرتی' معاشی' قانونی اور سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری سے ادا کئے جائیں۔

آیتِ مبارکہ میں دوسری چیز احسان ہے جس کے معنی حسن سلوک' عفو و درگزر اور معاف کردینا' نیک برتاؤ' فیاضانہ معاملہ کرنا' ہمدردانہ رویہ اپنانا' خوش خلقی' باہمی مراعات' ایک دوسرے کا پاس و لحاظ کرنا' دوسرے معنی تفضل کے ہیں یعنی حق واجب سے زیادہ دینا' عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا' مثلاً کسی سے مزدوری ایک سو روپے طے ہوئی لیکن مزدوری ادا کرتے وقت زیادہ دے دینا' سو روپے تو طے شدہ مزدوری ہوئی یہ عدل ہے۔ اگر اس کے ساتھ دس یا بیس زائد ادا کردیے جائیں تو یہ احسان ہے۔ یعنی دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کم پر راضی ہوجانا یہ عدل ہے' عدل سے بڑھ کر معاشرے میں ایک چیز احسان ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال و کمال ہے' عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں' تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور مٹھاس پیدا کرتا ہے' اپنائیت و بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کرکے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے وہ اسے ملا یا نہیں ملا' اور کتنا وصول کرنا ہے' اور دوسرے کا کتنا حق ہے اسے اتنا ہی دیں اس طرح معاشرے میں نہ اخوت پیدا ہوگی نہ یک جہتی جنم لے گی نہ اپنائیت و ایثار کے جذبات پنپ سکیں گے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام' عمل واجب سے زیادہ عمل ہے۔ احسان کے تیسرے معنی اخلاصِ عمل اور حسنِ عبادت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رشتہ داروں کا حق ادا کرنا یعنی ان کی امداد کرنا اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے' عدل و احسان کے بعد اس کا الگ سے ذکر ہے' صلہ رحمی جو رشتہ داروں کے معاملے میں ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدوں میں ان کا حامی و مددگار رہے بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنا اپنے بچوں ہی کا حق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حق کو بھی تسلیم کرے کیونکہ شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس کام کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑے۔

اسلامی شریعت میں اس سے بری اور بد تر بات کوئی نہیں کہ ایک شخص تو عیش کررہا ہو اور اسی خاندان میں

اس کے عزیز واقارب اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔ ان کی مدد کریں ان کا خیال رکھے پھر اگر اللہ توفیق دے تو دوسروں کی بھی مدد کرے ہر خاندان کے خوش حال افراد پر پہلا حق ان کے اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں اس بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین اس کے بیوی بچے اور بھائی بہن ہیں پھر وہ جوان کے بعد قریب تر ہوں پھر جوان کے بعد قریب تر ہوں اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے ایک یتیم بچے کی پرورش کے لئے اس کے چچازاد بھائیوں کو حکم دے کر مجبور کیا۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کس طرح معاشرتی ذمہ داریاں ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے کہ اگر ہر واحد (unit) اس طرح اپنے اپنے عزیز واقارب رشتہ داروں کو سنبھال لے تو اس طرح اسلامی معاشرے میں کیسی خوشحالی قائم ہوگی اور معاشرتی حیثیت مستحکم ومضبوط ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اخوت بھائی چارے کے فروغ سے نہ صرف اخلاقی حیثیت بلکہ معاشرتی اور اقتصادی حیثیت بلند اور پاکیزہ ہوگی۔

آیتِ کریمہ میں تین بھلائیوں کے مقابلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین برائیوں سے روکنے کا حکم فرمایا ہے یہ برائیاں نا صرف انفرادی حیثیت سے بلکہ اجتماعی حیثیت سے بھی پورے معاشرے کو بگاڑنے خراب کرنے والی ہیں۔

فحشاء سے مراد تمام بے حیائی کے کام ہیں آج کل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کو تہذیب ترقی آرٹ قرار دے دیا گیا ہے یا تفریح کے نام پر اس کے جواز کو تسلیم کرلیا گیا ہے تاہم محض خوش نما لیبل کا ٹائٹل لگا لینے سے کسی چیز کی حقیقت بدل نہیں سکتی۔ شریعت اسلامی نے زنا رقص وسرور بے پردگی فیشن پرستی مرد اور عورتوں کے بے باکانہ اختلاط مخلوط معاشرت بخل برہنگی وعریانی عملِ قوم لوط محرمات سے نکاح کرنا چوری شراب نوشی بھیک مانگنا گالیاں بکنا اور بدکلامی کرنا یہ سب فحاشی میں آتے ہیں ایسے ہی علی اعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے جھوٹا پروپیگنڈہ تہمت تراشی پوشیدہ جرائم کی تشہیر بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے ڈرامے فلم عریاں تصاویر عورتوں کو بن سنور کر منظر عام پر آنا اپنے حسن وجمال کی نمائش کرنا وغیرہ سب فحش میں آتے ہیں اس قسم کی تمام برائیوں کو اسلام نے بے حیائی قرار دیا ہے۔ ان کے کتنے ہی خوبصورت نام رکھ لئے جائیں خباثتیں کسی بھی طرح جائز قرار نہیں پاسکتیں۔

(جاری ہے)

زونائشہ

ملیحہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ باادب باملاحظہ ہوشیار، مابدولت تشریف لا رہی ہیں پہلی بار ڈالیے ہمارے گلے میں پھولوں کے ہار اور کہہ دیتے ہیں ردی کی ٹوکری کو خبردار ہم سے دور ہی رہیے گا سرکار، ورنہ ہم تیز کردیں گے قلم کی دھار اور اتنی کریں گے تحریروں کی بوچھاڑ کہ مجبور ہوجائیں گے کہنے پر ہم مان گئے ہیں جی اپنی ہار، کیونکہ اس بزم سے ہے ہم کو دلی پیار، اس پہ جان بھی دیں گے وار۔ امید واثق ہے کہ سب بہنیں ہمیں خوشدلی سے خوش آمدید کہیں گی اور جہاں تک بات ہے ہماری اس دنیا میں تشریف لانے کی تو یہ ایسا راز ہے جو ہمارے لیے بھی معمہ ہے کیونکہ ابو جان اور امی جان کی اپنی ہی تخیلاتی تواریخ ہیں جن سے دادی جان کو بھرپور اختلاف ہے۔ پھوپھی جان کے لحاظ سے الگ اور ہمارے ڈاکومنٹس پر بھی انداز اً تحریر کی گئی ہے۔ الغرض یہ ایسا معمہ ہے جس کے حقائق کو سامنے لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ قصہ مختصر آپا کے بقول کوئی سو شراتی جن اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے تب محترمہ کا دنیا میں نزول ہوا ہوگا۔ خیر مختصر تعارف کے طور پر ہمارا نام زونائشہ خان ہے۔ تعلیمی قابلیت کے لحاظ سے گریجویٹ ہوں اور بی ایڈ جاری وساری ہے۔ اسٹارز پر بالکل یقین نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور والدین کی دعاؤں پر بھرپور یقین واعتماد ہے۔ گھر بھر میں سب سے زیادہ شرارتی اور نٹ کھٹ ہوں اور بقول کزنز کے محفل کی جان ہوں۔ جن میں سرفہرست عزیز از جان پھپھو کی بیٹی صباحہ کیانی ہیں اس سے ملیے یہ جو سامنے وسیع بھرکم حلیے گھنے سیاہ بالوں کے چھتے کو کھجاتے ہوئے اور غصے میں چھوٹی سی ناک پھلائے دانت کچکچا رہی ہیں یہی صباحہ ہیں اور اسکے ساتھ ہی اسمارٹ اور شرارتی آنکھوں والی شمل صاحبہ ہیں اور یہ جو دوپٹے کے ہالے میں پر نور دمکتے چہرے والی نوین صاحبہ کے ساتھ اسمارٹ سی مڑی پلکوں والی عائزہ اور بادامی شہد رنگ ذہین آنکھوں والی سلوئی ستارہ ہیں۔ ان سب میں میری جان ہے۔ ہم سب مل کر ہر شرارت کو اختتام تک پہنچاتے ہیں جس کا ہیڈ اور اصل محرک کے طور پر میرا ہی ہاتھ ہوتا ہے لیکن بقول ان کے معصومیت کے پٹارے ہمارے اس بوتھے کو دیکھ کر کوئی بھی یقین نہیں کرسکتا۔ کھانے میں کیا پسند ہے؟ تو کھانے میں مجھے بریانی اور برگر انتہا درجے کے پسند ہیں اور چائنیز بہت شوق سے کھاتی ہوں۔ پسندیدہ رنگ سی گرین، کاسنی، پیازی ہر شیڈ میں پسند ہے۔ اس کے علاوہ فارغ اوقات میں اچھی اور ہر طرح کی کتابیں پڑھنا پسند ہے اور لکھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ سوچا کہ آنچل کی اس بزم میں شرکت کی جائے تو ان سب کزنز جل ککڑیوں نے (یہ منہ مسور کی دال) (شیخ چلی کے خواب) (بندر کیا جانے ادرک کا سواد) (چھوٹا منہ بڑی بات) جیسے القابات سے نواز کر ہم مابدولت کے جوش وخروش کے گرما گرم ولولے پر نادر محاورات وارشادات کا ٹھنڈا ٹھار پانی انڈیل

دیا۔ ہم مابدولت بھی کہاں باز آنے والے تھے۔ ہاتھ کمر پر ٹکا کر تقریرانہ انداز میں ثابت کر دیا کہ تاریخ گواہ ہے کہ ہر عظیم قلمکار اور فنکار کو ایسے ہی نامساعد حالات اور بے اعتنائیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہم مابدولت بھی ضرور لکھیں گے۔ تقریر کے اختتام پر ہمارا منہ سرخ اور گردن کی پھولی رگوں کو دیکھ کر سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے ہم پر ترس کھاتے چل دیے۔ اس کے علاوہ میں آنچل کے بارے میں بھی کہنا چاہوں گی کہ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد رسالہ ہے جو اپنی خصوصیات اور خوبیوں کے ساتھ اپنے مقاصد کو پورا کرنے میں گامزن ہے۔ مجھے اس کی بہت سی تحاریر اور رائٹرز نے متاثر کیا۔ جن میں نازیہ کنول نازی عفت سحر طاہر اور راحت وفا اور سمیرا شریف طور کے ساتھ ساتھ ام ثمامہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان رائٹرز کے قلم میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ اور بطور خاص مدیرہ صاحبہ کو بھی اس کار خیر کی کاوشوں کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ اب اس بزم سے رخصت لیتے ہیں یہ کیا ہمارے رخصت ہونے کا سنتے ہی سب کے چہروں پر مسکراہٹ، ارے ارے زیادہ خوش مت ہوئیے۔ اب نہ جان چھوڑیں گے سرکار، لے کر باتیں کئی ہزار، اور تبصرے بے شمار، ہم پھر آئیں گے اگلی بار والسلام۔

عائشہ عمیر

مجھے پتا ہے آپ سب ایک دم فٹ ہوں گے اور کوئی اگر نہ ہو ان کے لیے بیسٹ وشنز، مجھ معصوم کا نام عائشہ عمیر ہے۔ مابدولت 6 اگست کو اس دنیا میں تشریف لائی ہیں۔ میرا آنچل کا ساتھ کافی پرانا ہے۔ آنچل مجھے بہت پسند ہے۔ اسے پڑھنے کے لیے میں کچھ بھی کر کے ٹائم نکال لیتی ہوں اور اب اپنے بارے میں بتاتی ہوں۔ میرے سسرال میں میرے والدین جیسے ساس سسر اور بھائی بہن جیسے دیور ایک جیٹھ، جیٹھانی اور پیاری سی نند ہیں۔ مجھے ان سب سے بے حد پیار ہے۔ اللہ انہیں ہر وقت خوش رکھے، آمین۔ اور آخر میں اپنے ہسبینڈ کی کیا تعریف کروں وہ تو ہیں ہی اچھے میرا خیال رکھنے والے۔ پہلے اپنی خوبیاں بتا دوں، خوش مزاج، ہنس مکھ، باتونی ہوں کسی کی پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ ہمدرد بہت ہوں۔ سب کی کیئر کرتی ہوں۔ جو کام امی کہتی ہیں اور پورا ایمانداری سے کرتی ہوں اور بولتی بہت زیادہ ہوں اکثر پاپا سے ڈانٹ پڑ جاتی ہے کہ کم بولا کرو ایک کان سے سنتی ہوں دوسرے کان سے نکال دیتی ہوں مجھے ہنس مکھ لوگ بہت اچھے لگتے ہیں اور میں ہر ایک کے ساتھ جلدی دوستی کر لیتی ہوں اس لیے دوستوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خامیاں، غصے کی بہت تیز ہوں۔ بہت زیادہ پوزیسو ہوں جو چیز میری ہو وہ بس میری ہو، مغرور اکھڑ اور سخت طبیعت والوں سے چڑ ہے۔ شدت پسند ہوں۔ اپنی ذات پر تنقید برداشت نہیں کرتی کیونکہ میرا خیال ہے کہ جو لوگ دوسروں پر تنقید کرتے ہیں وہ دراصل اپنے کردار کی خامیاں دوسروں میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں اور میری پسندیدہ شخصیت حضورؐ کے بعد میرے ساس سسر اور والدین ہیں۔ فیورٹ

کلر ریڈ اینڈ وائٹ ہیں۔ کھانے میں چائنیز رائس بہت پسند ہیں اور میٹھے میں رس ملائی اور آئس کریم بہت پسند ہے۔ اچھی آواز متاثر کرتی ہے۔ ایف ایم 101 میں گیت غزل غائم میں ریحان اسدی، عاصم بشیر اور آغا فیضان کی پسند ہیں۔ پرفیوم اور خوشبو سے عشق ہے۔ مجھے آرمی، ڈاکٹر اور وکیل بہت پسند ہیں پر میں رائٹر بننا چاہتی ہوں مجھے سب کو تنگ کرنا اور بچوں کو ڈرانا اچھا لگتا ہے ہاہاہا۔ اسٹار پر یقین نہیں رکھتی لیکن پھر بھی کبھی کبھار پڑھ لیتی ہوں۔ مجھے فرینڈز کو ایس ایم ایس کرنا بے حد پسند ہے۔ مجھے جوک والے ایس ایم ایس ذرا پسند نہیں بلکہ رومینٹک، پوئٹری اچھی لگتی ہے خاص کر "میں ایسی محبت کرتا ہوں تم کیسی محبت کرتے ہو اور وصی شاہ کی "اب میرے ہو کے رہو" بہت پسند ہے اور آنچل کے تمام سلسلے وار ناول بہت بہت اچھے لگتے ہیں۔ مجھے چاندنی رات بہت متاثر کرتی ہے۔ بارش کے موسم میں بھیگنا اچھا لگتا ہے پر بجلی جب کڑکتی ہے تو ڈر لگتا ہے۔ جیولری میں مجھے رنگ، بریسلیٹ پسند ہے۔ میک اپ کرنا پسند نہیں۔ سادگی اچھی لگتی ہے۔ پسندیدہ لباس چوڑی دار پاجامہ لمبی قمیص اور بڑا سا دوپٹا لیکن میرے ہسبینڈ کو ساڑھی اچھی لگتی ہے۔ انڈین ہیرو سلمان کی خان بہت پسند ہے اور پاکستان میں فیصل قریشی کی فین ہوں ان کے ساتھ لنچ بھی کر چکی ہوں میں ٹائم کی پابند ہوں اور وعدے کی بھی نماز پڑھتی ہوں جس سے بہت سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے چھوٹی سے چھوٹی دعا مانگتی ہوں اللہ تعالیٰ نوازتے ہیں۔ مجھے اپنے سارے بہن بھائیوں سے پیار ہے مگر چھوٹی اور لاڈلی بہن (وشمہ) کو بہت چاہتی ہوں۔ امی کو بھی بہت چاہتی ہوں مگر پاپا سے بھی پیار ہے جنہیں چاہتی ہوں غصہ بھی انہی پر اتارتی ہوں کیا کروں بہت حساس ہوں نا۔ میرے خیال میں محبت بہت بری چیز ہے اور اچھی بھی......! پاس ہو تو لگتا ہے کہ سارے جہاں کی خوشیاں آپ کے قدموں میں ہیں اور دور ہو تو لگتا ہے جیسے جسم روح کے بغیر۔ مجھے لگتا ہے میری باتیں زیادہ ہی لمبی ہو گئی ہیں ناحق میں نے اپنا اور آپ کا وقت ضائع کیا آخر میں اچھی سی مسکراہٹ کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں دعاؤں میں یاد رکھیے گا، فی امان اللہ۔

زاہدہ پروین

السلام علیکم! سب کے تعارف پڑھے تو ہمارا بھی دل نے کہا کہ اپنا تعارف کرائیں آخر کو ہم بھی تو ہیں نا۔ میرا نام زاہدہ پروین ہے میں بی اے کی طالبہ ہوں اور عالمہ کا کورس بھی کر رہی ہوں۔ سب دعا کیجیے گا کہ اللہ پاک مجھے کامیاب کرے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑی آپی زلیخا ہیں جس میرے بہت پیارے پیارے کپڑے سیتی ہیں۔ پھر بھائی فہیم ہے پھر مابدولت پھر چھوٹا بھائی اعظم ہے میرے ابو تو میرے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے امی بہت اچھی ہیں میری بیسٹ فرینڈ ہیں میری ماما۔ میری ڈیٹ آف برتھ 21 اکتوبر 1992ء ہے، اسٹار لبرا اور لبرا کی تمام خوبیاں

اور خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ آنچل تو میں
چھٹی کلاس سے پڑھتی ہوں لیکن اس وقت
چوری چھپے پڑھتی تھی کبھی موقع ملتا کبھی نہیں،
نومبر 2011ء سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع
کیا ٹوٹا ہوا تارا اور مجھے ہے حکم اذاں میرے
فیورٹ ناول ہیں۔ رائٹرز میں مجھے سرفہرست
تو نمرہ احمد اس کے علاوہ عمیرا احمد، رفعت سراج،
رخسانہ نگار، عدنان، سمیرا شریف طور، ام مریم،
آسیہ رزاق اور بہت سی رائٹرز جو شعاع،
خواتین اور آنچل میں لکھتی ہیں سب میری
فیوریٹ ہیں۔ جہاں تک بات خامیوں کی ہے
تو پہلی بات جو مجھ میں ہے اور مجھے خود ناپسند
ہے وہ یہ کہ میں غصے میں بہت بدتمیز ہو جاتی
ہوں لیکن بعد میں بہت دکھ ہوتا ہے اور معافی
بھی مانگ لیتی ہوں دوسروں پر اعتماد جلدی
کر لیتی ہوں اور ہمیشہ نقصان اٹھاتی ہوں۔
خوبیاں (آہم آہم) بہت ہیں بہت نرم دل
ہوں۔ کسی کا دکھ برداشت نہیں ہوتا ہر وقت
ہر کسی کے کام آنے کے لیے تیار رہتی ہوں اب
بس جناب سب کہیں گے اپنے منہ میاں مٹھو
اور بہت فرینک ہوں مجھے سب کا تعارف پڑھ
کر بہت اچھا لگتا ہے آپ سب پلیز بتایئے گا
ضرور مجھ سے مل کر کیسا لگا۔ میں فرح ناز سے
دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر وہ چاہے تو۔ میں
بہت جلدی گھل مل جاتی ہوں اور شگرف ریاض
آپ کا نام بہت پیارا ہے پلیز اس کا مطلب تو
بتا دیں اچھا جی بس بس بہت بہت بور کر لیا اللہ
حافظ۔

سدرہ مہری

ہیلو، ہیلو لگتا ہے ہماری انٹری بھی ہوگئی چلو جی
شکر ہے اچھا جی مابدولت کا نام سدرہ مہری ہے
ویسے تو نام سدرہ ہے پر میری کاسٹ مہر ہے تو
فرینڈز مہری کہتی ہیں بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی
مہری کہتا ہے۔ میں 29 جنوری کو اس دنیا میں
تشریف لائی آنکھ کھولتے ہی رب کو یاد کیا ایسا
میرے امی ابو کہتے ہیں میں بہت حساس ہوں کسی
کا دکھ دیکھ نہیں سکتی۔ غصہ بہت جلدی آجاتا ہے
کام چور ہو بھی ہوں گھر کے کام بس کام نہ کرو تو
امی کی ڈانٹ سننی پڑتی ہے اچھا لگتا ہے میری امی
بہت اچھی ہیں اللہ ان کا سایہ میرے سر پر تادیر
قائم رکھے آمین۔ اچھا جی تو اب کھانے کی طرف
آئیں تو جو مل جاتا ہے اسی کو شکر ادا کر کے کھا لیتی
ہوں میں جیولری کا کام کرتی ہوں پڑھنے کا بہت
شوق ہے لیکن لگتا ہے رب کو منظور نہیں ہے میں
9th کی طالب علم ہوں رنگ مجھے ٹی پنک، بلیک
اور جو مجھ پر سوٹ کرے پہن لیتی ہوں اور آخر
میں یہ کہنا چاہوں گی آئی مس یو تایا ابو ہم نے آپ
کو دیکھا نہیں لیکن اپنی زندگی میں آپ کی کمی
محسوس کرتے ہیں آپ جہاں بھی رہیں خوش
رہیں، اللہ نگہبان۔

ڈھل گئی ہجر کی رات
سمیرا شریف طور

مٹھی میں کائنات بڑی دیر تک رہی
میری طرف حیات بڑی دیر تک رہی
ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بڑی دیر تک رہی

یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی
اس دشت میں ایک شہر تھا وہ کیا ہوا آوارگی......!

وہ گھاس پر ٹہلتے ٹہلتے ایک دم چونک گئی۔ یہ آواز اسے گیٹ کے پاس بنے سلطان بابا کے چھوٹے سے کوارٹر میں سے آرہی تھی۔ سلطان بابا ریڈیو کے بڑے شوقین تھے ان کے ریڈیو پر ہر وقت کوئی نہ کوئی اسٹیشن چل رہا ہوتا تھا۔ یہ آواز بھی شاید اسی سلسلے کی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی' سلطان بابا کے کوارٹر کے قریب چلی آئی۔ سلطان بابا کی پشت اس کی طرف تھی' ریڈیو کان سے لگائے بڑے وہ مسرور انداز میں سر دھن رہے تھے۔

حمدہ لب بھینچے واپس پلٹی تو اماں زلیخا تیزی سے اندرونی سیڑھیاں اترتے اسی طرف آتی دکھائی دیں۔

"تسی حمدہ پتر اتھے او...... میں تہانوں اندر ہر پاسے دیکھ آئی......" (حمدہ پتر تم ادھر ہو میں آپ کو ہر جگہ دیکھ آئی ہوں)

"خیریت اماں......" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"آہو جی...... تساں نوں وڈی بی بی یاد کرنی ہی۔" (آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں) حمدہ نے گہرا سانس لیا۔

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔" زلیخا اماں کو روانہ کر کے وہ خود بھی اندر کی طرف چلی آئی۔

بی بی جن کو سب وڈی بی بی کہتے ہیں اپنے مخصوص تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کے پاس نسرین بھی تھی' وہ شاید اسے کوئی ہدایت دے رہی تھیں اسے قریب آتے دیکھ کر مسکرائیں۔

"آؤ پتر حمدہ! میں کتنی بار زلیخا کو کہہ چکی تھی کہ تمہیں بلا لائے۔ کل سے آئی ہو' بس ادھر ادھر گم صم پھر رہی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو......" نسرین کو جانے کا اشارہ کرتے انہوں نے اپنے قریب ہی تخت پر جگہ بنائی تو حمدہ خاموشی سے ٹک گئی۔

"یہ کچھ پردے ہیں عمر کے کمرے کے اتنے عرصے بعد وہ آرہا ہے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کون سے رنگ والے پردے اس کے کمرے کے لیے رکھوں۔ تم بتاؤ کون سا رنگ ٹھیک رہے گا؟" بی بی کے چہرے پر برسوں بعد اپنے بیٹے سے ملنے کا جوش نظر آرہا تھا' حمدہ نے ان کے سامنے رکھے پردوں کے ڈھیر کو دیکھا اور پھر بلیو اینڈ وائٹ کمبنیشن والے پردوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ ٹھیک رہیں گے۔ ویسے یہ کام تو آپ کو ان کی پسند کے مطابق ہی کروانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنی پسند بتادی اب پتا نہیں ان کی پسند کیا ہے......؟"

"تمہاری پسند کوئی عام پسند نہیں ہوتی۔ ویسے مجھے بھی عمر کے کمرے کے لیے یہی پردے پسند آئے تھے مگر پھر سوچا تم سے پوچھ لوں' تم پڑھی لکھی ہو آج کل کے فیشن کا تمہیں زیادہ پتا ہے۔" حمدہ ان کی بات پر دھیرے سے ہنس دی۔

"ماریہ باجی سے بات ہوئی کب تک واپسی ہوگی؟"

"ہاں ماریہ نے فون کیا تھا کہہ رہی تھی کہ موسم کی وجہ سے جہاز لیٹ ہوگیا ہے۔" حمدہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

"اب یہ نسرین پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے۔ میں نے کل سے کہہ رکھا تھا نسرین سے کہ عمر کے آنے سے پہلے اس کے کمرے کے پردے بدل دے مگر اب تک نہیں بدلے۔"

"لائیں میں کر دیتی ہوں۔ نسرین کچن میں لگی ہوگی۔" وہ کل سے ادھر تھی اب بی بی کو یوں پریشان دیکھ کر

فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

"نہ پتر نہ...... تو کل سے ادھر ہے کچھ نہ کچھ کر رہی ہے۔ نسرین فارغ ہو کر بدل دے گی۔" بی بی نے فوراً انکار کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے دھیمی مسکراہٹ سے کہتے ہوئے پردے اٹھا لیے۔

اس چھوٹی حویلی میں آج ہر طرف چہل پہل تھی اور کیوں نہ ہوتی سالوں بعد عمر پاکستان آرہا تھا اور چند گھنٹے گزرنے کے بعد اس نے حویلی میں ہونا تھا۔ وہ پردے لیے عمر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ایک ماہ پہلے بی بی نے نئے سرے سے اس کمرے کا پینٹ کروا کر سارا فرنیچر نیا بنوا کر اس کمرے کو سجا دیا تھا۔ بس پردے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ حمدہ کو کچھ وقت لگا پردے بدلنے میں' اس کے بعد عصر کا وقت تھا' اس نے بی بی کے کمرے میں آکر نماز پڑھی دعا مانگ کر اٹھی تو بی بی کمرے میں آتی دکھائی دیں۔

"اب تو جہاز آچکا ہوگا نا؟" بی بی کی بے تابی قابل دید تھی۔ حمدہ مسکرا دی۔

"جی...... امید تو ہے۔"

"یہ ماریہ نے فون بھی نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا کہ جیسے ہی جہاز آئے فون کر دے۔ میں نے شکرانے کے نفل پڑھنے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد تو نفل نہیں پڑھے جا سکتے ناں۔" حمدہ کیا کہہ سکتی تھی خاموش ہی رہی۔

"تم ماریہ کو فون کرو' پتا کرو...... جہاز آ گیا ہے یا نہیں۔" بی بی نے کہا تو اس نے سر ہلا کر ان کے سرہانے رکھا کارڈ لیس اٹھا لیا۔ نمبر ملا کر اس نے دوسری طرف رابطہ کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" دوسری طرف ماریہ باجی ہی تھیں۔

"میں حمدہ بول رہی ہوں...... بی بی پوچھ رہی ہیں کہ جہاز لینڈ کر چکا ہے۔"

"ہاں ابھی ابھی لینڈ کیا ہے...... اللہ کا شکر ہے...... ابھی ہم باہر ہی ہیں۔ ائرپورٹ سے کلیئرنگ کرواتے کرواتے بھی خاصا وقت لگ جائے گا۔ ماں جی کو کہنا پریشان نہ ہوں' ہم رات تک پہنچ جائیں گے۔"

"جی کہتی ہوں...... اللہ حافظ۔" کال بند کر کے اس نے بی بی کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"جہاز آ گیا ہے' ماریہ باجی کہہ رہی تھیں کہ ائرپورٹ سے فارغ ہوتے ہوتے بھی دو گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔"

"یا میرے مالک! تیرا شکر......" بی بی نے فوراً شکر بجا لایا۔

"میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں' تم کچن میں نسرین کو دیکھنا کہاں تک کام ہوا ہے' عمر گھر میں داخل ہوتے ہی بھی نے کھانا مانگنا ہے۔" حمدہ سر ہلا کر کچن کی طرف چلی آئی تھی۔ نسرین کے ساتھ ہاتھ بٹاتی وہ سوچتی رہی کہ ہو سکتا ہے کل تک اماں واپس آجائیں...... کل ممانی کے بھائی کے انتقال کی خبر پہنچی تھی' خاصا دور دراز علاقہ تھا' اماں کل شام کو ہی چلی گئی تھیں۔ آج انہوں نے فون کر کے حمدہ کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ آج نہیں آپائیں گی تو آج رات بھی ادھر چھوٹی حویلی میں رہ کر کل پھر وہ صبح سویرے نکلنے کی کوشش کریں گی۔

شام تک وہ نسرین کے ساتھ ہی کچن میں مصروف رہی پھر اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ بی بی اور اس نے اکٹھے ہی مغرب کی نماز پڑھی تھی۔

"ماریہ کا نمبر تو ملاؤ ذرا...... پتا تو کرو اب یہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں؟" بی بی کا دھیان بس ایک ہی طرف تھا' حمدہ مسکرا دی۔ تاہم سر ہلا کر جائے نماز لپیٹ کر ایک طرف رکھتے اس نے سرہانے پر رکھا کارڈ لیس پھر تھام لیا۔ بظاہر دعا مانگتے بی بی کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔

"السلام علیکم!" نمبر ملا کر رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔

"وعلیکم السلام! عمر اور ہم واپسی کے لیے نکل چکے ہیں۔ بس ایک دو گھنٹے میں گاؤں پہنچ جائیں گے۔" دوسری طرف ماریہ باجی نے ہنستے ہوئے کہا' تبھی اس کے ہاتھ سے کسی نے جیسے موبائل چھین لیا تھا۔

"اماں جی بس ایک دو گھنٹے کی دوری پر ہوں آپ سے...... مجھے پتا ہے آپ کس قدر بے تابی سے میرا انتظار کر رہی ہیں' کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔ برسوں بعد آپ

سے ملنا ہے جی چاہ رہا ہے کہ اڑ کر پہنچ جاؤں آپ تک۔“ دوسری طرف مسکراتی زندگی سے بھرپور اجنبی مردانہ آواز حمدہ کو اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی تو اس نے ایک دم گھبرا کر ایک لفظ بھی کہے بغیر کال بند کردی تھی۔

”کیا ہوا...... کیا کہہ رہی تھی ماریہ؟“ بی بی کا دھیان مکمل طور پر اسی طرف تھا۔

”کچھ نہیں...... وہ لوگ نکل چکے ہیں ایک گھنٹے میں گاؤں میں ہوں گے۔“ اس نے کارڈلیس واپس سرہانے رکھتے سنجیدگی سے کہا۔

”اللہ ساتھ خیریت کے میرے بچے کو اپنے گھر لائے۔ برسوں ہم نے یہ دوری سہی ہے۔“ بی بی آبدیدہ ہوئیں تو حمدہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

بی بی کا حوصلہ قابل دید تھا۔ انہوں نے برسوں اپنے بیٹے کی یاد میں روتے وقت گزارا تھا' آج وہ سرخرو تھیں۔ جن لوگوں کے ڈر سے انہوں نے اپنے جگر گوشے کو خود سے دور کیا آج وہ لوگ خود ہی ان سے شرمسار تھے اور ان کو برسوں بعد آج اپنے بیٹے سے ملنے کا موقع مل رہا تھا۔

حمدہ خاموشی سے ان سب کی خیریت سے واپسی کی دعا مانگتی بی بی کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

......☆☆☆......

ان لوگوں کو ”چھوٹی حویلی“ پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ حمدہ بی بی کے کمرے میں ان کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی جب گاڑیوں کے اندر داخل ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو وہ ایک دم اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ بی بی کا کمرہ اس لوکیشن میں تھا کہ اس کھڑکی سے باہر گیٹ تک کے تمام مناظر واضح دکھائی دیتے تھے۔ گاڑیوں سے بڑی حویلی کے تمام افراد کے علاوہ ماریہ باجی' ذوالفقار بھائی ان کے دونوں بچے اور کچھ اضافی مہمانوں کو اترتے حمدہ نے دیکھا اور پھر ماریہ باجی والی گاڑی میں سے ہی عمر نکلا تھا۔ حمدہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

جب وہ یہاں سے گیا تھا تو صرف سولہ سترہ سال کا نو عمر لڑکا تھا' بہت پرانی بات تھی اور آج وہ ایک بھرپور قد کاٹھ والا مکمل طاقتور توجوان تھا' وہ اپنی عمر اور جسامت سے ستائیس اٹھائیس سال کا لڑکا لگ رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر بی بی ملازموں کے ہمراہ کھڑی تھیں۔ عمر نے گاڑی سے نکلتے ہی ایکدم بھاگ کر ماں جی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

”میرا بیٹا! میرا عمر......“ ماں جی نے والہانہ انداز میں عمر کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

وہ بار بار بڑی شدت' بے قراری اور والہانہ پن سے اس کی پیشانی چوم رہی تھیں۔

”ماں صدقے...... ماں قربان...... جب گیا تھا چھوٹا سا تھا' آج اتنا بڑا ہو گیا ہے۔“ وہ ساتھ ساتھ رو رہی تھیں' اماں زلیخا اور نسرین آنکھوں میں آنسو لیے عمر پر پھول برسا رہی تھیں۔ کھڑکی کے اس طرف کھڑی حمدہ کی بھی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی تو وہ وہاں سے ہٹ کر واپس بستر پر آ بیٹھی۔ مگر کل سے کچھ پریشان اور بے چین تھی تو آج بہت چاہنے کے باوجود وہ اس حویلی کا حصہ نہیں بن پا رہی تھی اور بی بی کا یہ بیٹا کتنا بدل گیا تھا' رات کے وقت ٹیوب لائٹ کی روشنی میں وہ جو بھی دیکھ پائی تھی وہ یہی تھا کہ عمر ہاشم ایک مضبوط قد کاٹھ والا ایک توانا مرد تھا' مضبوط سینہ کشادہ پیشانی' چوڑے کسرتی کندھے' یقیناً غیر ملک میں رہ کر اس کی صحت پر خاصا اچھا اثر پڑا تھا۔ خیر جب وہ یہاں سے گیا تھا۔ عمر تب بھی خاصا توانا وجود کا مالک تھا۔ سوچتے سوچتے کچھ دیر گزری تو اماں زلیخا اندر داخل ہوئیں۔

”پتر تسی ادھر بیٹھے ہو...... ادھر کھانے والی میز تے وڈی بی بی تسی نوں بلا رہے نیں......“ حمدہ نے سر اٹھا کر زلیخا اماں کو دیکھا' بی بی اسے بلا رہی تھیں یقیناً کھانے کی ٹیبل پر چھوٹی حویلی کے علاوہ بڑی حویلی کے افراد بھی براجمان ہوں گے۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے وہ جائے کہ نہ جائے۔ بی بی نے اس کے معاملے میں کبھی حیثیت مرتبے کا خیال نہیں رکھا تھا مگر بڑی حویلی کے افراد اس لحاظ کو ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ خصوصاً چھوٹی چوہدرانیاں۔

”میں فیر کی جا کے آکھاں کہ تسی آ رہے ہونا......؟“ کے یوں الجھتا دیکھ کر اماں زلیخا نے پوچھا انہیں شاید کچن میں اور بھی کام تھے حمدہ ایک گہرا سانس لیتے بستر سے اتر آئی۔

”چلیں۔“

اس نے کل شام گھر سے نکلتے وقت یہ لباس پہنا تھا ہلکا ٹی پنک رنگ تھا' پچھلے سال باجی نگہت نے اسے یہ سوٹ بھجوایا تھا' جدید فیشن کے مطابق سلا ہوا تھا شاید انہوں نے کسی اچھی دکان سے خریدا تھا۔ ایک دو بار ہی حمدہ نے پہنا تھا اور جب اماں نے اسے بتایا کہ وہ اسے یہاں چھوڑ کر جائیں گی تو پہلے تو وہ مانی ہی نہ تھی کہ ادھر ”چھوٹی حویلی“ میں مہمانوں کی موجودگی اور عمر کی آمد سے وہ بے خبر نہ تھی مگر اماں اسے اکیلے گھر میں تنہا بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ مجبوراً اسے یہ سوٹ پہننا پڑا تھا کہ وہ بی بی کے رشتہ داروں کے سامنے کسی بھی قسم کی سبکی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ براؤن بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹے اپنی چپل اڑس کر وہ زلیخا اماں کے ہمراہ ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ آج رات کے کھانے کا انتظام دعوت خانے میں کیا گیا تھا' ایک بڑی سی میز اور اس کے گرد کرسیوں پر بیٹھے لاتعداد لوگ' حمدہ دروازے پر ہی رک گئی تھی۔ بی بی کی نظر اس کی طرف اٹھی تو اسے دروازے پر ہی رکتے دیکھ کر مسکرائیں۔

”آؤ حمدہ...... ادھر آ جاؤ میرے پاس' میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔“ بی بی کے کہنے پر وہ ان کے پاس چلی آئی تھی۔

”السلام علیکم......!“ اس نے سب پر ایک اجتماعی نگاہ ڈالتے اجتماعی سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام۔“

ماریہ باجی اور کئی لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ خصوصاً بی بی کے دائیں طرف بیٹھے عمر نے بھی اسے دیکھا۔ ایک بڑی سی براؤن چادر میں خود کو چھپائے وہ بی بی کے بائیں طرف آ بیٹھی تھی۔

”کہاں تھیں تم نظر ہی نہیں آئی۔“ ماریہ باجی نے پوچھا تو وہ صرف سر ہلا کے رہ گئی۔

”نسرین کرسی ادھر ہی لا دو...... حمدہ میرے پاس ہی بیٹھ جائے گی۔“

بی بی نے اپنی کرسی عمر کی طرف کھسکا کر اس کے لئے ٹیبل کے گرد جگہ بنائی تھی۔

”آئی نہیں ابھی تک تمہاری ماں؟“ یہ بڑی چوہدرانی کی آواز تھی۔ ہمیشہ کی طرح طنزیہ۔

”جی...... کل صبح آ جائیں گی......“ دھیمے لہجے میں جواب دے کر وہ کرسی پر ٹک گئی۔

”ہوازشی......؟“ عمر اس نئے وجود سے یکسر انجان تھا' اس نے ماریہ کی طرف دیکھا۔ دھیمی آواز میں ہی پوچھا۔

”چاچی مختار کی بیٹی ہے۔“ ماریہ نے دھیمے سے کہا جبکہ بی بی ڈشیں اٹھا اٹھا کر حمدہ کے آگے رکھ رہی تھیں۔ جنہیں اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا' یقیناً وہ رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔

”چاچی مختار......؟“ عمر سوچنے لگا۔

”نانا جان کے چچازاد بھائی طفیل چاچا کی بیوی کا نام مختار ہے۔ یہ انہی کی بیٹی ہے۔“

”وہ...... آئی سی......“ عمر کو ایک دم یاد آیا تو اس بار اس نے قدرے غور سے ماں جی کے بائیں طرف بیٹھے وجود کو دیکھا۔

”ان کی تو آئی تھنک تین بیٹیاں تھیں؟“ عمر کو فوراً یاد آیا تھا۔

”ہاں نگہت میری ہم عمر ہے' ساجدہ تمہاری اور یہ تیسرے نمبر والی حمدہ ہے۔“

”ان کا ایک بیٹا بھی تھا قمر......؟“

”ہاں وہ آج کل ملک سے باہر ہوتا ہے۔ بیوی بچوں والا ہے۔ دوبئی میں رہتا ہے۔“ دونوں بہن بھائی یہ ساری گفتگو بڑے دھیمے سروں میں کر رہے تھے جبکہ باقی لوگ کھانا کھا رہے تھے۔

”جب میں گیا تھا تو یہ بچی سی تھی اب تو کافی بڑی ہو گئی ہے۔ اور خاصی خوبصورت بھی ہے۔“ بڑی سی براؤن چادر میں لشکارے مارتا اس کا دودھیا حسن وہ ایک نگاہ میں ہی جانچ چکا تھا۔ ماریہ نے ایک نگاہ اٹھا کر اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا وہ بظاہر کھانا کھا رہا تھا مگر نگاہیں حمدہ کے چہرے پر ہی تھیں۔ وہ ایک کھلے ڈلے ماحول میں رہ کر آیا تھا اور یہ بے

باقی شاید اسی ماحول کا نتیجہ تھی جو دل کی بات فوراً لبوں پر لے آیا تھا۔

"چاچی مختار خود بھی تو ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہیں۔ ان کے چاروں بچے ان پر ہی گئے ہیں۔" ماریہ باجی نے اس کی نگاہوں کے تاثر کو عام لہجے میں سمو کر زائل کرنے کی کوشش کی۔

"یہ دونوں بہن بھائیوں میں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں۔" چھوٹی ممانی دونوں کو یوں دھیمے لب و لہجے میں باہم گفتگو کرتے دیکھ کر پوچھنے لگیں تو ماریہ فوراً مسکرا کر سیدھی ہوئی۔

"کچھ خاص نہیں بس اردگرد کی باتیں کر رہے تھے۔"

حمدہ نے بھی کھانا کھاتے سر اٹھا کر دیکھا عمر ابھی بھی گاہے بگاہے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کچھ ایسا تاثر ضرور تھا کہ حمدہ سٹپٹا سی گئی۔ براہ راست کسی نے بھی دونوں کا تعارف نہیں کروایا تھا اگر کچھ پل قبل اس نے عمر کی آمد پر خوش آمدیدی کارروائی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پہچان بھی نہ پاتی۔

حمدہ نے سوچا شاید یہ شخص بھی اس کے تعارف سے بے خبر ہے شاید اسی لیے بار بار اسے دیکھ رہا ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل اس شخص کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی اور اندر ہی اندر گھبراتی رہی جبکہ باقی سبھی خوشگوار موڈ میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اس نے بہت جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور پھر باقی لوگوں کے اٹھنے کا انتظار کیے بغیر اس نے ٹیبل چھوڑ دی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کسی کی نگاہوں کی تپش اپنی پشت پر مسلسل محسوس کی تھی، مگر وہ بغیر گھبرائے اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ اور پروقار انداز سمیت کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

......☆☆☆......

اس کا خیال تھا کہ اماں اگلی صبح سویرے نکلیں گی تو گاؤں نو بجے تک پہنچ ہی جائیں گی مگر اماں کا فون آیا کہ ان کا وہاں شہر سے کچھ خریدنے کا پروگرام بن گیا ہے تو شام تک آئیں گی۔ حمدہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ کل اتوار تھا آج ہفتہ کی چھٹی اسے کرنا پڑ گئی تھی۔ وہ گاؤں سے باہر ایک مقامی کالج میں پڑھا رہی تھی۔ اسے ابھی تین چار ماہ ہی ہوئے تھے یہ جاب شروع کیے۔ وہ ایم اے انگلش تھی یہ کالج مقامی سطح پر ساتھ والے گاؤں کے مالکوں نے اردگرد کے دیہات کی لڑکیوں کی سہولت کے لیے پرائیویٹ لیول پر بنوایا تھا۔ ابھی ایک آدھ سال ہی ہوا تھا کہ اس کالج میں فرسٹ ائر اور سیکنڈ ائر کی کلاسز شروع کی تھیں۔ یہاں جاب بھی "بی بی" نے ساتھ والے گاؤں کے ملکوں سے کہہ کر دلوائی تھی۔

اماں گھر نہیں تھیں وہاں تالا لگا ہوا تھا اور اماں نے اسے بار بار گھر کے چکر لگانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ وہ پرسوں شام کو حویلی آئی تھی عجلت میں وہ صرف ایک دو چیزیں ہی لے کر آئی تھی۔ اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے ناشتے کے بعد چھوٹی حویلی کے سبھی افراد بی بی سمیت بڑی حویلی جا رہے تھے۔

ماریہ باجی نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ آصفہ (بڑی چوہدرانی) بیگم اور تیسری چوہدرانی جمیلہ کی وجہ سے انکار کر گئی۔ وہ پرسوں سے ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ لوگ نکلنے لگے تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اپنے گھر سے ہو آئے۔ چابیاں اس کے پاس ہی تھیں وہ تھوڑی دیر گھر کا بھی چکر لگا لے گی اور لباس بھی بدل آئے گی۔

"میں گھر چلی جاؤں بی بی......؟" اس نے بی بی سے اجازت لے لینا مناسب سمجھا۔

"اس وقت......؟" بی بی نے اس کا چہرہ دیکھا' ان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرائے۔

"مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔ میں نے سوچا کہ فارغ رہنے سے کوئی کتاب ہی پڑھ لوں۔" سر جھکائے اس نے کہا تو بی بی نے ایک دو پل اسے دیکھا۔

"چلی جاؤ مگر اکیلے نہیں جانا۔ نسرین تو گھر چلی گئی ہے زلیخا اندر ہی ہے اس کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ زیادہ دیر نہیں رکنا۔ کتابیں اور کپڑے لے کر فوراً آ جانا۔" انہوں نے اجازت دی تو حمدہ گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔

"جی......" وہ لوگ بڑی حویلی کے لیے نکلے تو وہ بھی

زلیخا اماں کو لے کر اپنے گھر آ گئی۔ وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ابھی تالا کھول رہی تھی کہ سفید گاڑی اس کے پاس آ کر رکی۔ گاڑی کے اندر موجود شخص جان بوجھ کر متوجہ کرنے کو زور سے ہارن دینے لگا تھا۔ حمدہ نے لب بھینچ کر براؤن چادر کے اندر فوراً منہ چھپا لیا تھا۔

"حمدہ بی بی! تساں چھیتی بوا کھولو...... اے نحوست مارا اتھے جم ای گیا اے۔" باقر علی کو دیکھ کر اماں زلیخا کے بھی تیور بدلے تھے۔

"کیوں دور دور رہندے او حضور میرے کولوں
سانوں دسدیو ہویا کی قصور میرے کولوں"

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر کافی بلند آواز میں گنگنانے لگا تو حمدہ بغیر توجہ دیے تالا کھول کر دروازہ دھکیلتے فوراً اپنے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ اماں زلیخا اس کے پیچھے بیرونی دروازہ بند کر کے اسی کمرے میں چلی آئی تھیں۔ وہ دیوار گیر ایک الماری کا پٹ کھول کر اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

"یہ باقر علی وی جان دا...... ترا...... دو بچیاں دا پیو بن گیا اے پر حرکتاں نئیں گیاں...... جنانی اودی چھڈ کے ٹر گئی اے پر انہوں عقل نہیں آئی۔" اماں زلیخا نے کافی غصے سے کہا۔

حمدہ خاموش رہی۔ جب سے اس نے کالج جانا شروع کیا تھا اماں نے اس کے لیے کئی سوٹ سلوائے تھے۔ مگر ماریہ باجی اور بڑی حویلی کی عورتوں کے کپڑوں کے سامنے یہ چند جوڑے کچھ بھی نہ تھے۔ چند منٹ ادھر ادھر ہاتھ مارتے اس نے قدرے ایک معقول لباس نکال ہی لیا کہ جسے پہن کر وہ باجی ماریہ کے مقابل کم مائیگی کے احساس کا شکار نہ ہو پاتی۔

"پتر جلدی لے لو...... جو بھی لینا اے اللہ بیڑا غرق کرے...... لے کے تساں دی زندگی اجیرن کر رکھی اے۔"

اماں زلیخا کی بات پر بھی وہ خاموش رہی...... کپڑے نکال کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ درمیانے سائز کے تین کمروں والا گھر تھا۔ جس کی کی دیواریں اور چھت پلستر تھیں۔ البتہ بیرونی دروازے سے آگے کچھ حصہ کچی مٹی کا تھا۔ ایک درمیانے سائز کی چھوٹی سی میز تھی جس پر کپڑا ڈال کر استری رکھی ہوئی تھی وہ کپڑے استری کرنے لگی تو اماں زلیخا بھی اسی کمرے میں آ گئیں۔ حمدہ نے جب تک کپڑے استری کیے اماں زلیخا کا موضوع گفتگو باقر علی کی ہی ذات رہی اور حمدہ اس سارے ذکر کے دوران بالکل خاموش رہی۔ جیسے اس نے اس معاملے میں کبھی نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہو؟

"میں نہا لوں' بس تھوڑی دیر لگے گی......" اپنے گھر میں آ کر وہ پہلی بار کچھ بولی تھی' اماں زلیخا گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

نہانے کے بعد اس نے اپنے لمبے گھنے بالوں کو تولیے میں لپیٹا ہوا تھا' گیلے بدن کی وجہ سے لباس بھی گیلا ہو گیا تھا۔ بالوں کو آگے کر کے اس نے تولیے کے ساتھ ایک دو جھٹکے دیے پھر وہی گیلا تولیہ کمر کے گرد لپیٹ کر بالوں کو پیچھے ڈال کر برش کرنے لگی تھی۔ سردیوں کی دھوپ جسم کو عجیب سکون دے رہی تھی۔ بالوں میں برش کرتے یونہی وہ پلٹی تو دھک سے رہ گئی۔ نگاہ سیدھی سامنے عمارت کی طرف اٹھی تھی۔

باقر علی حسب معمول اپنی چھت پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حمدہ کو لگا اس کے وجود کو انگاروں نے چھو لیا ہو۔ عجیب وحشیانہ غلیظ نگاہیں تھیں' نجانے وہ کیسے چوک گئی تھی جو اردگرد کا جائزہ نہ لے سکی تھی۔ ان کے گھر کی دیوار سات آٹھ فٹ لمبی تھی مگر سامنے والی عمارت کی بلندی کے سامنے اس دیوار کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ شخص دن بدن اس کی زندگی کا ناسور بنتا جا رہا تھا اور اس شخص کی بہنوں کا غرور کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک پل بھی ضائع کیے بغیر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں روپوش ہو گئی تھی۔ کمرے میں آ کر اپنی وہی براؤن چادر لے کر چاروں طرف یوں پھیلا لی کہ جیسے وہ ان غلیظ نگاہوں کی غلاظت سے بچنا چاہ رہی ہو۔

"کیا ہوا پتر...... خیر ہے نا......؟" اماں زلیخا اسے یوں بھاگ کر کمرے میں گم ہوتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حمدہ کا جی چاہا کہ خوب روئے اتنا کہ روتے روتے اس کی سانس رک جائے اور وہ اس

شخص کی پہنچ سے کوسوں دور چلی جائے وہ ساری دنیا کے لیے ایک تماشا بن چکی تھی۔ اس گاؤں کا چھوٹا بڑا ہر کوئی اس کی "داستان" کو مزے لے لے کر سنا تا تھا' ایسے میں اس کا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جائے' کسی ایسی جگہ جہاں اس شخص کی غلیظ نظریں نہ ہوں۔ لوگوں کی چٹ پٹی باتیں نہ ہوں۔ طعنے اور طنز نہ ہو' مگر وہ مجبور تھی اس دنیا میں جینے پر مجبور تھی۔ اماں زلیخا کے استفسار پر محض سر ہلا کر وہ خاموشی سے چند کتابیں لے کر باہر نکل آئی تھی۔

"چلیں......" اس نے کہا تو اماں زلیخا نے سر ہلا دیا۔ کمروں میں تالے لگا کر باہر نکلی تو نظر غیر ارادی طور پر سامنے عمارت کی طرف اٹھ گئی اب وہ شخص وہاں نہیں تھا۔

حمرہ کو لگا وہ جیسے ایک دم جی اٹھی ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"تساں نوں میں حویلی دے گیٹ کول چھڈ کے اپنے کارداوی اک چکر لا لیواں گی۔ رستے میں اماں زلیخا نے کہا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔

"اماں آپ اپنے گھر ہو آؤ...... میں اب چلی جاؤں گی......" جونہی حویلی کا گیٹ دکھائی دیا اس نے کہا۔

"چل پتر' دھیان نال چلی جا......" اس کے اور حویلی کے گیٹ کے درمیان کوئی تیس چالیس قدموں کا فاصلہ تھا۔ وہ سر جھکائے اپنی براؤن چادر چاروں طرف پھیلائے تیزی سے قدم اٹھاتے آگے بڑھی تھی۔ ابھی وہ پانچ دس قدموں کے فاصلے پر تھی جب وہی منحوس شخص ایک پگڈنڈی سے بھاگتا ہوا ایکدم اس کے سامنے آ گیا۔ حمرہ نے گھبرا کر اردگرد دیکھا مگر چاروں طرف کوئی نہیں تھا۔

"رستہ چھوڑو......" ایکدم غصے اور اذیت سے حمرہ کا برا حال تھا۔

"اوئے ہوئے ہمیں تڑیاں......" وہ ہنسا مگر حمرہ خاموش رہی۔

"چھوٹی حویلی والے تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو رہے۔ آخر چکر کیا ہے......؟" اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے گلے میں پڑی ہوئی گرم چادر کے دونوں پلو تھام لیے تھے۔ حمرہ اس شخص سے ہم کلام ہونا تو ایک طرف اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کترا کر سائیڈ سے نکلنا چاہا مگر اس شخص نے اگلے ہی پل اس کا بازو اپنی آہنی گرفت میں جکڑ کر ایکدم جھٹکے سے اپنے سامنے کیا تھا۔ حمرہ اس آہنی گرفت سے لرز کر رہ گئی تھی۔

"چھوڑو میرا بازو......" وہ چیخی تھی مگر اس شخص پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

"اکڑ نہیں گئی تمہاری...... اور وہ بڑھیا ہے کس خوش فہمی میں......؟ میرے سامنے زبان چلائی تو مٹی میں رول دوں گا تمہیں...... تم میری منگ ہو تو رعایت برت رہا ہوں جس دن میری برداشت ختم ہو گئی تم میرے گھر' میرے کمرے میں پائی جاؤ گی۔" حمرہ کے آنسو ایک دم بہہ نکلے۔ ایک ہاتھ میں اس نے کتابیں تھام رکھی تھیں' دوسرا بازو اس شخص کی وحشی گرفت میں تھا۔

"میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا......؟ کیوں نہیں میری جان چھوڑ دیتے۔" وہ سسک اٹھی تھی مگر اس شخص کو رحم نہیں آیا تھا۔

"اگر جان ہی چھوڑنا ہوتی تو اتنے سالوں سے اس معاملے کو لٹکا کے نہ رکھتا......" جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے اس نے خاصے غصے سے کہا۔

"اگر تم اس بھول میں ہو کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی مائی کا لعل تمہیں بیاہ کر لے جائے گا تو میری جان اس غلط فہمی سے نکل آؤ...... میں بندہ مارنا بھی جانتا ہوں اور مرجانا بھی۔ کاشف مراد والا قصہ بھولی تو نہیں...... وہ بڑھیا تیسرا دن ہے گاؤں سے غائب ہے کہیں کوئی چال تو نہیں چل رہی...... مگر کان کھول کے سن لو وہ جتنی بھی چالیں چل لے مگر میرے آگے اس کی ہر چال دم توڑ دے گی۔"

وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر حمرہ اب ایک لمحہ بھی رکے بغیر تیزی سے بھاگ گئی تھی' گیٹ بند تھا مگر کنڈا نہیں لگا تھا اس کے دھکیلنے سے کھلتا چلا گیا تھا اور حمرہ بغیر پلٹ کر دیکھے اندرونی حصے کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔

...... ☆☆☆ ......

وہ بڑی حویلی آیا تھا بی بی ماریہ اور باقی سب لوگ بھی ادھر ہی تھے۔ یہاں آ کر اسے یاد آیا کہ وہ اپنا موبائل تو اپنے کمرے میں بھول آیا ہے۔ وہ تقریباً وہاں آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد واپس اپنی حویلی آیا تھا۔ سلطان بابا نے گیٹ کھولا انہیں ابھی گیٹ بند نہ کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کا یہ کمرہ بی بی نے نیا سجایا تھا' بچپن میں اس کا کمرہ نیچے ہوتا تھا' اب اس کا کمرہ زینہ طے کرتے ہی راہداری میں پہلے نمبر پر تھا۔ موبائل لے کر وہ پلٹا تو نگاہ یونہی شیشے کے پار والے منظر پر پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سامنے نظر آتے وجود کو دیکھ کر نظر انداز کر دیتا اگلے منظر نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایکدم کھڑکی کا شیشہ کھول کر باہر جھانکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ بلاشبہ حمرہ تھی۔ رات ڈائننگ ٹیبل پر دکھائی دیے جانے والی چاچی مختار کی بیٹی۔ وہ اپنے دھیان میں چلی آ رہی تھی جب باقر علی نے ایکدم حویلی کے گیٹ سے چند قدموں کے فاصلے پر اس کا راستہ روک لیا تھا۔ دونوں میں ایک دو بات ہوئی تھی۔ شاید پھر حمرہ نے سائیڈ سے گزر کر جانا چاہا تھا مگر باقر علی نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اس کو پھر اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ کافی تلخی اور غصے سے اسے کچھ کہہ رہا تھا جس کے سبب حمرہ رونے لگی تھی۔ عمر کے لیے یہ سب حیرت انگیز اور دلچسپ تھا۔ رات اس لڑکی کا غیر معمولی حسن دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا اور اپنی طبیعت اور فطرت کے برعکس اسے گاہے بگاہے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جبکہ اب معاملہ اسے کچھ اور ہی نوعیت کا لگ رہا تھا۔ پھر باقر علی نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ حمرہ اب بھی آنسو بہا رہی تھی اور پھر وہ ایکدم بھاگتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

"یہ سب کیا معاملہ ہے......؟" کیوں نہ حمرہ سے ہی پوچھا جائے۔ حمرہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ' جیسے نگاہوں کے سامنے جم گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

اس کا ارادہ تیزی سے نیچے جانے کا تھا' وہ اپنے دھیان میں راہداری کا موڑ مڑتے ہی تیز رفتاری سے زینہ طے کرتے وجود کو نہیں دیکھ پایا تھا' نتیجتاً تصادم شدید تھا۔ اپنے دھیان میں تیز رفتاری سے اندر آنے والا وجود اس کے سخت وجود سے ٹکرا کر پیچھے کو گرا تھا' اس سے پہلے کہ عمر کچھ سمجھتا' معاملے کی نوعیت کا اندازہ لگاتا گرنے والا وجود سیڑھیوں سے تیزی گر کر قلابازیاں لگاتا نیچے فرش پر جا گرا تھا۔

نسوانی چیخ شدید تھی' عمر ششدر رہ گیا' یہ کوئی اور نہیں چند پل قبل گیٹ پر نظر آتی حمرہ ہی تھی جو اب اس تصادم کے نتیجے میں لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ فوراً تین تین چار چار زینے پھلانگتا اس تک پہنچا تھا۔ گرتے ہی وہ حواس کھو چکی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا' اس کی براؤن چادر زینے کی ریلنگ میں الجھ کر نہ صرف ایک کونے سے پھٹ چکی تھی بلکہ وہیں سیڑھیوں پر گر گئی تھی۔ وہ نہا کر آئی تھی' گیلے بال خون کی نمی سے مزید نم ہو چکے تھے۔ وہ منہ کے بل فرش پر گری تھی' عمر نے فوراً اس کو کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا۔

"کوئی ہے...... اماں زلیخا......" حمرہ کے گالوں کو تھپک کر اس نے اسے حواس میں لانے کی کوشش کی مگر پھر ناکام ہو کر اس نے آوازیں دیں مگر حویلی میں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ اس کی دائیں کلائی میں پڑی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں اور کلائی کہنی تک خون آلود ہو چکی تھی۔ سر پر شاید شدید چوٹ لگی تھی' ایکدم فرش پر خون کی دھار بن گئی تھی۔

"سلطان بابا...... سلطان بابا......؟" اتنی دور تک اس کی آواز بھلا کہاں سنائی دیتی......؟ وہ جب تک کسی کے آنے کا انتظار کرتا' اس لڑکی کا اچھا خاصا خون بہہ جاتا تھا۔ اس نے بس ایک پل کو سوچا اور پھر فوراً حمرہ کو بازوؤں میں اٹھا کر ماں جی کے کمرے میں لے آیا تھا۔

"ماریہ باجی آپ...... بھائی جان کو لے کر فوراً حویلی آئیں۔ پلیز جلدی آئیں ماں جی کے کمرے میں ہوں۔" حمرہ کو ماں جی کے بستر پر لٹا کر اس نے پہلا کام یہی کیا تھا کہ ماریہ باجی کو کال کی تھی۔ موبائل بند کر کے اس نے دیکھا اس کی سفید شرٹ خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ وہ عرصے بعد اس حویلی میں آیا تھا اسے نہیں پتا تھا کہ کونسی چیز

کہاں ہے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ خون کو کیسے روکے اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی ایک طرف اسٹینڈ پر تاول پڑا ہوا تھا اس کا ایک حصہ پھاڑ کر حمدہ کے سر کے متاثرہ حصے پر باندھا باقی تاول سے اس کے بازو کو صاف کیا اس کے علاوہ اس لڑکی کے بائیں پاؤں پر بھی خاصی چوٹ آئی تھی۔ لگتا تھا کہ کسی سیڑھی کا کنارہ بری طرح پاؤں کو زخمی کر گیا تھا۔ اچھی خاصی اسکن اتر چکی تھی۔ اس کے پاؤں کو تھام کر زخم کا جائزہ لیتے ہوئے گاہے بگاہے حمدہ کے چہرے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ کل اس کا خوبصورت اور دلکش وجود بے حد نمایاں تھا اس کے کالے سیاہ گھنے بال بستر پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اس کی چادر سیڑھیوں پر ہی پڑی ہوئی تھی وہ چادر اٹھا کر واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کے دلکش سراپا پر اس کی چادر کو ڈال دیا تھا۔ اس کا حسن کچھ حد تک چادر کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ عمر نے اس کی نبض دیکھی پریشانی والی بات تو نہیں تھی مگر جس رفتار سے اس لڑکی کا خون بہہ رہا تھا اور ابھی تک بے ہوش تھی اس سے عمر کو تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر ماریہ باجی کو کال کر کے ایمرجنسی کا کہہ کر فوراً بی جان کے کمرے میں پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

ابھی وہ کل آیا تھا بے شک وہ اسی علاقے کا تھا مگر گزرے سالوں میں ہونے والی تبدیلیاں تھیں کہ وہ خود کو اس ماحول کے لیے اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ اگر وہ خود سے اسے فوراً کہیں لے بھی جائے تو کہاں؟ اسے نہ یہاں کسی ڈاکٹر کا علم تھا اور نہ ہی کسی اسپتال کا۔ اس نے پانی کا گلاس لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے مگر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"کہاں رہ گئے ہیں یہ ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی......؟" یہ حادثہ اس سے ٹکراؤ کی وجہ سے ہوا تھا وہ شعوری طور پر قصوروار نہ تھا مگر اب لگ رہا تھا کہ اس لڑکی کا یوں اتنا خون بہہ جانا اس سب کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

"کیا ہوا خیریت......؟" وہ مسلسل اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا جب عقب سے ماریہ کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر ایکدم گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھا ہوا۔

"ہائے اسے کیا ہوا ہے......؟" جونہی نظر حمدہ پر پڑی وہ ایکدم پریشان ہو کر حمدہ کی طرف بڑھی تھیں۔

"کیا ہوا ہے انہیں......؟" ذوالفقار بھائی بھی اندر آ گئے تھے ان کے لیے بھی صورت حال حیران کن تھی۔

"سیڑھیوں سے گر گئی ہیں......"

"اوہ...... مگر کیسے......؟"

"آپ بھائی جان پلیز اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کریں۔ لگتا ہے سر پر کافی گہری چوٹ لگی ہے۔ منہ کے بل پختہ فرش پر گری ہے اس سے پہلے سیڑھیوں سے سر ٹکرایا ہے۔" ذوالفقار بھائی خود بھی ڈاکٹر تھے۔ وہ فوراً اس کے پاس بیٹھ گئے تھے عمر پریشانی سے قریب کھڑا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس ہے حویلی میں......؟" بھائی جان نے ماریہ باجی سے کہا۔

"ہاں ہے میں لاتی ہوں۔" وہ فوراً باہر نکل گئیں۔

"کافی خون بہہ گیا ہے۔ میں کوشش کر چکا ہوں مگر ہوش نہیں آرہا اسے......؟" عمر کے بتانے پر ذوالفقار بھائی اس کی نبض تھام کر دوسرے ہاتھ سے حمدہ کے سر کا زخم دیکھنے لگ گئے تھے۔ ماریہ باجی فوراً باکس لے آئی تھیں۔ سر کا زخم گہرا تھا۔ اسٹچنگ کی ضرورت تھی ذوالفقار بھائی خاموشی سے اپنے کام میں جت گئے۔

"آہ......" کوئی دس پندرہ منٹ بعد وہ ہلکا سا کراہی۔ تب ہی عمر کی جان میں جان آئی۔ درحقیقت وہ حمدہ کی طویل بے ہوشی سے خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔

"حمدہ......" ماریہ باجی اس کا ہاتھ تھامے بڑی محبت سے پکار رہی تھیں۔

"باجی......" آنکھیں کھول کر ماریہ کو خود پر جھکے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تکلیف سے ایکدم آنسو آ گئے تھے۔

"رونا نہیں...... کچھ نہیں ہوا......؟ بس معمولی سی چوٹ ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔" باجی نے فوراً اس کے آنسوؤں کو صاف کیا اس کی بے ہوشی کے دوران وہ تولیے سے اس کے منہ ہاتھوں اور بازوؤں سے خون

روشن ہے چراغ آگہی

وقت سبک رفتاری سے سرکتا ہے اور سرکتا ہی چلا جاتا ہے۔ مگر جاتے جاتے ہماری جھولی میں یادوں کے کنول کھلا دیتا ہے۔ ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے کہ آنچل نے اپنا سفر شروع کیا تھا اور اب دیکھتے ہی دیکھتے پینتیس برس گزر گئے۔ جدوجہد کے آگہی کی تحریک کے۔ آگہی کا چراغ ہی وہ چراغ ہے جو گھپ اندھیرے میں روشنی کی مشعل بن کر دربدر بھٹکتی سوچوں کو صحیح سمت میں باندھتا ہے۔ جب کارواں چلا تھا تو چند لوگ تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہی کارواں ایک جم غفیر کی صورت اختیار کر گیا۔ اس سفر آگہی میں پہلے ہم نے اپنی عزیزی مدیرہ و بانی زیب النساء کو کھویا پھر سلمیٰ کنول اور فرحت آپا بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئیں۔ رہ گئیں تو صرف ان کی یادیں اور وہ کاوشیں جو انہوں نے آگہی کے اس سفر کے لیے مختص کیں اور انہی کی دعاؤں کے سائے تلے اور بہنوں کی محبتوں کے ہمراہ آنچل ماشاءاللہ سے آگہی کا اک اور برس مکمل کر چکا ہے۔ آنچل کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے اس بار بھی بہنوں کی بزم سجائی ہے اس سلسلے میں رائٹرز و بہنوں کی شرکت ہمارے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

1:۔ مشہور معیشت دان رابنز (Robbins) کے مطابق انسانی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں آپ اس بات سے کس حد تک اتفاق کرتی ہیں اور آنچل کے حوالے سے کوئی خواہش جس کی تکمیل آپ کی اولین ترجیح ہو؟

2:۔ کوئی ایسا مصرعہ جسے پڑھ کر بے ساختہ آپ کو آنچل کی یاد آ جاتی ہو؟

3:۔ اگر آپ کو ایک دن کے لیے آنچل کا انتظام سونپ دیا جائے تو آپ اس میں کون سی ایک تبدیلی کرنا چاہیں گی؟

4:۔ مطالعہ ہمارے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے کوئی ایسی کتاب جسے آپ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں یا فرصت کے لمحات میں اس کا مطالعہ ضرور کرتی ہوں؟

5:۔ آنچل کے مستقل سلسلوں میں آپ کا سب سے پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور کیوں؟

6:۔ زندگی بیک وقت درد و غم اور خوشی کی راہگزر ہے کبھی تجربات ہمیں سبق سکھاتے ہیں تو کبھی مشاہدات۔ آنچل کے مطالعے سے کوئی ایسا سبق جس کی بدولت آپ کی زندگی میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی واقع ہوئی ہو؟

(ان سوالات کے جوابات مختصر تحریر کر کے ہمیں 10 مارچ تک ارسال کر دیں)

صاف کرچلی تھیں۔

حمہ کو لگا اس کا سارا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا ہے۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ اسے کیا ہوا تھا مگر کمزوری نقاہت کی وجہ سے ذہن ایکدم تاریک ہونا شروع ہوا تو اسے لگا کہ وہ ایک بار پھر حواس کھو رہی ہے۔

"حمہ؟" ماریہ باجی کی پکار پر اس نے آنکھیں کھولنا چاہیں مگر پلکیں وا نہیں ہوئی تھیں۔

"کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے......؟" کوئی بہت تشویش سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

"نہیں ہوش آچکا ہے، جو ایک دو انجکشن لگائے ہیں، لگتا ہے ان کا اثر ہے۔ سر کی چوٹ گہری ہے، پاؤں کا زخم نارمل ہے۔ بازو پر بھی آئی تھنک چوڑیوں کی وجہ سے زخم آئے ہیں۔ باقی اندرونی زخم یہ ہوش میں آئیں گی تو پتا چلے گا۔" عمر خاموشی سے ذوالفقار بھائی کی بات سنتے حمہ کو دیکھے گیا۔

نجانے کیا کشش تھی اس وجود میں کہ وہ کئی پل تک اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پایا تھا۔ یوں جیسے کسی ان دیکھی طاقت نے اس کی نگاہوں کا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔ حمہ کے چہرے پر کنپٹی سے نیچے رخسار کی ہڈی پر کافی گہرا نیل پڑا ہوا تھا۔ شاید سیڑھی کا کنارہ لگا تھا، عمر کا دل ملال سے بھرنے لگا۔ وہ حمہ کے پاؤں کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ نجانے ایکدم کیا ہوا دل میں ایسی کون سی لہر اٹھی تھی کہ اس کے ہاتھ غیر محسوس انداز میں اس کے پاؤں کو تھام چکے تھے۔

نرم و نازک گلابی پاؤں کا گداز اس کی مردانہ ہتھیلیوں پر ایکدم اترا تو وہ دم سادھے چت لیٹے بے خبر وجود کو دیکھے گیا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ یہ اسے کیا ہو رہا ہے؟ کوئی عجیب سا احساس تھا جو حمہ کے چہرے سے اس کے دل میں اتر رہا تھا۔

"تمہارے کپڑے بھی خاصے خون آلود ہو چکے ہیں، تم چینج کرلو۔" ماریہ کی نگاہ اس پر پڑی تو ساری شرٹ خون میں رنگین دیکھ کر کہنے لگی۔ عمر نے آہستگی سے ہاتھ حمہ کے پاؤں سے ہٹا کر اپنی گود میں رکھ لیے۔ تاہم نگاہیں اسی طرح چہرے کے گرد رقصاں تھیں۔ کچھ دیر پہلے یہ لڑکی باقر علی کے ساتھ حویلی سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی رو رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں سے اسے حویلی میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اب یہ بے ہوش اور زخمی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عمر کے اندر ملال کے بادل گہرے ہوتے چلے گئے۔

"ہوں......" وہ بستر سے اٹھ گیا تھا۔ طبی امداد مکمل ہو چکی تھی، ذوالفقار بھائی بھی پیچھے ہٹ گئے تھے۔

"جب ان کو دوبارہ ہوش آئے تو مجھ سے پوچھ کر کچھ گولیاں کھلا دیں۔" ذوالفقار بھائی ماریہ باجی کو ہدایات دے کر باہر نکل گئے تھے۔

ماریہ باجی نے بستر پر پڑا کمبل حمہ کے وجود پر ڈالا تو عمر بھی ایک گہری سانس لیتا اپنے حلیے پر نگاہ ڈالتا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

آج جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کے بعد اس کے دل کی جو کیفیت تھی وہ سب عجیب تر تھا۔ عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا تھا۔ سیڑھیوں پر ٹوٹی چوڑیوں کے کئی ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، ان سیاہ ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے عمر کے اندر کی کیفیت میں مزید شدت در آئی تو اس نے لب بھینچ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

......☆☆☆......

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، اس کے دل کی کیفیت ابھی تک برقرار تھی، وہ اچھا خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ دوبارہ حمہ کو دیکھنے نہیں گیا تھا، اسے لگ رہا تھا اس کی نگاہ دوبارہ اس وجود کی طرف اٹھے گی تو وہ اپنا آپ بھول جائے گا۔ یہ جو تھوڑے بہت حواس قائم ہیں یہ بھی نہ رہیں گے۔ اب اسے کمرے میں بند ہوئے بھی تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ وہ اسی طرح کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھ رہا تھا، جب دستک ہوئی اور ماریہ باجی اندر داخل ہوئیں۔

"کیا بات ہے تم کمرے سے باہر نہیں نکلے؟...... لنچ بھی نہیں کیا؟" ماریہ باجی کے سوال پر وہ کھڑکی سے ہٹ کر صوفے پر آبیٹھا۔

"بس یونہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔" ماریہ نے کافی غور سے اپنے اس نخریلے سے بھائی کو دیکھا۔

"حمہ کیسی ہے...... ہوش آیا اسے؟"

"ہاں ہوش آیا تھا...... لگتا ہے بے چاری کو اندرونی چوٹیں بھی کافی آئی ہیں مسلسل رو رہی تھی۔ ابھی ماں جی نے اسے کھانا کھلا کر دوا دے کر سلایا ہے۔"

"میں یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی ہوں کہ وہ اوپر لینے کیا آئی تھی؟ جب ہم بڑی حویلی کے لیے نکلے تھے تب وہ اپنے گھر گئی تھی، اماں زلیخا کے ساتھ...... اسے کپڑے بدلنے تھے۔" عمر ماریہ کی بات کے جواب میں بھلا کیا کہتا؟ وہ تو خود بے خبر تھا۔

"جس طرح تم اس کے گرنے کا ذکر کر رہے ہو...... میں الجھ گئی ہوں، ایک بات پوچھوں عمر؟ سچ سچ بتانا؟" عمر نے سوالیہ نظروں سے اپنے سے چند سال بڑی بہن کو دیکھا۔

"تمہارے اور حمہ کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے...... میرا مطلب ہے کہ......؟" وہ جھجکتے ہوئے اپنے جملے کی وضاحت نہ کر پائی تھیں، عمر نے خاصا چونک کر بہن کو دیکھا۔

"کیا مطلب......؟ میری تو اس سے براہ راست ابھی تک بات چیت ہی نہیں ہوئی۔ رات کھانے کی ٹیبل پر اسے دیکھا تھا اور پھر جب وہ گری تھی تب دیکھا تھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ جس طرح وہ سیڑھیوں سے گری ہے...... حویلی میں کوئی بھی نہیں تھا...... وہ اوپر کیا لینے گئی تھی...... اور پھر ایکدم کیسے گر گئی......؟" جھجکتے ہوئے ماریہ نے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔ عمر کو ایک دو پل لگے تھے ماریہ کی بات کی گہرائی میں جانے میں اور جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو غصے سے ایک دم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپا آپ نے ایسی گھٹیا بات میرے متعلق سوچی بھی کیسے......؟" وہ غصے سے ایکدم بولا تھا۔

ماریہ بھی ایکدم کھڑی ہوئی، عمر کے تیوروں سے وہ ایکدم خائف ہوئی تھی۔

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا...... تم نے رات جب اسے دیکھا تھا، تو کہہ رہے تھے کہ یہ بہت خوبصورت ہے...... تو میرے ذہن میں یہ آیا کہ شاید کوئی ایسی بات ہوئی ہو......؟"

"وہ خوبصورت ہے تو میں نے جو احساسات تھے فوراً کہہ ڈالے۔ میں بھلے ایک آزاد روشن خیال ملک میں رہ کر آیا ہوں مگر اپنی قدروں اور اپنی ماں جی کی تربیت کو کبھی ایک لمحہ بھی فراموش نہیں کیا۔ میرے کردار میں نہ پہلے کبھی جھول آیا تھا اور نہ ہی آج آیا ہے۔ مجھے حیرت ہی نہیں دکھ بھی ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں ایسی بات کیسے سوچ لی؟ بھلے حادثے کے وقت حویلی میں کوئی موجود نہ تھا اور میرا اس وقت یہاں موجود ہونا بھی محض اتفاق ہی تھا، مجھے نہیں علم کہ وہ اوپر کیوں آئی تھی، مگر آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میرا اس سارے معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں...... میں اپنے دل میں اس کے لیے ویسی ہی عزت محسوس کر رہا ہوں جیسی کہ آپ اور ماں جی کی محسوس کرتا ہوں۔" وہ دکھ، کرب، اذیت سے کہہ رہا تھا۔

ماریہ نے گہرا سانس لیتے اس کا بازو تھام لیا۔

"ایم سوری...... یہ محض خیال تھا جو مجھے تنگ کر رہا تھا۔ سوچا تم سے کلیئر کرلوں۔ پلیز برا نہ ماننا......" عمر لب بھینچے سنجیدہ تاثرات لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"دراصل چاچی مختار کا گھرانہ پہلے ہی کافی کرائسس سے گزر چکا ہے۔ چاچا طفیل تمہیں یاد ہو شاید جب تم حویلی میں رہتے تھے تو ان کے بارے میں نجانے کیسی کیسی باتیں مشہور تھیں۔ وہ شرابی اور جواری ہی نہیں بلکہ طوائفوں کے چکر میں بھی رہتے تھے۔" ماریہ باجی نے بتانا شروع کیا تو عمر نے چہرہ موڑ کر بڑی بہن کو دیکھا۔ اسے یہ سب بہت اچھی طرح یاد تھا۔

"اسی چکر بازی میں آہستہ آہستہ انہوں نے نہ صرف ہمارے دونوں ماموؤں کے ہاتھوں اپنی زمینیں بیچیں پھر جو

تھوڑی بہت دولت تھی وہ بھی طوائفوں کے چکر میں اڑا دی۔ چاچی مختار بڑی باہمت خاتون ہیں' ایسے حالات میں انہوں نے بڑی استقامت اور ہمت سے سب برداشت کیا۔" عمر ماریہ کی بات بغور سنتے کچھ الجھ گیا۔ حمدہ کے گرنے سے پہلے اس نے کچھ اور دیکھا تھا' باقر علی نے جس طرح اس کی کلائی تھامی اور حمدہ کا رونا۔

"چاچی مختار نے نگہت کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کم عمری میں ہی کردی اور پھر ساجدہ کو بھی اپنی کسی خالہ زاد بہن کے بیٹے سے بیاہ دیا۔ رہ گیا قمر وہ لڑکا تھا' دن بدن خراب ہوتے حالات کے باوجود مختار چاچی نے اسے شہر ہوسٹل میں پڑھنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ اب ان کی تمام امیدوں کا مرکز قمر ہی تھا۔ چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے مہینوں گاؤں سے غائب رہتے تھے اور جب بھی گاؤں آتے تھے چاچی کے لیے وجہ پریشانی بن جاتے تھے۔ زمینیں بیچیں پھر جمع شدہ رقم ختم ہوئی تو نوبت چاچی کے زیورات تک پہنچ گئی۔ چاچی حالات دیکھ رہی تھیں' انہوں نے نگہت اور ساجدہ کی شادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر ابھی ان کے دو بچے بیاہنے والے رہتے تھے۔ قمر اور حمدہ بھی ابھی زیر تعلیم تھے۔ انہوں نے وہ سارا زیور "ماں جی" کے پاس امانتاً رکھوا دیا۔" ماریہ باجی چند پل کو خاموش ہوئیں' عمر کی دلچسپی ایک دم اس معاملے میں خاصی بڑھ گئی۔

"پھر کیا ہوا......؟"

"تم نے چاچی مختار کی سفید حویلی دیکھی ہے نہ بچپن میں؟" عمر نے ماریہ کے پوچھنے پر سر ہلا دیا۔

"جب چاچا طفیل چاچی مختار کو ہر طرح سے بے بس کر چکے تو چاچی حمدہ کو لے کر اپنے میکے چلی گئیں' پیچھے چاچا نے باقر علی کے ہاتھ وہ حویلی بیچ دی۔"

"کیا واقعی؟"

"ہوں اب وہ حویلی باقر علی کے قبضے میں ہے۔ چاچی چند سال اپنے میکے میں رہیں پیچھے چاچا طفیل کے وہی مشغلے رہے۔ ایک دفعہ باقر علی کا کسی کام سے چاچی کے میکے جانا ہوا' وہاں اس نے حمدہ کو دیکھا' حمدہ کی خوبصورتی نے اسے اتنا متاثر کیا کہ اس نے چاچا طفیل کو اپنی انگلیوں پر نچانا شروع کردیا۔ چاچا طفیل نے باقر علی کے کہنے پر بار بار چاچی کے میکے گیا ان کو لینے اور پھر مجبوراً چاچی کو واپس آنا پڑا۔ اس دوران قمر کا شہر میں تعلیم کے دوران کسی امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ افیئر چلا اور اس نے چپ چاپ شادی کرلی۔ چاچی کو پتا چلا تو وہ بہت بیمار ہوگئیں۔ قمر ان کی تمام امیدوں کا مرکز تھا۔ چاچا کو پتا تھا کہ بیمار چاچی ان کی راہ میں اتنی مزاحمت نہیں کرپائیں گی' انہوں نے حمدہ کا رشتہ باقر علی کے ساتھ طے کردیا۔"

"کیا......؟" عمر تو اب حقیقتاً چونکا تھا۔

"پہلے باقر علی نے دھوکے سے اونے پونے داموں چاچا طفیل سے حویلی خریدی پھر حمدہ کا رشتہ مانگ لیا۔ باقر علی ہماری ممانیوں کا بھائی ہے' بالکل فراڈ' لوفر اور بدمعاش فطرت کا حامل۔ کئی جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔" ماریہ باجی بڑے دکھ سے یہ سب بتا رہی تھیں۔

"اور چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے پہلے ہی آدھے ہوچکے تھے' زمین اپنے ہاتھوں سے گنوادی تھی' دولت رہی نہ تھی' باقر علی کے ہاتھوں وہ بلیک میل ہو رہے تھے' ان حالات میں چاچی مختار نے ایک دفعہ پھر حوصلہ کیا۔ بڑی مشکلوں سے حمدہ کو پڑھایا' خود اس کے ساتھ کالج جاتی تھیں' ہر جگہ اس کا سایہ بنی رہیں۔ انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں حمدہ اور باقر علی کے رشتے سے انکار کردیا تھا' وہ کونسا غیر شادی شدہ تھا' ایک بیوی تھی دو بچے تھے' مگر حمدہ کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ تمہیں پتا ہے سفید حویلی کے سامنے کچھ زمین بھی چاچا طفیل کے نام تھی۔"

"ہاں......" عمر کو اچانک یاد آیا کہ حویلی کے سامنے ایک ڈیرہ تھا جہاں کبھی کبھار چاچا طفیل کے مہمان آ کر رہا کرتے تھے۔

"جب چاچا طفیل نے حویلی باقر علی کے ہاتھ بیچی تو یہ لوگ اس ڈیرے پر آ گئے' ایکدم حویلی سے ڈیرے تک کا سفر چاچی نے بڑی ہمت اور حوصلے سے طے کیا اور جب باقر علی سے حمدہ کے رشتے سے چاچی نے انکار کردیا تو چاچا طفیل ان کے خلاف ہوگئے تب ماں جی حمدہ اور چاچی کو حویلی لے آئیں۔ قمر کبھی کبھار چکر لگاتا تھا مگر اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا اور پھر وہ اپنی بیوی کے ساتھ دبئی شفٹ ہوگیا تو چاچی کے لیے ہر آس ختم ہوگئی۔ ادھر باقر علی کا حمدہ سے شادی کا تقاضا بڑھنے لگا' مگر چاچی ڈٹی رہیں' ایک دن چاچا طفیل کا کسی جواری کے ساتھ نشے کی حالت میں جھگڑا ہوا تو گولی لگ گئی چند دن وہ اسپتال میں رہے اور پھر چاچا فوت ہوگئے۔ باقر علی اب بھی حمدہ کو اپنی منگیتر سمجھتا ہے' اس کے بعد چاچی نے اپنے میکے میں ہی حمدہ کا رشتہ دیکھا' وہ لوگ حالات سے باخبر تھے' چاچی نے خاموشی سے نکاح کردینا چاہا' جس دن وہ لوگ گاؤں بارات لے کر آئے باقر علی کو علم ہوگیا' اس نے دلہا کو یرغمال بنالیا۔ بہت گولیاں چلائیں مرنے مارنے پر تل گیا۔ پھر گاؤں کے بڑوں کے درمیان میں آنے سے اس نے اس لڑکے کو چھوڑ دیا مگر اب حمدہ کی ذات ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے' چاچی نے بڑی دونوں لڑکیاں کم عمری میں ہی بیاہ دی تھیں' اس ایک واقعہ کے بعد کہیں بھی حمدہ کے رشتے کی بات نہیں چل پائی' یہ کچھ عرصہ حویلی میں رہی تھیں مگر پھر ہماری بڑی اور چھوٹی ممانیوں کی طنزیہ باتوں کو دیکھتے چاچی واپس اسی ڈیرے میں چلی گئی ہیں۔ یہ دونوں ادھر ہی رہتی ہیں۔ باقر علی مستقل سفید حویلی میں تو نہیں ہوتا مگر اکثر وہ ادھر آتا رہتا ہے اور جب بھی آتا ہے حمدہ کے لیے زندگی مشکل بنا دیتا ہے۔ اسے دھمکاتا رہتا ہے' اس کی بیوی اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"

عمر کے ذہن میں ایک دم سارا معاملہ کلیئر ہوا' یقیناً اس نے چند گھنٹے پہلے جو بھی دیکھا تھا وہ بھی شاید اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔

"میں تمہیں یہ ساری باتیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ رات جس طرح تم حمدہ کو دیکھ کر برملا اس کی خوبصورتی کا اظہار کر رہے تھے اس سے مجھے خدشہ ہوا کہ تم اسے کہیں کوئی عام لڑکی نہ سمجھ بیٹھو۔ وہ کافی کم گو سنجیدہ مزاج اور بہت زیادہ سلجھی ہوئی لڑکی ہے' جس طرح اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور پھر اب باقر علی کا کردار یہ سب حوالے اسے بہت تکلیف دیتے ہیں۔ چاچی مختار کو ہم پر بہت اعتماد ہے' وہ جب بھی کہیں جاتی ہیں حمدہ کو حویلی چھوڑ جاتی ہیں۔ آج کل بھی وہ اپنی بھاوج کے بھائی کی وفات کی وجہ سے میکے گئی ہوئی ہیں۔ اسی لیے آج کل حمدہ حویلی میں نظر آ رہی ہے۔ شام کو چاچی نے آ جانا ہے تو حمدہ چلی جائے گی۔" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"وہ یقیناً ایک اچھی اور بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس پر پہلی نگاہ ڈالنے سے ہی اس کے کردار کی حقیقت اور سچائی کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ میں نے رات کو محض اپنے محسوسات کا اظہار کیا تھا' مگر یہ حادثہ جب ہوا تو وہ اوپر ہی آ رہی تھی وہ کیوں آ رہی تھی یہ مجھے نہیں علم۔" عمر نے بات پوری کی تو ماریہ مسکرا دی۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔"

"میں بھلے مغربی معاشرے میں ایک لمبا عرصہ گزار کر آیا ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ ماموں اور ان کی فیملی کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے نہیں لگا کہ میں نے اتنا لمبا عرصہ اپنے گاؤں یا حویلی سے دور گزارا ہے۔ آپ ماموں اشفاق کی سخت گیر طبیعت سے اچھی طرح واقف ہی ہیں' ان کی یہ سخت گیری ہی تھی کہ آج میں اس ماڈرن معاشرے کی تمام تر برائیوں سے دور بالکل صاف ستھری شخصیت کا حامل بن پایا ہوں۔ آپ کے ذہن میں شاید یہ تھا کہ جس طرح میں نے حمدہ کی خوبصورتی کی برملا تعریف کی ہے کہیں میں ماڈرن اور بے باک معاشرے کی سی شخصیت کا مالک تو نہیں بن گیا مگر ایسی بات نہیں' میرے نزدیک میری قدریں اور ماں جی کی تربیت کا اولین تاثر بہت اہم تھا اور میں نے زندگی کے ہر معاملے میں ہر قدم پر اپنی قدروں کو کبھی فراموش نہیں کیا' خصوصاً ماں جی کی تربیت کو۔" ماریہ مسکرا دی۔ وہ ایسا ہی بھائی چاہتی تھی' ہر خامی' ہر برائی سے پاک' عورت کی دل سے عزت کرنے والا۔

"تم نے لنچ بھی نہیں کیا۔ آؤ نیچے چلتے ہیں' ماں جی تمہارے لنچ نہ کرنے پر پریشان ہو رہی ہیں۔ اسی لیے

میں اوپر آئی تھی۔
ذہن میں موجود خدشات ختم ہوگئے تو عمر کا ہاتھ تھام کر ماریہ باجی نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

☆☆☆......

اماں شام کے قریب آگئی تھیں کچھ دیر بعد حمدہ کے پاس آئیں تو اس کی شدید چوٹوں کو دیکھ کر خاصی پریشان ہوگئی تھیں۔ چوٹوں کے علاوہ بخار نے بھی آلیا تھا۔ اماں حمدہ کی حالت دیکھ کر متوحش ہوچکی تھیں مگر ماں جی ماریہ وغیرہ کے بار بار دلاسہ دینے پر وہ آج رات حمدہ کی وجہ سے ادھر ہی رکنے پر آمادہ ہوگئی تھیں دوسرا گاؤں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے باقر علی کو دیکھ لیا تھا۔ اب حمدہ کی اس خراب حالت کی وجہ سے وہ دو کمروں والے ڈیرہ نما گھر میں جانے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں۔

کھانے کی میز پر انہوں نے عمر کو دیکھا اس سے پہلے عمر کہیں باہر نکلا ہوا تھا جس کی وجہ سے ملاقات نہیں ہوپائی تھی۔ انہیں سلجھا ہوا عمر خاصا پسند آیا تھا۔ آج کھانے کی میز پر ماریہ اس کا شوہر بچے بی بی کے علاوہ مختار چاچی اور عمر بھی تھے جبکہ حمدہ بخار کی وجہ سے "بی بی" کے کمرے میں ہی تھی کچھ دیر پہلے مختار چاچی نے خود کھانا کھلا کر دوا کھلائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد سبھی ہال کمرے میں چلے آئے تھے۔ عمر کچھ دیر ان سب کے پاس بیٹھا پھر ایکسکیوز کرتا وہاں سے اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں جانے کی بجائے بی بی کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا جہاں حمدہ رکی ہوئی تھی۔ حمدہ کی بینڈیج ہونے کے بعد وہ دوبارہ اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ کچھ وہ مسلسل غنودگی میں رہی تھی اب یقیناً وہ جاگ رہی ہوگی۔ عمر نے اندر داخل ہونے سے پہلے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آجائیں......" حمدہ جاگ رہی تھی۔

عمر نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ بی بی کے بستر پر دراز دروازے کی ہی طرف دیکھ رہی تھی اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی عمر کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام...... آپ......؟" عمر سے ابھی تک براہ راست کوئی تعارف نہیں ہوا تھا۔ کل رات کھانے کی میز پر جس طرح دونوں بہن بھائی سرگوشیوں میں گفتگو کررہے تھے اس سے وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ دونوں اسی کے متعلق باتیں کررہے ہیں اور پھر جس طرح عمر اسے گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا اس سے بھی وہ خاصی الجھ چکی تھی۔ حادثے کے وقت وہ اسی عمر سے ٹکراؤ کے سبب گری تھی اس کا سر سیڑھی کے کنارے سے لگنے سے پھٹا تھا۔ اس کے بعد جب وہ گری تھی تو فوراً حواس کھو بیٹھی تھی۔ عمر کو کمرے میں دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ لیٹی رہیں میں بس آپ کی طبیعت دریافت کرنے آیا تھا۔" عمر کے کہنے پر وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟ ماریہ باجی بتارہی تھیں کہ اب بخار بھی ہوگیا ہے آپ کو۔" وہ ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں......" بظاہر دھیمے لہجے میں اس نے کہا تھا مگر اس سے بھی اس کے اندر کی نقاہت کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا تھا۔ بخار کی حدت کی وجہ سے چہرہ سرخ انگارہ ہورہا تھا۔

ایک بار پھر اس کو اپنا دل ایک مقناطیسیت کی کشش کی وجہ سے حمدہ کی طرف کھنچتا محسوس ہوا۔ وہ خوبصورت تھی۔ مگر اس کی خوبصورتی میں مقناطیسیت جیسی کشش تھی جو مقابل کو پورے زور سے اپنی طرف کھینچ سکتی تھی۔ مگر اس خوبصورتی کے باوجود اس وجود میں ایک اور بات بھی تھی جو اس وجود پر کل رات پہلی نگاہ ڈالنے کے فوراً بعد ہی وہ محسوس کرگیا تھا۔

یہ خاص بات اس لڑکی کا ڈھکا چھپا انداز اور سراپا تھا۔ اس کے کردار کی حیا تھی۔ اس کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی وہاں عورت بڑی ارزاں چیز تھی مگر یہاں آنے کے بعد بی بی ماریہ ممانیوں اور ان کے بچوں کے علاوہ جو تیسرا وجود اس نے دیکھا تھا وہ یہی ذات تھی اور جس طرح اس کی ذات میں وقار اور رکھ رکھاؤ جھلکتا تھا شاید ایسی خاص کیفیت اور

بات اس نے کسی اور عورت میں محسوس نہ کی تھی۔

"سر کا زخم کیسا ہے؟" دونوں کے درمیان بے معنی سی خاموشی در آئی تو عمر نے خود ہی گھبرا کر پوچھ لیا۔

"درد ہو رہا ہے۔" درد کی اذیت اس کے چہرے سے بھی چھلک رہی تھی۔

"ذوالفقار بھائی کو کہتا ہوں وہ کوئی پین کلر دے دیں۔ آپ کا بازو اور دایاں پاؤں بھی زخمی تھا نا۔"

"جی' مگر سر میں زیادہ درد ہو رہا ہے۔" اپنی بینڈیج ہوئی کلائی اس نے اٹھا کر اپنے سر کی پٹی کو چھوا۔

"اس کے علاوہ کہیں اور چوٹ تو نہیں لگی؟" عمر پوچھ رہا تھا' حمرہ بس نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ جبکہ کمر پر قلابازی کھا کر گرنے سے جو چوٹیں لگی تھیں وہ ہر کروٹ پر تکلیف دے رہی تھیں۔ شاید اس لیے بخار نے بھی آلیا تھا' یوں لگ رہا تھا کہ جیسے جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا ہے۔ عمر کے سوال پر بس ایک لحظہ کو اس کی نگاہوں میں دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

"میں ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی کو بھیجتا ہوں' اگر کہیں اور بھی تکلیف محسوس کر رہی ہو تو باجی ماریہ کو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ بھائی جان سے کہہ کر بہتر ٹریٹمنٹ کروا سکتی ہیں۔" اس کے چہرے سے عمر نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے کہیں اور بھی تکلیف ہو رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔

حمرہ نے خاموشی سے نگاہیں پھیر لیں۔ نجانے کیوں جب بھی اس نے اس شخص کی طرف نگاہ ڈالی تھی' اسے بڑی توجہ سے اپنی طرف دیکھتا ہی پایا تھا۔

"جی بہتر......" نجانے ان آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ سر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

"اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ شب بخیر' اللہ حافظ۔" ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈال کر وہ باہر نکل گیا تھا اور حمرہ اس شخص کی آنکھوں کے تاثر کو ہی لے کر خاصی الجھ چکی تھی اوپر سے اس کے یہ الفاظ۔

"اپنا بہت خیال رکھیے گا۔" ان الفاظ نے اسے مزید ہراساں کر ڈالا تھا۔

"تو کیا باقر علی کے بعد اس جیسی ایک اور آزمائش میری منتظر ہے۔" اس سوچ نے اس کی رنگت ہلدی کی مانند زرد کر ڈالی تھی۔

حمرہ نے بہت بے دم ہو کر اپنا سر تکیے پر گرا لیا تھا۔

......☆☆☆......

ایک دو دن میں حمرہ کا بخار اترا تو مزید دو دن اس کو اماں نے زبردستی کالج سے چھٹیاں کروا کر آرام کروایا تھا۔ اس کے بعد وہ اب کالج جا رہی تھی' حویلی سے وہ اپنے گھر اگلے دن ہی آ گئی تھیں۔ اس دن کے بعد وہ ابھی تک دوبارہ حویلی نہیں گئی تھی۔ اس گاؤں کی چند لڑکیاں بھی اسی کالج میں داخل تھیں تو وہ صبح سویرے ان کے ساتھ ہی کالج کے لیے نکل جاتی تھی' یہ مقامی سطح پر اپنی مدد آپ کے تحت چلایا جانے والا کالج تھا۔ دو بجے وہاں سے واپسی ہوتی تھی تو اس کے بعد وہ گھر آ کر گھر کے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ شروع کے ایک دو دن ماریہ باجی مسلسل بی بی کے ساتھ آ کر اس کی عیادت کر جاتی تھیں پھر جب اس نے کالج جانا شروع کیا تو ماریہ باجی نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اماں خود وہاں دن میں چکر لگاتی رہتی تھیں۔ انہی سے حمرہ کو پتا چلا کہ ماریہ باجی چند دن بھائی کی آمد کی وجہ سے جو میکے آئی تھیں اب واپس چلی گئی ہیں اور ماریہ باجی کی غیر موجودگی میں بی بی اکیلی ہوتی تھیں یا آج کل ان کا بیٹا عمر تھا۔

کالج سے واپسی پر اپنے ساتھ روزانہ آنے والی دونوں لڑکیوں کے ہمراہ قدم اٹھاتے وہ جیسے ہی شہر کی حدود سے نکل کر کچے راستے پر ہوتی تھی تو عمر ہاشم کو اس جگہ پر آنکھیں جمائے دیکھتی تھی اور جیسے ہی وہ اسے دیکھ لیتا تھا دوبارہ اپنے مزارعوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہو جاتا تھا مگر حمرہ کئی قدم تک اس شخص کی پہلی نگاہ کی حدت دور تک محسوس کرتی رہتی تھی اور پھر گھر جا کر وہ الجھی رہتی۔

"ہو سکتا ہے مجھے ہی وہم ہوتا ہو؟ اس شخص کی نگاہ میں وہ تاثر ہی نہ ہو جو مجھے محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے اپنے آپ کو بہلایا مگر کوئی احساس تھا جو اس کے اندر گھر جانے

تک کروٹیں لیتا رہا تھا۔

گھر آ کر کپڑے بدل کر کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"سونے لگی ہو......؟"

"جی...... خیریت کوئی بات ہے؟" اماں اسے کچھ متفکر اور پریشان دکھائی دیں تو دوبارہ اٹھ بیٹھی۔

"ہاں...... وہ آج باقر علی آیا تھا۔" اماں نے کہا تو حمرہ سانس روکے اماں کو دیکھنے لگی۔ یہ شخص اس کی زندگی کا ایک رستا ہوا ناسور تھا۔ کبھی کبھار تو حمرہ کا جی چاہتا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس شخص کا جان لیوا تصور تک نہ ہو۔

"پھر......؟"

"اچھی خاصی دھمکیاں دے کر گیا ہے...... سچ مانو تو عثمان والے واقعے کے بعد میں خود بھی ڈر گئی ہوں۔ ایک تنہا عورت کب تک ایسے درندوں کا مقابلہ کرے؟ وہ زور آور ہے' میں گئی تھی آج بڑی حویلی بی بی کو لے کر باقر علی کی دونوں بہنوں سے بات کرنے تو انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اس سلسلے میں وہ کوئی مدد نہیں کر سکتیں' ان کا بھائی ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ چھوٹی تو مشورہ تک دینے لگ گئی کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا رشتہ کرنا ہی ہے تو پھر باقر علی سے ہی کر دوں...... میرے دل پر جیسے ہاتھ پڑا تھا' میں بھی اچھی خاصی سنا کر آئی ہوں...... پر باقر علی جاتے ہوئے دھمکی دے کر گیا تھا کہ اب انتظار نہیں کرے گا' ایک دو دن میں پھر چکر لگائے گا۔"

حمرہ نے خاموشی سے ماں کو دیکھا' کئی سالوں سے اس کی ماں تن تنہا اس جیسے جنگلی درندے کے سامنے دیوار بنی کھڑی تھیں اس کے لیے مسلسل لڑ رہی تھیں آخر کب تک......؟ آج اس کی ماں پریشان تھی یقیناً وہ اچھا خاصا دھمکا کر گیا ہوگا۔ حمرہ کو لگتا تھا کہ ہر گزرتا دن باقر علی اس کے گرد شکنجہ کستا چلا جا رہا ہے۔ عثمان والے واقعے کے بعد اماں کو امید تھی کہ وہ اپنے میکے میں ہی اسے کہیں نہ کہیں کھپا لیں گی مگر اب سبھی کو اپنے بیٹے عزیز تھے۔ حمرہ کی خاطر وہ بھلا کیونکر باقر علی سے دشمنی مول لے لیتے۔ بھائی اس کا خود ڈر کر لندن جا بیٹھا تھا' بہنوں کی اپنی زندگی تھی' باپ کا کیا وہ بھگت رہی تھی۔

"تو پھر اب کیا سوچا آپ نے؟" بڑی اذیت سے اماں کے چہرے کو دیکھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ تم کو سرگودھا اپنی خالہ کے گھر بھیج دوں۔ میں پچھلے دنوں فوتگی پر جب گئی تھی تو میری سرگودھا والی خالہ بھی ادھر آئی ہوئی تھیں۔ شادی کے بعد چند ایک بار ہی سرگودھا آنا جانا ہوا ہے۔ خالہ کو ساری بات بتائی تو کہنے لگیں کہ تمہیں ان کے پاس بھیج دوں اور کسی سے ذکر بھی نہ کروں۔ گاؤں والے یہی کہتے رہیں گے کہ ہم دونوں کہیں چلی گئی ہیں' بھلے کہتے رہیں اب ایک باقر علی کی وجہ سے تمہاری زندگی برباد کرنے سے تو رہی؟ بی بی سے میں نے ذکر کیا ہے...... وہ کہہ رہی تھیں کہ اچھا فیصلہ ہے...... جس طرح باقر علی آج کل کچھ بھی کر دینے پر تلا ہوا ہے' مجھے تو خود ڈر لگنے لگ گیا ہے۔ آج صاف کہہ گیا ہے کہ اگر میں ایک دو دن میں نکاح کا بندوبست نہیں کر سکی تو وہ خود تمہیں اٹھوا لے گا۔ گاؤں والوں نے خاصا بیچ بچاؤ کروایا ہے۔ اب تو برادری والے بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا بیاہ کرنا ہی ہے نا تو باقر علی سے ہی کر دوں۔" حمرہ نے لب بھینچ کر سر جھکا لیا۔

"میں خالہ کا نمبر لے آئی تھی' آج بی بی کے ہاں ان سے مشورے کے بعد خالہ کو کال کی تھی' وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک دو دن میں تمہیں لے کر سرگودھا آ جاؤں اور کسی سے بھی ذکر نہ کروں' اس کے بعد کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں گے۔"

"اور شادی کر دینا جیسے بڑا آسان کام ہے نا؟" حمرہ کا جی چاہا کہ کہہ دے مگر متفکر اور پریشان ماں کو وہ اپنے لفظوں سے مزید چھلنی نہیں کر سکتی تھی۔

"اور اگر باقر علی کو پتہ چل گیا تو......؟"

"نہیں چلے گا...... بی بی کے علاوہ کسی اور کو پتا ہی نہیں ہوگا کہ ہم کہاں ہیں......؟" اماں خاصی پرجوش تھیں لگتا تھا کہ وہ سارے حالات کا اچھی طرح تجزیہ کر کے اس سے

بات کررہی تھیں۔

"اماں آپ قمر بھائی سے بات کریں...... ہوسکتا ہے وہ ہمیں اپنے پاس بلوالیں۔" حمدہ نے ایک امید بھری نگاہ سے اماں کو دیکھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"قمر سے اگر امید ہوتی تو یہ حالات یہاں تک پہنچتے ہی کیوں؟ باقر علی جتنا بھی بدبخت سہی مگر ایک دفعہ قمر اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوجاتا تو ساری برادری نے ہمارا ساتھ دینا تھا۔ میں نے کئی بار اس سے فون کرکے بات کی ہے پر ہر بار ٹال جاتا ہے۔" حمدہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"میں چھوٹی حویلی جارہی ہوں آج باقر علی کو میں نے سامنے والی حویلی میں دیکھا تھا۔ تنہا گھر میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں اٹھو میرے ساتھ ہی چلو۔" باقر علی کے ذکر پر وہ فوراً بستر سے اتر گئی تھی۔ اماں ایک منٹ کے لیے اسے گھر میں تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ خصوصاً ان دنوں تو ہرگز نہیں جب وہ گاؤں یا سامنے والی حویلی میں دکھائی دے جاتا تھا۔

"کتاب وغیرہ لینی ہے تو لے لو...... میرا شام تک ادھر ہی رکنے کا ارادہ ہے۔ ہوسکتا ہے تب تک یہ منحوس باقر علی بھی یہاں سے دفعان ہوچکا ہو۔" اماں اسے ہدایت دے کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ سر ہلاتی اپنی کتابوں والی الماری کی طرف بڑھی۔ اپنی براؤن چادر لے کر وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

......☆☆☆......

حمدہ کو چھوٹی حویلی میں آنا ہمیشہ سے ہی اچھا لگتا تھا' یہاں آنے کی بڑی وجہ یہاں کی خاموشی ہوتی تھی' بی بی اور ماریہ تنہا ہوتی تھیں۔ ماریہ کی شادی ہوگئی اور وقت نے کروٹ بدلی تو حمدہ لوگوں کی اپنی سفید حویلی بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور پھر کچھ عرصہ اماں کے ہمراہ اسے اس حویلی میں مستقل رہنا بھی پڑا تھا اماں کے میکے کی نسبت یہاں رہنے کو وہ ترجیح دیتی تھی' کہ یہ حویلی اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ اس حویلی میں اس کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ اوپر والے پورشن پر بنی لائبریری تھی۔ اس دن بھی باقر علی سے سامنے کے بعد وہ آنسو بہاتی حویلی میں آئی تھی تو اس کا ارادہ اوپر والے حصے میں بنی اس لائبریری میں جانے کا تھا کہ عمر سے ٹکرا گئی۔ اس دن کے بعد وہ دوبارہ حویلی نہیں آئی تھی' مگر جس طرح عمر کو کالج سے واپسی پر رستے میں چند دنوں سے دیکھ رہی تھی وہ سب اسے الجھا رہا تھا۔

اماں اسے حویلی چھوڑ کر خود زلیخا اماں کو لے کر نزدیکی بازار چلی گئی تھیں' وہ کچھ دیر بی بی کے پاس بیٹھی تھی عمر گھر پر نہیں تھا' حمدہ اس کی غیر موجودگی کا سن کر پرسکون ہوگئی تھی۔ عصر کی نماز بی بی اور اس نے اکٹھے ہی پڑھی تھی' نماز کے بعد بی بی نے کوئی وظیفہ شروع کردیا تو حمدہ زینہ طے کرتے اوپر لائبریری میں چلی آئی تھی۔

ماریہ کے پاس کتابوں کا اچھا کلیکشن تھا' وہ مختار مسعود کی آواز دوست نکال کر آرام دہ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سوئی نہیں تھی اب کتاب پڑھتے خودبخود نیند آنے لگی تو وہ اسی ٹو سیٹر صوفے پر نیم دراز ہوگئی تھی۔

......☆☆☆......

عمر جب حویلی لوٹا تو ماں جی کو مختار چاچی اور زلیخا اماں کے ہمراہ بیٹھے پایا ارد گرد خریداری کا سامان تھا۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام۔" تینوں نے اکٹھے جواب دیا تھا۔ اماں زلیخا اور مختار چاچی ابھی گاؤں لوٹی تھیں اور اس وقت بیٹھی خریدا ہوا سامان دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں رہے آج سارا دن؟" ماں جی نے عمر سے پوچھا' وہ آج سارا دن حویلی سے غائب رہا تھا۔

"بس کہاں رہنا تھا' ماموؤں کی طرف چلا گیا تھا بڑی حویلی۔ ساری دوپہر وہاں گزار کر وہاں سے واپسی پر باغات کی طرف چلا آیا تھا پھر کچھ جاننے والے مل گئے تو سارا وقت ادھر ہی گزر گیا۔" عمر ماں جی کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔

"آگے کا کیا سوچا ہے بیٹا؟" چاچی مختار نے پوچھا تو عمر نے بتایا۔

"ارادہ تو میرا اپنا بزنس کرنے کا ہے مگر ماں جی چاہتی ہیں کہ میں شہر جاکر علیحدہ سے کچھ کرنے کی بجائے ماموؤں کے ساتھ مل کر کام کروں یا پھر زمین وغیرہ کے معاملات دیکھوں۔"

"سوچ تو بی بی کی بھی ٹھیک ہے۔ تجربہ چاہیے ہوتا ہے۔ عرصے بعد لوٹے ہو کچھ وقت لگتا ہے ہر کام سمجھنے میں۔" مختار چاچی نے اپنی رائے دی۔

"چلیں دیکھتے ہیں کہ کیا کرتا ہوں' آپ سنائیں طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے نا؟ گھر میں سب خیریت ہے نا......؟"

"اللہ کا شکر ہے......" مختار چاچی نے جواب دیا تو عمر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں چینج کرلوں۔"

"حمدہ کہاں ہے نظر نہیں آرہی......؟" عمر آگے بڑھا تو مختار چاچی نے بی بی سے پوچھا۔ عمر فوراً ٹھٹکا۔

"تو کیا حمدہ بھی آئی ہوئی تھی......؟" عمر کو اپنی دھڑکنوں میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہوتا محسوس ہوا۔

"وہ اوپر کتابوں والے کمرے میں ہے۔ مغرب کی نماز بھی شاید اندر ہی پڑھ لی ہوگی نیچے تو نہیں اتری ابھی تک۔" بی بی نے جواب دیا تھا۔

عمر فوراً پلٹا اور اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے لائبریری کی طرف چلا آیا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پردے برابر تھے وہ پردہ ہٹا کر اندر بڑھا تو ٹھٹک گیا۔ وہ سامنے ہی صوفے پر نیم دراز محوِ خواب دکھائی دی۔ براؤن چادر اس کے وجود پر مخصوص انداز میں لپٹی ہوئی تھی' کتاب سینے پر دھری تھی ایک ہاتھ کتاب پر اور دوسرا پہلو میں تھا۔ وہ محوِ خواب عجیب سا ماورائی کردار لگی تھی یا پھر خوبصورت مصور کا تراشیدہ پوز۔ عمر کو لگا اس کے دل و دماغ میں ایک کوندا سا لپک گیا ہے۔ وہ مجسمہ حسن تھی' نازک پیکر بے خبری کے عالم میں بھی کسی کے وجود میں ہزار قیامتیں برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

عمر کا جی چاہا کہ آگے بڑھے اور بے خبری کی نیند میں محو اس نازک سے پیکر کو چھو کر دیکھے مگر عقل احساسات پر غالب آگئی تو اس نے وہیں دہلیز پر کھڑے کھڑے ہی دروازے کو ناک کیا تھا۔ ایک بار...... دوبار...... عمر نے تیسری بار ناک کیا تو حمدہ نے پلکیں وا کردیں۔

"حمدہ......؟" کسی نے پکارا تھا۔ نیند کی حالت میں اس نے صرف گردن گھما کر دیکھا مگر دروازے پر موجود شخص کو دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"آپ......؟" وہ اس جگہ عمر ہاشم کی موجودگی کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ ایکدم کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے سینے پر رکھی کتاب نیچے قالین پر جاگری تھی۔

"السلام علیکم...... کیسی ہیں آپ......؟" وہی مخصوص انداز تھا دیکھنے کا حمدہ کنفیوز سی ہوگئی تھی۔

"وعلیکم السلام...... میں ٹھیک ہوں۔" کتاب اٹھا کر وہ عمر کی طرف سے رخ موڑ کر ریک کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کتاب واپس اس کی جگہ پر رکھ کر پلٹی تو عمر کو اسی طرح کھڑے پایا۔

عمر کے دیکھنے کا انداز برقرار تھا۔ حمدہ کی پیشانی کی سلوٹیں واضح ہوگئیں۔ یہ شخص ایسے کیوں دیکھتا ہے......؟ وہ الجھ گئی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی......؟" عمر کا اس سے بات کرنے کا موڈ تھا' حمدہ نے محض سر ہلادیا۔

"سر کا زخم کیسا ہے اب؟"

"جی بہتر ہے۔"

"آپ کو میں نے شاید ڈسٹرب کردیا ہے۔ آپ کی نیند خراب کردی؟" حمدہ نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے عمر ہاشم کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں وہی مخصوص تاثر تھا وہ الجھ گئی۔

حمدہ کا جی چاہا کہ وہ اس کو اس طرح دیکھنے سے ٹوک دے جھڑک دے مگر پھر سر جھکا لیا کہ وہ یہ سب نہیں کرسکتی تھی۔

"نہیں...... میں تو بس کتاب پڑھتے بیٹھی تھی نجانے کیسے نیند آگئی...... چلتی ہوں۔" وہ مزید ایک منٹ بھی وہاں رکے بغیر عمر کے قریب سے گزرتے تیزی سے نکل گئی تھی۔

......☆☆☆......

وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی

جو دو دن قبل اسٹڈی میں حمدہ کے پاس تھی۔ حمدہ کے جانے کے بعد وہ یہ کتاب لے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور جب بھی فارغ ہوتا تھا یہ کتاب لے کر لیٹ جاتا تھا اس کتاب میں سے اسے حمدہ کے وجود کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

عمر اپنے اس پاگل پن پر خود حیرت زدہ تھا مگر وہ اس مسرور کن کیفیت سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں ایک حیات بخش سرور تھا۔ اس نے ایک بڑی پریکٹیکل لائف گزاری تھی، وہ عشق و محبت کو قطعی اہمیت دینے والا انسان نہ تھا اور پاکستان آتے ہی جس وجود سے سامنا ہوا تھا وہ حمدہ کا ہی تھا اور جس طرح حمدہ کے وجود کا احساس اس کے دل کے نہاں خانوں میں پیدا ہوا تھا وہ خود بھی اپنی اس کیفیت پر حیران تھا۔ حمدہ اپنے گھر جا چکی تھی اس کے گھر جا کر اس کو دیکھنے کی کوشش ناکام ٹھہری تھی اس کے اگلے روز ہی وہ ان کے ہاں گیا تھا مگر وہ میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھی چاچی مختار سے مل کر وہ آ گیا تھا اور پھر بار بار جانے کی بھی کوئی خاص وجہ نہ تھی بس چار دن اسی کشمکش میں گزرے تھے اور اس سے اگلے دن آموں کے باغات کی طرف جاتے ہوئے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جس چہرے کو دیکھنے کے لیے دل اس قدر بے قرار ہے وہ سردیوں کی اس دوپہر میں ایک دم اچانک یوں سرِ راہ نظر آ جائے گا۔

حمدہ پر پہلی نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے نگاہ جھکا لی تھی وہ تنہا نہ تھی مگر اس کے بعد جو سکون جو قرار دل کو ملا تھا اپنی اس کیفیت پر عمر خود بھی پریشان تھا اور اگلے دن کل والے مخصوص وقت پر عمر ہاشم کے قدم خود بخود اسی راستے پر ہو لیے تھے اور حمدہ پر نگاہ پڑتے ہی اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس وجود سے انجانے میں پہلی نگاہ والی محبت کر بیٹھا ہے۔

"Love in first sight" کیا ہوتا ہے تب اس نے جانا تھا اور پھر اگلا پورا ہفتہ اسی مخصوص روٹین میں گزرا تھا۔ اب دل ایک نگاہ دیکھ لینے کے بعد مزید مراحل طے کرنے کی سوچ رہا تھا۔ دیکھنے کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد وہ اب بات کرنے، روبرو ملنے کے تقاضے کرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ خاصا پریشان کن مرحلہ ہے مگر وہ اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھال رہا تھا کہ وہ اسے اچانک اسٹڈی میں نظر آ گئی تھی۔ وہ اب دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی تو عمر کو لگ رہا تھا کہ اگر اگلے چند گھنٹوں میں وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ تمام تر احتیاط بالائے طاق رکھتے ان کے گھر پہنچ جائے گا۔ وہ بہانے بہانے سے نسرین اور اماں زلیخا سے اس کی طبیعت بھی دریافت کر چکا تھا، چند بار چاچی مختار بھی حویلی میں نظر آئی تھیں، بڑے رازدارانہ انداز میں ماں جی سے گفتگو کرتی دکھائی دی تھیں، ان سے بھی براہ راست اس نے حمدہ کی طبیعت کا پوچھ لیا تھا مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا تھا کہ وہ اچانک گھر میں کیوں قید ہو گئی ہے۔ کالج کیوں نہیں جا رہی۔ قوی امکان یہ بھی تھا کہ کہیں وہ پکی سڑک کی طرف سے تو نہیں جانے لگ گئی مگر صبح وہ فجر کے بعد سے اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر پکی سڑک کی طرف جانے والے راستے پر نگاہیں جمائے رکھتا تھا اور پھر نو دس بجے ناامید ہو کر وہاں سے ہٹ جاتا تھا۔

"کہاں گم ہو گئی ہو اچھی لڑکی...... نظر کیوں نہیں آ رہیں؟" اس وقت اپنے بستر پر لیٹا سینے پر کتاب رکھے وہ تصور ہی تصور میں حمدہ سے مخاطب تھا، جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"آ جاؤ......" عمر کو پتہ تھا کہ رات کے وقت اماں زلیخا اسے دودھ دینے آئی ہوں گی مگر ماں جی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھا تھا، کتاب سینے سے ہٹا کر سائیڈ پر رکھی تھی۔

"ماں جی آپ......" فوراً بستر سے اتر کر آگے بڑھ کر ماں جی کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا تھا۔

"خیریت......؟ کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا...... آپ نے اوپر آنے کی زحمت کی۔" خود بھی ماں جی کے ساتھ ہی بیٹھ کر پوچھا۔

ماں جی کو گھٹنوں کا درد رہتا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر

نہیں آتی تھیں۔ عمر کی بات پر مسکرا دیں۔

"ہاں بڑا ضروری کام تھا، سوچا خود ہی تمہارے پاس جاؤں......" عمر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"آپ حکم کریں ماں جی۔"

"جب سے آئے ہو بڑے خاموش رہتے ہو...... کوئی بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے کیا......؟" وہ ماں تھیں اس کے اندر کے حال سے بھلے بے خبر تھیں مگر اس کی ظاہری بے قراری تو دیکھ سکتی تھیں نا۔ عمران کی اس درجہ فکرمندی پر مسکرا دیا۔

"بھلا آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا پریشانی ہو گی ماں جی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تم اتنا عرصہ گاؤں، حویلی اور رشتوں سے دور رہے ہو، اب عرصے بعد لوٹے ہو یہاں گاؤں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ میں نے ساری زندگی تمہاری اور ماریہ کی خاطر تنہا گزار دی، تمہارے باپ اور ددھیال والوں نے جو بھی کیا میں وہ نہیں دہراؤں گی، تمہاری آس میں، میں نے یہ زندگی کاٹ دی ہے بیٹا......" ماں جی کہہ رہی تھیں، عمر الجھ گیا، یقیناً ماں جی بہت ہی خاص بات کہنا چاہتی تھیں۔ یہ سب تمہید تھی شاید۔

"ماں جی آپ جو بھی کہنے آئی ہیں بلاتوقف کہہ دیں۔" عمر نے ان کے دونوں ضعیف ہاتھ تھام لیے تو وہ مسکرا دیں۔

"تمہارے بڑے ماموں نے اپنی بیٹی کا رشتہ ڈالا ہے۔"

"اوہ......" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ماموں کی بیٹی زویا پڑھی لکھی بظاہر اچھی لڑکی تھی۔ اگر اماں چند دن پہلے جب وہ باہر تھا اس سے کہتی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

"پھر آپ نے کیا کہا......؟"

"تمہاری مرضی کے بغیر میں بھلا کیسے ہاں کہہ سکتی تھی۔"

"آپ کی اپنی مرضی کیا ہے......؟" عمر نے سنجیدگی سے ماں جی سے دریافت کیا۔

"سچ پوچھو تو دونوں ماموؤں کے ہاں رشتہ داری کرنے کا میرا دل ہی نہیں مانتا۔ زویا اچھی بچی ہے مگر سالوں سے ہاسٹل میں رہ رہی ہے اس کے بارے میں کئی طرح کی باتیں مشہور ہیں، آزاد خیال ہے، گاؤں کے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ پھر بھی تم ہر روز ماموں کے گھر جاتے ہو، ہو سکتا ہے تمہیں اچھی لگی ہو۔ مگر میں راضی نہیں ہوں اور سب سے بڑی بات باقر علی کی بھانجی ہے اپنے اس ماموں سے اس کی بہت بنتی ہے، اکثر باقر علی کے ساتھ اس کے گاؤں گئی ہوتی ہے۔"

"اوہ...... تو جب آپ کو پسند نہیں تو آپ انکار کر دیں۔ میں عرصے بعد لوٹا ہوں ماموں روز بلوا لیتے ہیں تو مروتاً مجھے جانا پڑتا ہے، ان کے ہاں چکر لگانے سے مراد یہ نہیں کہ میں زویا کو پسند کرنے لگ گیا ہوں یا میرا انٹرسٹ اس کی طرف ہے۔ نیور......" عمر نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا تو ماں نے گہرا سانس فضا میں چھوڑا۔

"اس لیے میں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ تم سے بھی پوچھ لوں۔"

"آپ صاف انکار کر دیں......"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ اس بات کے علاوہ بھی مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام تھا۔" ماں جی اب اصل بات کی طرف آئی تھیں۔

"کیسا کام......؟"

"تمہیں آج رات تین بجے کے قریب ڈرائیور کے ہمراہ کسی کو لے کر سرگودھا جانا ہے۔" ماں جی کا انداز سرگوشیانہ ہو گیا تھا۔ عمر نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"خیریت...... کس کو لے کر جانا ہے؟"

"تم مختار اور اس کی بیٹی کے حالات سے متعلق اتنے دنوں میں تھوڑا بہت باخبر ہو ہی گئے ہو گے؟" ماں جی نے پوچھا تو حمدہ کے ذکر پر وہ ایکدم فوراً کانشس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"جی...... ماریہ باجی نے ہی ان لوگوں کے حالات سے متعلق بتایا تھا۔"

"باقر علی کا تقاضا دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب ہر دوسرے روز وہ مختار کے گھر پہنچا ہوتا ہے۔ حالات نے مختار کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ اور اس کی بیٹی دنیا کی

نظروں میں تماشا بن گئی ہیں' کوئی بھی ان کی مدد کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ باقر علی کے پاس پیسہ ہے' اچھے برے ہر طرح کے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ غنڈہ گردی میں ماہر ہے۔ نہ اسے اپنی عمر کا خیال ہے اور نہ ہی کسی کی عزت بے عزتی کا۔" اماں کے لہجے میں دکھ اور تاسف تھا' عمر کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

"کیا ہوا ہے چاچی مختار کی بیٹی ٹھیک تو ہے نا......؟" اپنے آپ کو نارمل رکھنے کے باوجود وہ پوچھے بغیر نہ رہ پایا تھا' اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔

"ابھی تک تو وہ بیچاری عزت سے ہی ہے' مگر باقر علی مختار کو کل کہہ گیا تھا کہ اگلے مہینے کی بیس تاریخ کو شادی کی تیاری رکھے۔ بیچاری بڑی پریشان ہے' پیسہ سارا شوہر اپنی زندگی میں ہی برے کاموں میں اجاڑ گیا' ایک حویلی تھی وہ بھی اب باقر علی کے پاس ہے۔ لے دے کے یہ گھر جس میں رہ رہے ہیں اور نہر کے پاس والی زمین رہ گئی ہے' وہ بھی یوں کہ یہ مختار کے نام تھی۔ جب تم آئے تھے' مختار ایک فوتگی میں گئی تھی' مختار کی ایک خالہ ہے اس نے اپنی مرضی سے ایک خاصے جاگیردار بندے سے شادی کی تھی' اس فوتگی میں اس کی مختار سے بھی ملاقات ہوئی تھی' اپنی اس خالہ سے یہ لوگ کم ہی ملتے جلتے ہیں' مختار کے سارے حالات جان کر اس نے مختار کو کہا تھا کہ وہ بیٹی کو لے کر سرگودھا آجائے' اس کے بیٹے اعلیٰ اور اونچے عہدوں پر ہیں وہ سب سنبھال لیں گے۔ بس یہاں کسی کو پتا نہ چلے۔" عمر یہ سب سن کر ششدر رہ گیا تھا' اس کے دل و دماغ میں اس ساری گفتگو سننے کے بعد یہی خیال آیا تھا کہ وہ اب حمرہ کو نہیں دیکھ پائے گا' اسی تصور نے اسے اچھا خاصا پریشان کر ڈالا تھا۔

"پر اس کا کیا حل ہوگا؟"

"مختار نے اپنی خالہ اور اس کے بیٹوں سے اچھی طرح صلاح مشورہ کر کے ہی فیصلہ کیا ہے کہ آج رات حمرہ کو یہاں سے نکال دیا جائے' باقر علی گاؤں میں ہی ہے اس لیے آدھی رات کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارا ڈرائیور قابل بھروسہ ہے' میں سمجھا دوں گی وہ کسی کے سامنے پھر زبان نہیں کھولے گا' تم کو ساتھ بھیج رہی ہوں کہ لڑکی ذات ہے' اتنا لمبا سفر ہے' پھر اچھی خاصی خوبصورت اور جوان ہے' خدا جانے راستے میں کیا حالات ہوں' تم ساتھ ہو گے تو ہمیں تسلی رہے گی' تم حمرہ کو وہاں سرگودھا میں چھوڑ کر دو تین دن میں واپس آجانا' یہاں میں سب کو بتا دوں گی کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ مری سیر کے لیے نکلے ہوئے ہو۔ مختار نے دو دن سے حمرہ کو گھر سے نہیں نکلنے دیا۔ چند دن اسی طرح گزر جائیں گے۔ اگر کسی کو شک بھی ہوا تو مختار کہہ دے گی کہ حمرہ اپنی بہن نگہت کے پاس ہے۔ جانا تو مختار کو بھی ساتھ تھا مگر مختار اپنے خالہ زاد بھائیوں کے سمجھانے پر اب رک گئی ہے کہ اس طرح دونوں کے غائب ہونے پر کسی کو شک نہ ہو جائے۔ مختار ادھر ہی رہے گی تاکہ باقر علی اطمینان سے رہے' اگر اس کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ تو مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ حمرہ والے قصے کو اس نے زندگی موت کا معاملہ بنا رکھا ہے۔"

"پھر اس کے بعد کیا ہوگا اور جب اگلے ماہ تک حمرہ واپس گاؤں نہ پہنچی اور باقر علی شادی کے لیے آپہنچا تو پھر؟"

"مختار کے خالہ زاد بھائیوں نے اسے تسلی دی ہے کہ اس دوران وہ کہیں اچھی جگہ رشتہ دیکھ کر حمرہ کی شادی کروا دینے کی کوشش کریں گے' اور باقر علی نے پتا چلنے پر شور کیا تو وہ اس کا بھی بندوبست کر لیں گے۔ بس ایک بار حمرہ کی شادی ہو جائے۔" عمر کو لگا کہ اس کے اعصاب پر گویا بم پھٹا ہے۔

ماں جی کی ساری گفتگو سننے کے بعد اس کے دل کی بے قراری کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

"اور مختار چاچی کی خالہ کی فیملی کیسی ہے......؟ آئی مین کریکٹر وائز کیسے لوگ ہیں؟"

"مختار تو ان کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں۔ پہلے ہمارا ارادہ یہی تھا کہ تم لوگ حمرہ کو چھوڑ کر واپس آجاؤ گے مگر پھر میں نے ہی مختار کو مشورہ دیا تھا کہ اکیلی جوان لڑکی کو اجنبی لوگوں میں چھوڑ کر آجانے کی کوئی تک نہیں بنتی۔ عمر تم چند دن وہاں رکنا'

وہاں کے اندرونی حالات اور گھر والوں کے طور طریقوں کو اچھی طرح دیکھنا اگر تمہیں لگے کہ حمرہ کے وہاں رہنے میں خطرے والی کوئی بات نہیں تو ٹھیک ورنہ پھر جس طرح تم لے کر جاؤ گے واپس لے آنا۔" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ یعنی اس کو حمرہ کے قریب رہنے کی کچھ مہلت مل رہی تھی۔

"کب نکلنا ہے؟"

"رات تین بجے...... حمرہ کو مختار حویلی میں چھوڑ گئی ہے۔"

"حمرہ اس وقت حویلی میں ہے......" عمر کے لیے یہ بات بڑی خوشگوار تھی۔

"تم سو جاؤ اب...... میں نے زلیخا اور نسرین دونوں کو چھٹی دے دی ہے' سلطان کو پتہ نہیں چلے گا میں تم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی حمرہ کو گاڑی میں سوار کروا دوں گی۔ سلطان کو یہی پتا ہوگا کہ تم اور ڈرائیور مری کی سیر کے لیے نکلے ہو۔ ہاں اپنی تیاری کر لینا' وہاں تمہیں چند دن رکنا ہوگا۔" بی بی جان اسے ہدایات دیتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آئیں میں آپ کو نیچے کمرے تک چھوڑ آؤں۔" یقیناً حمرہ نیچے ماں جی کے کمرے میں ہی ہوگی۔ اس کو دیکھنے' صرف ایک نگاہ دیکھ لینے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ ماں جی کے ساتھ فوراً وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم سو جاؤ......" ماں جی نے روکنا چاہا۔

"نہیں...... کچھ نہیں ہوتا......" وہ ماں جی کو بازوؤں کے حصار میں لیے کمرے سے نکل آیا تھا۔ ماں جی اس محبت پر مسکرا دی تھیں۔

زینہ طے کر کے وہ ماں جی کے کمرے کے سامنے آرکا تھا۔ دروازے کے دوسری طرف وہ تھی مگر ماں جی نے دروازے کے باہر سے ہی اسے جانے کو کہہ دیا تھا' عمر کو لگا کہ وہ کنوئیں کے پاس پہنچ کر پیاسا لوٹایا جا رہا ہے۔ اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو گئی۔

وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ وہ وقت سے بہت پہلے ہی اٹھ کر تیار ہو چکا تھا۔ تین بجے کے قریب وہ نیچے آیا تو اماں باہر سے آتی دکھائی دیں۔

"بشیر (ڈرائیور) آچکا ہے۔ اس کو یہی پتا ہے کہ تمہارے ساتھ چند دنوں کے لیے مری جا رہا ہے' اس کو رستے میں ہی سمجھا لینا۔ حمرہ کو میں گاڑی میں بٹھا آئی ہوں' یہ کچھ رقم ہے رکھ لو کام آئے گی۔" ماں جی اسے جلدی جلدی ہدایات دے رہی تھیں۔

"اس کارڈ پر سرگودھا جہاں پہنچنا ہے' اس جگہ کا سارا پتہ درج ہے' یہ فون نمبرز بھی ہیں۔ یہ مختار کی خالہ کا نمبر ہے وہ اچھی طرح سمجھا دیں گی۔" عمر نے اپنا سفری بیگ تھام رکھا تھا' اماں سے مل کر ان کو اچھی طرح تسلی دے کر وہ گاڑی کی طرف چلا آیا تھا' بشیر اصل صورت حال سے بے خبر تھا۔ اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

سلطان بابا نے گیٹ کھول دیا تھا' بشیر نے گاڑی نکالی تو عمر نے اس دوران بھاری جیپ کے پردے برابر کر دیئے تھے۔ گاڑی کی لائٹ آف ہی تھی' عمر نے موبائل کی روشنی میں دیکھا۔ حمرہ اس کے دائیں طرف اپنی مخصوص چادر اپنے گرد لپیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ بس اس دفعہ فرق یہ تھا کہ اس بار چادر نے اس کے وجود کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ عمر دل کی ہزار خواہشوں کے باوجود اس کا چہرہ نہ دیکھ پایا تھا۔

"السلام علیکم......!" عمر نے آہستگی سے اسے پکارا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

"کافی لمبا سفر ہے آپ آرام و سکون سے سو جائیں۔ آپ کو باحفاظت آپ کی منزل تک پہنچانا اب ہمارے ذمہ ہے۔" عمر نے اسی دھیمے انداز میں کہا تو حمرہ نے دوبارہ سر ہلا کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا لیا۔ گاڑی گاؤں کی حدود سے نکلی تو عمر نے گہرا سانس لیا۔

"بشیر گاڑی کی لائٹس آن کر لو۔" حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے لائٹس روشن نہیں کی تھیں۔ بشیر نے عمر کے حکم پر بیرونی لائٹس کے ساتھ ساتھ اندرونی لائٹ بھی روشن کر دی تھیں۔ عمر نے دیکھا لائٹ روشن ہونے پر حمرہ نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا' وہ یقیناً خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

"آپ رو رہی ہیں......؟" عمر کو اس کے رونے سے خاصی تکلیف ہوئی تھی۔ حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھا۔ وہی نگاہ کا مخصوص تاثر...... حمدہ کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

بشیر بھی لائٹ روشن ہونے کی وجہ سے اندرونی منظر دیکھ کر چونک گیا تھا۔ براؤن چادر میں لپٹا وجود اسے حیرت زدہ کرنے کو کافی تھا۔ مگر وہ الجھ گیا تھا بیک ویو مرر سے اس نے عمر کی طرف دیکھا مگر وہ جرأت کے باوجود پوچھنے کی ہمت نہ کر پایا۔ عمر نے اس کی توجہ محسوس کرلی تھی اور مسکرا دیا۔

"بشیر ہم مری نہیں بلکہ سرگودھا جارہے ہیں۔ گاڑی سرگودھا روڈ کی طرف موڑ لو اور ہاں پریشان مت ہوں میں تمہیں راستے میں سمجھادوں گا اور گاڑی کی اندرونی لائٹ آف کردو۔" اس کے بعد سفر خاموشی سے کٹنے لگا تھا۔ تین گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ گجرات دریائے چناب کا پل کراس کررہے تھے تو وہاں ہوٹل کا انتظام دیکھ کر عمر نے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

"یہاں کیوں روکی ہے......؟" حمدہ نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

"کچھ دیر یہاں ٹھہر کر فریش ہولیں۔ سردی کی وجہ سے چائے یا کافی کی ضرورت ہوگی وہ پی لیتے ہیں۔" حمدہ خاموش ہوگئی تھی اور عمر کے کہنے پر گاڑی سے نکل آئی تھی۔

عمر اسے لیے اندرونی حصے کی طرف آگیا تھا۔ ریسپشن پر رک کر اس نے ایک کمرے کی چابی لی تھی۔

"آئیں میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آتا ہوں' کچھ دیر رک کر فریش ہولیں۔ میں ادھر باہر ہی رہوں گا۔ اگر کچھ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو فون کرکے روم میں منگوالیجیے گا۔" حمدہ عمر کے سلجھے ہوئے انداز پر شرمندہ ہوگئی تھی۔ عمر اسے روم تک چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ نے فریش ہوکر منہ ہاتھ دھویا تھا' باہر ابھی کافی اندھیرا برقرار تھا۔ وضو کرکے اس نے بستر کی چادر بچھا کر پہلے نماز پڑھی تھی' ابھی وہ دعا مانگ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا اور پھر اٹھ کر قریب چلی آئی۔

"جی...... کون......؟"

"عمر......" حمدہ نے دروازہ کھول دیا تو عمر کے ہمراہ ویٹر بھی تھا جس کے ساتھ چائے اور کھانے کے لوازمات والی ٹرالی بھی تھی۔

عمر کے اشارہ کرنے پر ویٹر ٹرالی اندر لے آیا تھا اور پھر خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ جو چادر کا پلو ہاتھ میں پکڑے چہرے پر رکھے کھڑی تھی ویٹر کے نکلنے پر اس نے پلو گرادیا تھا۔

"آپ نے خوامخواہ کی زحمت کی۔ میں کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کررہی۔" اس کے انداز میں کچھ خفگی در آئی۔

"مجھے اندازہ تھا اس لیے خود ہی منگوالیا۔ آئیں کچھ لے لیں پلیز۔" عمر کا انداز شائستہ تھا وہ چپ ہوگئی۔ جائے نماز والی چادر اٹھا کر واپس بستر پر بچھا کر خود بھی بستر کے کنارے ٹک گئی تو عمر نزدیکی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"ہم یہاں کب تک رکیں گے......؟"

"آپ یہ لے لیں پھر نکلتے ہیں۔" عمر کے اشارہ کرنے پر اس نے ٹرالی اپنی طرف کھسکالی تھی۔

چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی تھے' چائے بنا کر چینی ملاتے ہوئے وہ رکی نظر اٹھا کر عمر کو دیکھا وہ اسی کی طرف متوجہ تھا' مسکرادیا۔ وہی نگاہ کا دل موہ لینے والا مخصوص تاثر تھا۔

"ہاف ٹی اسپون......" حمدہ کے اندر جھنجلاہٹ بڑی شدید تھی۔ مگر اپنے چہرے کو بمشکل نارمل کرتے چینی ملا کر کپ بغیر عمر کی طرف دیکھے اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"شکریہ۔" عمر نے کپ تھام لیا تھا۔ دونوں نے خاموشی سے چائے پی تھی حمدہ عمر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی مگر گاہے بگاہے اپنے چہرے پر عمر کی پرتپش نظروں کی حدت شدت سے محسوس کررہی تھی۔ ایسے میں اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جارہا تھا۔

"آپ کے پاس موبائل ہوگا......؟" چائے پی کر عمر نے پوچھا تو حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

"جی ہے تو......؟" حمدہ سوال کے پس منظر سے بے خبر تھی۔ موبائل اس کے شولڈر بیگ میں تھا اور بیگ اس نے کمرے میں آ کر بستر پر رکھ دیا تھا۔

"ذرا دیں گی......؟" حمدہ نے سر ہلا کر بیگ سے ایک معمولی سا سیٹ نکال کر عمر کی طرف بڑھا دیا۔

عمر نے موبائل لے کر پہلے تو چند منٹ اس کے تمام سسٹم کا جائزہ لیا اور پھر سم نکال کر موبائل واپس حمدہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ حمدہ نے تھام تو لیا تھا مگر عمر کی اس حرکت سے الجھ گئی تھی۔ ساتھ ہی عمر نے اپنی پاکٹ سے ایک اور موبائل سیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"آپ کی احتیاط کے پیش نظر میں نے یہ سم نکالی ہے۔ ہوسکتا ہے گاؤں سے ماں جی یا چاچی مختار آپ کے نمبر پر کال کریں تو نمبر ٹریس کروانا آسان ہوجائے گا۔ اسی لیے یہ سیٹ رکھ لیں اس میں نئی سم ہے یہ نمبر ماریہ باجی اور ماں جی کے علاوہ صرف میرے علم میں ہے اگر آپ یہ نمبر یوز کریں گی تو آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔" حمدہ نے ایک گہری سانس لی۔ اگر بات نمبر کی تھی تو وہ اپنے موبائل میں بھی استعمال کرسکتی تھی مگر ایک نیا خاصا مہنگا اور قیمتی سیٹ دینا وہ سمجھ نہ سکی تھی۔

"یہ نیو اسٹائل کا ایک کمپیوٹرائزڈ موبائل ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے کہ آپ کی لوکیشن ظاہر کیے بغیر تمام کالز کا ریکارڈ یہ اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے اگر گاؤں سے اس سیٹ پر کال کی جائے گی تو بھی ٹریس نہیں کی جاسکے گی۔" عمر کی مزید وضاحت نے اسے قدرے پرسکون کیا تھا۔

"ویسے بھی میرا یہ نمبر عام نمبر نہیں ہے۔ کوئی ٹریس کرنے کی کوشش بھی کرے تو پتا نہیں چل پائے گا۔"

"مگر آپ کیا کریں گے......؟" وہ سمجھی تھی کہ عمر نے اپنا موبائل اسے دے دیا ہے وہ مسکرا دیا۔

"ڈونٹ وری میرے پاس اس جیسا ایک اور سیٹ بھی ہے۔" وہ قدرے ریلیکس ہوگئی تھی۔

حمدہ نے خاموشی سے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا' حمدہ کے اس عمل سے عمر کے اندر ایک عجیب سرخوشی سی پیدا ہوئی تھی' عمر کو ایک دم یوں لگا کہ اس نے گویا موبائل نہیں بلکہ اس کے وجود کو قبول کرلیا ہے۔

"کافی دیر ہوگئی ہے......اب چلیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"شیور۔" وہ بھی کندھے اچکاتا کھڑا ہوگیا تھا۔

......☆☆☆......

اماں نے حمدہ کو اپنی خالہ اور ان کی سسرال کے متعلق اچھا خاصا بتا دیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے مل کر نارمل ہی رہی تھی جبکہ عمر خالہ بی کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ خالہ جن کا اصل نام رخشندہ تھا وہ مختار چاچی سے سات آٹھ سال بڑی ہوں گی۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور سبھی بچے شادی شدہ تھے۔ سب سے بڑے افتخار صاحب تھے جو کہ اپنے علاقے کے ایم این اے تھے۔ یہ لوگ جدی پشتی جاگیر دار تھے' ان کے والد وفات پاچکے تھے اور باپ کی وفات کے بعد اب افتخار صاحب اپنی علاقائی سیٹ پر تھے۔ ان کے بعد دو بہنیں تھیں جو شادی شدہ اور گھر بار والی تھیں۔ اس کے بعد شہباز صاحب تھے۔ فیڈرل گورنمنٹ میں خاصے اونچے عہدے پر تھے اور بیوی بچوں کے ہمراہ اسلام آباد میں مقیم تھے۔ سب سے چھوٹے انس تھے جن کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی اور فی الحال کوئی بچہ نہ تھا' یہ بھی صوبائی گورنمنٹ میں تھے۔ خود لاہور ہوتے تھے' جبکہ بیوی آبائی حویلی میں ہوتی تھیں۔ افتخار صاحب کے بھی تین بچے تھے اور اسکول اسٹیج میں تھے' دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ان لوگوں نے حمدہ اور عمر کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ خاصا پروٹوکول دیا گیا تھا۔ عمر کی افتخار انکل سے اس سارے مسئلے پر ایک لمبی بات چیت ہوئی تھی جس سے عمر نے اندازہ لگایا کہ افتخار انکل کا اپنے علاقے میں اچھا خاصا ہولڈ ہے' ان کے اندر جاگیر داروں والا مخصوص رعب و دبدبہ پایا جاتا تھا' انہوں نے حمدہ والے معاملے میں عمر کو بالکل بے فکر ہوجانے کو کہا تھا بلکہ وہ باقر علی کے خلاف قانونی طور پر کوئی نہ کوئی کارروائی کرنے پر بھی بضد تھے' عمر نے ان کو فی الحال کوئی بھی قدم اٹھانے سے منع کیا تھا کہ باقر علی سے اگر گفت و شنید سے معاملہ حل ہوسکتا ہے تو وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات زیادہ بگڑے۔

اسے یہاں آئے تیسرا دن تھا حمدہ اندرونی حصے میں رہ رہی تھی جبکہ اس کا اور بشیر کی رہائش کا انتظام مردان خانے میں تھا۔ تاہم دن میں ایک بار وہ ملازمہ کو پیغام بھیج کر حمدہ کو بلوا کر ضرور مل لیتا تھا۔ یہاں آ کر حمدہ سے متعلق اس کے جذبات میں مزید شدت آئی تھی۔

اماں اور مختار چاچی سے وہ روزانہ بات کررہا تھا۔ فی الحال وہاں کی صورت حال نارمل ہی تھی۔ باقر علی روزانہ مختار چاچی کے ہاں چکر لگا رہا تھا۔ شادی کے سلسلے میں ہر روز آ کر کوئی نہ کوئی شوشا چھوڑ رہا تھا۔ تاہم وہ ابھی تک حمدہ کی غیر موجودگی سے بے خبر ہی تھا۔ ماں جی یہاں کے حالات اچھے جان کر مطمئن ہوگئی تھیں۔ ان کا مشورہ تھا کہ عمر آج کل میں اب واپس آجائے۔ وہ مردان خانے کے کمرے میں لیٹا نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا جب دستک ہوئی تھی اور اس کی اجازت سے حویلی کا ایک ملازم اندر آ گیا تھا۔

"افتخار صاحب نے یاد کیا ہے آپ کو؟" ملازم نے اطلاع دی تو اس نے آنے کا کہہ کر اسے چلتا کیا۔ افتخار صاحب باہر گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے' شاید کہیں جانے کا ارادہ تھا۔

"آؤ یار تمہیں کہیں گھما پھرا لائیں۔ تیسرا دن ہے تمہیں یہاں آئے ابھی تک اپنا علاقہ ہی نہیں دکھایا۔" عمر سے افتخار صاحب خاصا گھل مل گئے تھے۔ اس کے کندھے پر بازو رکھ کر بے تکلفی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"کیوں نہیں......" وہ ان کے ساتھ ہی ان کی جیپ میں آ بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کا علاقہ خاصا خوبصورت تھا' جا بجا مالٹوں کے باغات تھے' اس علاقے کی خوبصورتی شاید یہ باغات ہی تھے۔ افتخار صاحب کی اپنی زمینیں تھیں۔

"اس طرف نہر (ایک چھوٹا نالہ) کی طرف کے باغات دیکھنے والے ہیں۔ تم گھومو پھرو...... مجھے ڈیرے پر کچھ کام ہے۔ ادھر چلتا ہوں' واپسی پر ملتے ہیں۔" افتخار صاحب کو ایک فون آ گیا تو وہ عمر کو کہہ کر خود چلے گئے تھے۔ باغ کے ملازم اپنے کام میں مصروف تھے ایک ملازم اس کے ساتھ تھا یہ حویلی کا کوئی ملازم تھا۔

"میں دیکھ لوں گا ڈونٹ وری یار......" ملازم ساٹھ ستر سال کی عمر کا ضعیف انسان تھا۔ کب سے ساتھ تھا۔ اب وہ تھکن محسوس کررہا تھا۔ عمر کو اس کی تھکن کا احساس ہوا تو اسے منع کرتے خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اس طرف چھوٹی سی نہر تھی (حرف عام میں ایسی نہروں کو نالے بھی کہا جاتا ہے) وہاں نہر کے پل کے پاس دو تین خواتین دکھائی دیں تو عمر چونکا۔ ان خواتین میں ایک حمدہ بھی تھی' ایک لڑکی ملازمہ تھی اور ایک شاید حویلی کی خواتین میں سے کوئی تھیں۔ (کیونکہ حویلی کی خواتین کو اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا) یہ لوگ شاید سیر کو نکلی تھیں عمر وہیں کچھ فاصلے پر رک گیا تھا۔

"حمدہ یار! اس طرف کا پانی بہت ٹھنڈا ہے آؤ تم بھی پاؤں لٹکا کر بیٹھو بڑا مزہ آئے گا۔" کھنکتی آواز پر حمدہ نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

"نہیں بابا مجھے معاف ہی کریں۔ اتنی سردی ہے آپ کے علاقے میں...... میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے فوراً انکار کردیا تھا بلکہ کچھ فاصلے پر ہو کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"اچھا...... ابھی تم نے سردی دیکھی کہاں ہے؟ کیوں زینے حمدہ کو سردی کا نظارہ نہ کروادیں؟" اس خاتون کی عمر کی طرف پشت تھی' عمر خاموشی سے تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو نجانے کیا اشارے کیے تھے کہ انہوں نے فوراً دونوں ہاتھوں میں پانی بھر بھر کر حمدہ کی طرف اچھالنا شروع کردیا تھا۔ وہ اس افتاد پر ایکدم گھبرائی تھی۔ پانی کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔ عمر دیکھ رہا تھا جس طرح وہ پیچھے ہٹ رہی تھی بالکل نہر کے کنارے پر پہنچ گئی تھی۔

"حمدہ......" عمر نے فوراً ڈر کر خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود اسے آواز دی تھی مگر تب تک دیر ہوچکی تھی۔ حمدہ بے توازن سی ہو کر پیچھے کو گری تھی اور اگلے ہی پل وہ اس چھوٹی سی نہر کے پانی میں تھی۔

"حمدہ......" عمر فوراً نہر کی طرف بھاگا تھا' بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے نہر میں چھلانگ لگادی تھی۔ دونوں

لڑکیاں چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں۔ عمر اچھا تیراک تھا اس نے لمحوں میں حمدہ کو جالیا تھا۔ حمدہ پیچھے کی طرف گرتے ہوئے کسی سخت چیز سے ٹکرائی تھی؛ شاید کنارے پر لگے کسی پتھر سے اس نے ایک دو پل اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود تھا بس اسے ایک دم ایسا لگا جیسے کسی نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا ہے اس کے بعد اس کا ذہن بالکل تاریک ہو چکا تھا عمر ایک اچھا تیراک ضرور تھا مگر حمدہ کے بے حواس وجود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ نہر اس جگہ سے خاصی دور تھی جہاں باغ میں ملازم کام کر رہے تھے ورنہ دونوں لڑکیوں کی چیخ و پکار سن کر کوئی نہ کوئی پہنچ ہی جاتا۔

عمر حمدہ کو ایک بازو کے حصار میں لیے دوسرے بازو اور پاؤں کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتے قدرے کم گہرے حصے کی طرف آ گیا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی بھاگ کر اسی طرف آ گئی تھیں۔

"ہائے اللہ...... چھوٹی بی بی! ان کے سر سے تو خون بھی بہہ رہا ہے۔" زینب خاصی خوفزدہ ہوگئی تھی۔ عمر دونوں لڑکیوں کا خوف دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔

اس نے خود ہی حمدہ کی نبض دیکھی؛ خاصی سلو چل رہی تھی۔ اس کے سر سے بالکل اسی جگہ سے خون بہہ رہا تھا جہاں چند دن پہلے چوٹ لگی تھی؛ زخم تازہ تھا اس کے ٹانکے پھر کھل گئے تھے۔

"اسے کچھ ہوا تو نہیں......؟" ازکی مسلسل رو رہی تھی۔

"فی الحال تو کچھ نہیں کہہ سکتے......؟ مگر تشویش تو بہرحال ہے۔ آپ لوگ اگر رونے دھونے کی بجائے میری مدد کریں؛ حمدہ کا پیٹ دبا کر پانی نکالیں تو شاید ہوش آ سکتا ہے۔" عمر نے جھنجلا کر کہا تو ازکی نے فوراً آنسو صاف کرتے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ زینب اس کے پاؤں ملنے لگ گئی تھی۔ عمر اس کے چہرے کو دیکھتے مسلسل اس کی نبض تھامے بیٹھا تھا۔

"حمدہ......" وہ ساتھ ساتھ اس کو آوازیں دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

"آپ وہی ہیں نا جو حمدہ کے ساتھ آئے تھے......؟" ازکی اپنے حواس پر کچھ حد تک قابو پا چکی تھی۔ اس کے سوال پر عمر نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ موسم خاصا سرد تھا۔ حمدہ اور عمر دونوں بھیگے ہوئے تھے۔ حمدہ کے ہونٹ گہرے نیلے ہو چکے تھے۔ اس کا سارا جسم سرد پانی کی وجہ سے برف ہو رہا تھا۔ ان تینوں کی کوششوں سے کچھ منٹ بعد حمدہ نے کراہ کر آنکھ کھول لی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں نا...... کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟" عمر پوچھ رہا تھا وہ چند پل تو اسے دیکھے گئی اور پھر جب اسے صورتحال کا احساس ہوا تو کچھ پل قبل پیش آنے والا حادثہ پوری جزئیات کے ساتھ ذہن کی اسکرین میں تازہ ہوا تو خوفزدہ ہو کر عمر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور پھر بری طرح رو دی۔

"ٹیک اٹ ایزی...... خطرے کی کوئی بات نہیں۔" عمر نے اسے دلاسا دینا چاہا وہ مکمل طور پر کانپ رہی تھی۔ حمدہ نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو ازکی اور عمر نے فوراً دائیں بائیں سے سہارا دے کر بٹھایا۔ بلکہ عمر نے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر بیٹھنے کو ٹیک فراہم کی تھی۔

"میں ڈرائیور کو فون کرتی ہوں وہ زمینوں کی طرف ہے۔ ہم اسی کے ساتھ آئی تھیں اور پھر پیدل یہاں تک آئی تھیں۔" ازکی نے ڈرائیور کو کال کی تھی اور اسے فوراً نہر کے پاس پہنچنے کو کہا تھا۔

حمدہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ مسلسل عمر کا ہاتھ تھامے اس کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور فوراً پہنچا تھا۔ ازکی اور عمر کے سہارے سردی سے کانپتی بدحواسی کی کیفیت میں وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو گاڑی حویلی کی طرف تیزی سے روانہ ہوئی تھی۔

...... ☆☆☆ ......

حمدہ نے اس حادثے کا اچھا خاصا اثر لیا تھا۔ وہ مسلسل بے ہوش تھی۔ حویلی پہنچنے تک وہ پتا نہیں کیسے حواس میں رہی تھی؛ رخشندہ خالہ تو اس کی کنڈیشن دیکھ کر اور حادثے کی خبر پا کر اپنی بہو اور ملازمہ پر جو برہم ہوئیں وہ ایک طرف

فوراً افتخار صاحب کو فون کیا تھا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی کال کی تھی۔ ڈاکٹر نے آ کر چیک کرنے کے بعد دوائی لکھ دی تھی۔ حمدہ حادثے کے زیر اثر خوف کا شکار تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی اسٹیچنگ کر کے سر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔

عمر مسلسل اس کے کمرے میں تھا۔ کئی بار افتخار صاحب نے اسے دلاسہ دیا تھا اور جا کر آرام کرنے کو کہا تھا کہ بہرحال اس قدر شدید سردی میں وہ بھی گیلا ہوا تھا مگر عمر لباس بدل کر واپس حمدہ والے کمرے میں آ گیا تھا اور جب تک اسے مکمل طور پر ہوش نہیں آ جاتا وہ اب اس کے پاس سے ہلنے والا نہ تھا۔

افتخار صاحب ان کی بیگم اور بچے تک حمدہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ ازکی اور زینب اپنی جگہ شرمندہ تھیں۔ ان لوگوں نے گھر والوں کو یہ قطعی نہیں بتایا تھا کہ ان کی شرارت کی وجہ سے حمدہ نہر میں گری تھی۔ عمر نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی تھی بس یہی کہا تھا کہ وہ پاؤں پھسلنے سے نہر میں گر گئی تھی اور ان کے شور پر عمر نے فوراً موقع پر پہنچ کر اسے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

ڈاکٹر کی کوششوں سے اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو سبھی نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ عمر ابھی تک گم صم تھا۔ ڈاکٹر کے انجکشنز کی وجہ سے وہ سو گئی تھی تو سبھی اس کے پاس سے ہٹ گئے تھے تاہم ازکی اور رخشندہ خالہ وہیں تھیں۔

"بیٹا جاؤ تم بھی کھانا کھا لو اور آرام کر لو۔ یہ اب بہتر ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔" رخشندہ خالہ عمر کی فکرمندی پر خاصی متاثر ہوئی تھیں۔ انہوں نے محبت سے کہا تو ناچار عمر کو اٹھنا پڑا۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پلٹ کر حمدہ کے چہرے کو ضرور دیکھا تھا۔ اس کے سر پر بندھی پٹی نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے واپس اپنے رہائشی کمرے میں آ گیا تھا۔

"اسے رہ رہ کر حادثے کی تمام جزئیات یاد آ رہی تھیں۔ اگر وہ وہاں نہ ہوتا اور خدانخواستہ حمدہ کو کچھ ہو جاتا تو......" اس تصور سے ہی عمر کو اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

وہ اس قدر شدید محبت کرنے لگ گیا تھا کہ اب لگتا تھا کہ اگر کسی دن اس کا چہرہ دیکھنے کو نہ ملا تو وہ سانس بھی نہ لے پائے گا۔ عمر اپنے جذبات و احساسات پر خود بھی حیران و ششدر تھا۔ اس نے تمام تر زندگی اس قدر محتاط انداز میں گزاری تھی کہ زندگی میں 'محبت' جیسی حماقت کا تصور بھی کہیں نہ تھا۔

اس کی ماں جی اپنے چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں۔ ماں باپ نے بے انتہا ناز و نعم میں پالا تھا۔ اس کے نانا ایک درمیانے درجے کے کاشت کار تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے سے کئی گنا امیر دولتمند دوست کے بیٹے سے بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ مگر بیٹی کی قسمت کہ شوہر عیاش نکلا تھا۔ وہ کسی ایک عورت تک صبر کر کے بیٹھے رہنے والا انسان نہ تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی ماریہ پیدا ہوئی تو بھی شوہر کی فطرت نہ بدلی اور پھر ایک دن حد ہوگئی ان کے شوہر ایک اور بیوی بیاہ لائے؛ نجانے وہ عورت کون تھی؛ کہاں کی تھی؛ ماں جی کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ شوہر کی عیاش فطرت اب تک میکے والوں سے چھپا رکھی تھی؛ مگر اب بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹا تھا۔ ان کے بھائی اور باپ کے لیے بیٹی کی سوتن برداشت کرنا ناممکن تھا اور نتیجتاً چند سال بعد ہی میکے آ بیٹھی تھیں۔ عمر کی ولادت میکے میں ہی ہوئی تھی اور پھر ایک دن شوہر نے طلاق بھجوا دی تو ماں جی کی گویا دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ ایسے عالم میں بابا جان نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ماں جی کے حق مہر میں ہی ان کے نام اچھی خاصی زمین لکھوائی گئی تھی اور طلاق کی صورت میں ان کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ بڑے دونوں بھائیوں نے عدالت میں دعویٰ کر کے اس زمین پر قبضہ لے لیا تو دونوں خاندانوں میں ایک دشمنی سی چل نکلی۔ عمر کے والد ہاشم صاحب کے لیے زمین پر قبضہ لے لینا ایک چیلنج تھا انہوں نے بھی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ ان کے بچے ان کے حوالے کر دیئے جائیں...... تاہم عدالت کی طرف سے اتنے چھوٹے بچوں کو باپ کے حوالے نہ کرنے کا

جب فیصلہ ہوا تو بڑے سرفراز ماموں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا انہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے ذوالفقار بھائی کا نکاح ماریہ باجی سے کردیا اور عمر کو عدالت کی طرف سے ملنے والی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی لے کر وہ پوری فیملی سمیت امریکہ میں سیٹل ہوگئے۔ ماں جی نے اپنی ساری زندگی بڑی اذیت اور مشقت میں گزاری تھی۔ بڑے سرفراز بھائی کے علاوہ باقی تینوں بھائیوں کی طرف سے ان کی ذات کو کبھی کوئی سکھ حاصل نہ ہوا تھا۔ جب تک نانا جان زندہ رہے ماں جی اور وہ چھوٹی حویلی میں مقیم رہے جبکہ باقی تینوں بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی حویلی میں شفٹ ہوگئے جو گاؤں سے قدرے ہٹ کر تھی۔ دوسرے نمبر والی ممانی اور سب سے چھوٹی ممانی دونوں بہنیں تھیں اور یہ دونوں بہنیں باقر علی کی بہنیں تھیں۔ باقر علی اکلوتا بھائی تھا۔ شروع سے ہی روپے پیسے کی ریل پیل نے اچھا خاصا بگاڑ ڈالا تھا۔ جس کی انتہائی حداب حمدہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی صورت تھی۔

ذوالفقار بھائی نے جیسے ہی ایم بی بی ایس مکمل کیا تھا ان کی ماریہ باجی کے ساتھ فوراً شادی کردی گئی تھی۔ ماریہ باجی آج کل لاہور میں مقیم تھیں کہ وہاں ذوالفقار بھائی کا ذاتی کلینک تھا۔ امریکہ میں عمر نے سرفراز ماموں کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ سرفراز ماموں ایک بہت اصول پرست خاندانی وقار کو اہمیت دینے والے مذہبی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ عمر کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ امریکہ جیسے آزاد معاشرے میں زندگی کے مدارج طے کرتے ہوئے کئی مواقع ملے بھٹکنے کے لیے مگر ماموں کی تربیت اتنی مضبوط تھی کہ قدم کبھی لڑکھڑائے ہی نہ تھے۔ اس نے عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ امریکہ میں عورت کو جس طرح استعمال کیا جاتا تھا اس کے باوجود اس نے ہمیشہ عورت ذات کو عزت دی تھی اس کے نزدیک عورت ایک بہت سنبھال سنبھال کر رکھنے والی شے ہے۔ بہت قابل عزت اور قابل احترام ہستی۔

عمر کے نزدیک اپنی ماں ایک ماڈل ہستی تھیں اور ماریہ باجی اس کے لیے بہت خاص ہستی تھیں ان دونوں کے علاوہ اس نے جس عورت کی سب سے زیادہ عزت کی تھی وہ اس کی ممانی تھیں جنہوں نے اس کو اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ پھر ان کی بیٹیاں تھیں جنہیں اس نے ہمیشہ ماریہ باجی جیسا مقام دیا تھا مگر پاکستان آتے ہی جس طرح حمدہ نے پہلی نگاہ میں اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا اس کے دل میں جو مقام حاصل کرلیا تھا وہ آج تک کوئی اور عورت حاصل نہ کر پائی تھی۔ وہ صرف اس کے لیے بے قرار بے چین ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کے تمام مسائل کو بھی حل کرنا چاہتا تھا اور اس طرح حل کرنا چاہتا تھا کہ عمر کی محبت کی وجہ سے اس شفاف بے داغ وجود پر کوئی الزام نہ آئے اس کی شخصیت اسی طرح روشن رہے۔ کہنے کو وہ ماں جی کے سامنے اپنے دل کی خواہش بیان کرسکتا تھا مگر خاموش تھا تو صرف اس لیے کہ وہ حمدہ کی طرف سے اطمینان کرلینا چاہتا تھا کہ اگر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ رد تو نہیں کرے گی۔ اگر وہ مان گئی تو اس کے لیے باقر علی سے لڑنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

صرف حمدہ کے وجود کی کشش نے ہی اسے اسیر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے کردار باوقار انداز اور رکھ رکھاؤ نے بھی اسے متاثر کیا تھا۔ وہ پہلی نگاہ کی محبت کا شکار ہوا تھا۔ آج حمدہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل بے انتہا بے قرار تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حمدہ کے وجود کی ساری تکلیف اپنے جسم پر لے لے۔ اس کے سارے مسائل بانٹ لے۔ مگر وہ بے بس تھا۔ نجانے وہ کیا سوچتی ہوگی؟ اس کے متعلق اس کی کیا رائے ہوگی؟ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ باقر علی کی حرکتوں کی وجہ سے وہ شادی جیسے بندھن سے ہی خوفزدہ ہوچکی ہے۔ جس طرح ماریہ باجی کے بتانے پر کہ اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی ایسے عالم میں ایسی لڑکی پر کیا بیتی ہوگی جس کے نکاح سے کچھ پل پہلے اس کے ہونے والے شوہر کو اغوا کرلیا جائے اور پھر قید میں ڈال کر دھمکیاں دی جائیں۔ اس کی نہ صرف شادی رکوادی جائے بلکہ آئندہ کے لیے اس کی ازدواجی زندگی کے تمام خوشگوار خواب بھی نوچ دیے جائیں۔

وہ سمجھ سکتا تھا کہ حمدہ کی خاموشی کے پیچھے کیا اسباب کار فرما ہیں؟ وہ اتنی سنجیدہ اور زیز رو کیوں رہتی ہے؟ وہ کونسے عوامل ہیں جنہوں نے اسے چپ سادھنے پر مجبور کردیا ہے؟ وہ اتنی خاموش کیوں رہتی ہے؟ ورنہ اس نے کئی بار اپنی نگاہ کے تاثر پر اسے چونکتے اور الجھتے دیکھا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جارہی تھی۔ مگر عمر ہاشم کے اندر سوچوں کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے تھے۔

...... ☆☆☆ ......

وہ صبح سویرے مہمان خانے سے نکل کر اندرونی حصے کی طرف چلا آیا تھا صبح صبح کا وقت تھا حمدہ کی فکر میں وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ اب بھی اندر اطلاع بھجوائے بغیر اس طرف چلا آیا تھا۔ لان میں اسے ازکئی مل گئی تھیں اسے دیکھ کر مسکرادیں۔

"السلام علیکم!" عمر نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام۔"

"حمدہ کیسی ہے؟" عمر نے فوراً اصل بات پوچھی۔

"کل سے خاصی بہتر ہے۔" ازکئی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟" وہ جس طرح کل سارا وقت پریشان رہا تھا ازکئی تب ہی الجھ گئی تھی مگر اب صبح سویرے اسے دوبارہ دیکھ کر اور اب اس کی پریشانی ملاحظہ کرکے ضرور چونکی تھی۔

"وائے ناٹ...... شیور...... آئیں......" اپنی چادر سنبھالتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اسے لے کر حمدہ والے کمرے میں آ گئی تھی۔

حمدہ اکیلی تھی۔ بستر پر کندھوں تک لحاف ڈالے سو رہی تھی۔

"آپ پلیز بیٹھیں۔" عمر نے بستر کے نزدیک رکھی کرسی سنبھال لی تھی۔

"یہ اب بہتر ہے۔ سرد پانی اور پھر گرنے کے خوف کی وجہ سے نیم غنودگی میں رہی تھی۔ اب تو خاصی بہتر حالت میں ہے۔ اگر آپ بات کرنا چاہیں تو میں جگا دیتی ہوں۔" ازکئی نے بستر کے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا تو عمر نے منع کردیا۔

"نہیں رہنے دیں میں بس دیکھنے آیا تھا۔"

"آپ ریلیٹوز ہیں آپس میں؟" ازکئی نے پوچھا۔

"جی...... ماں جی کے کزن کی بیٹی ہیں یہ...... حمدہ کی والدہ بھی ماں جی کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے ہیں۔"

"اوہ......" ازکئی نے ہونٹ سکیڑے جبکہ عمر ازکئی کی موجودگی کی وجہ سے محتاط تھا اس نے حمدہ کی طرف دیکھنے سے خصوصی طور پر احتراز برتا کہ کہیں ازکئی اس کی نگاہ کا تاثر نہ پڑھ لیں۔

اس دوران حمدہ نے کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ شاید دونوں کی آوازوں سے ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ اس نے پہلے ازکئی اور پھر عمر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گزرے کئی پل ایک رنگین فلم کی طرح گزرنے لگے۔

وہ گری تھی گہرے یخ پانی میں اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے حواس بے قابو ہوگئے تھے آنکھوں میں اس کے ہاتھ پاؤں بے جان ہونے لگے تھے وہ تیرنا نہیں جانتی تھی مگر اس کے باوجود وہ ڈوبنے سے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور پھر اس نے کسی کو پانی میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا وہ پانی کے بہاؤ میں ڈوب رہی تھی۔ جب عمر ہاشم نے اس کے قریب آ کر اسے ڈوبنے سے بچانے کے لیے اس کو تھاما تھا۔ عمر ہاشم کے حصار میں آتے ہی اسے لگا تھا کہ وہ اب ڈوبے گی نہیں مگر سرد پانی اور سر کی چوٹ نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔

اس کے بعد اسے جب ہوش آیا تھا عمر اور ازکئی نے اسے سہارا دیا ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے لے کر گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ ساری رات نیم غنودگی اور کچھ نیند کی کیفیت میں بس ہر بار گرنے اور اس کے بعد کے واقعات کو ہی خواب وخیال میں دیکھتی رہی تھی اور ہر بار جو احساس اسے شدت سے اپنے حصار میں لے لیتا تھا وہ یہی تھا کہ عمر کے حصار میں آ کر وہ بالکل پرسکون ہوجاتی تھی وہ اب ڈوبے گی نہیں۔ یہ شخص اسے ڈوبنے نہیں دے گا۔ یہ ایسا قوی احساس تھا کہ ہر بار وہ صرف اسی چہرے کو

اپنے اطراف میں دیکھتی رہی تھی مختلف روپ میں، مختلف انداز میں، غنودگی اور نیم غنودگی دونوں حالتوں میں بس اسے صرف یہی چہرہ نظر آتا رہا تھا اور اب آنکھ کھلتے ہی اسے یہی چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے لگا وہ جیسے خواب دیکھ رہی ہے۔

"عمر......" اس کے لب ہلے اور اس نے لاشعوری طور پر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جیسے وہ اس کے موجود ہونے کا یقین چاہتی ہو۔

ازکیٰ کی موجودگی میں عمر ہاشم حمدہ کی اس حرکت پر خجل سا ہو گیا تھا تاہم ازکیٰ سے نظر چراتے اس نے حمدہ کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام ضرور لیا تھا۔

"میں جب بھی ڈوبنے لگوں گی آپ مجھے ہر بار بچا لیں گے نا؟" عمر کو لگا وہ ابھی تک نیم غنودگی کی کیفیت میں ہے۔ اوپر سے اس کے الفاظ...... عمر کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے وہ حواس میں قطعی نہیں لگ رہی تھی۔

"خدانخواستہ...... یہ حادثہ تھا اور ایسے ناخوشگوار حادثے بار بار ہونا کوئی پسند نہیں کرتا...... آپ بتائیں ٹھیک ہیں۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ کیا فیل کر رہی ہیں......؟" عمر نے بھی ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے حقیقت کا احساس دلاتے کہا تو وہ چونکی۔

یوں لگا وہ ایکدم خواب سے بیدار ہوئی ہے۔ عمر کے ہاتھ کے لمس نے گویا اس کے وجود میں ہی نہ صرف برقی رو دوڑا دی تھی بلکہ اس کے سوئے حواسوں کو بھی جگا دیا تھا۔ اس نے ایکدم اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

ازکیٰ اس سارے وقت محض خاموش تماشائی تھی مگر ایک پل میں بہت کچھ محسوس کر گئی تھی۔ خصوصاً عمر ہاشم کی آنکھوں کا تاثر۔

"عمر صاحب تشریف رکھیے۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔" وہ اب مزید رکے بغیر تیزی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ حمدہ کا خفت و شرمندگی سے برا حال تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں کیسا فیل کر رہی ہیں اب آپ؟" عمر بڑے ریلیکس موڈ میں کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے پوچھ رہا تھا۔

"جی بہتر ہوں۔"

"ہو سکتا ہے میں آج گاؤں چلا جاؤں...... صبح صبح ماریہ باجی کی کال آ گئی تھی دو دن سے ماں جی کی طبیعت خراب ہے انہیں سخت بخار ہے۔ ماریہ باجی رات سے گاؤں آئی ہوئی ہیں۔ ماں جی کی طرف سے مجھے خاصی تشویش ہو رہی ہے۔ اگر آپ چاچی کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں تو......؟" حمدہ نے عمر کو دیکھا وہ متوجہ تھا وہ نگاہیں جھکا گئی۔

"میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔ کل والے واقعے کے بعد مجھے اماں بہت یاد آ رہی ہیں۔ میں اب مزید یہاں نہیں رک سکتی۔ یہ اجنبی لوگ، آپ بھی چلے گئے تو میں کیسے رہوں گی ادھر......" وہ اس کے چلے جانے کا سن کر ایکدم خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"میرا جانا تو مجبوری ہے۔" عمر نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔ "یہ لوگ اچھے اور ملنسار ہیں۔ میں ان کو اچھی طرح پرکھ چکا ہوں۔ یہاں چند دن رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں واپس جا کر چاچی کو یہاں کے حالات کا تفصیل سے بتاؤں گا تو وہ مطمئن ہو کر خود بھی آ جائیں گی۔" عمر کے تسلی دینے پر وہ خاموش ہو گئی تھی یوں جیسے وہ عمر سے بحث کرنے سے احتراز برت رہی ہو۔

"حمدہ......! ایک سوال کا جواب دیں گی......؟" دونوں کے درمیان چند پل بالکل خاموشی رہی تھی۔ عمر کے الفاظ پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

"جی......؟"

"باقر علی کے علاوہ کسی اور کا نام آپ کے سامنے رکھا جائے تو کیا قبول کر لیں گی؟" بہت نپے تلے اور سنجیدہ الفاظ میں پوچھ رہا تھا۔ حمدہ نے الجھ کر اسے دیکھا پھر جب سمجھی تو لہجے میں تلخی اتر آئی۔

"جس لڑکی کی بارات آ کر بغیر شادی کے واپس لوٹ جائے اس لڑکی کی پھر اپنی کوئی مرضی نہیں رہتی۔ میں یہاں کیوں ہوں، آپ بے خبر تو نہیں......؟" وہ بولی تو لہجہ خاصا تلخ تھا۔

"ہر بار تو ایسا نہیں ہوتا بلکہ......" عمر نے مزید کچھ کہنا چاہا تو حمدہ نے تیزی سے بات کاٹ دی۔

"جب تک باقر علی زندہ ہے تب تک تو ایسا ہی ہوا ہے اور ہوتا رہے گا، عثمان جیسا شخص تو صرف مجھ سے شادی کرنے کے جرم میں یرغمال بنایا گیا تھا مگر ایسے بہت سے لوگ خاندان میں اور باہر کے لوگ ہیں جنہیں ہمارے گھر پہنچنے سے پہلے ہی ہراساں کر دیا جاتا رہا ہے آپ باقر علی کو نہیں جانتے، وہ کس قماش کا شخص ہے، آپ نہیں جانتے...... اور مجھ جیسی لڑکی سے شادی شاید کوئی پاگل شخص ہی کرنے کی ہامی بھرے تو بھرے......" وہ تلخی سے کہتی اپنا ہی مذاق اڑا رہی تھی۔ اس کی آواز میں خود اذیتی اور نمی کا احساس بس گیا تو عمر کو دکھ ہوا۔

"اگر وہ پاگل شخص عمر ہاشم ہو تو......؟" بہت سنجیدگی سے کہتے عمر نے حمدہ کا چہرہ بھی دیکھا، پہلے تو وہ بات سمجھی ہی نہیں اور پھر جب بات سمجھی تو ایک دم بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایکدم بدلا تھا۔

"جی...... ای؟" وہ عمر کی نگاہوں کے تاثر سے ضرور الجھی تھی مگر عمر اس حد تک سنجیدہ ہو سکتا ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عمر ہاشم اسے پرپوز کرے گا۔

"یہ کیسا مذاق ہے......؟" وہ خاصی ناگواری سے بولی تھی۔

"یہ مذاق نہیں میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ پتا نہیں آپ اس بات پر یقین کریں گی یا نہیں مگر یہ سچ ہے آپ سے میں love in first sight والے معاملے کا شکار ہوا ہوں۔ میں نے ایک خاصی پریکٹیکل زندگی گزاری ہے مگر آپ کے معاملات میں اپنے جذبات کو میں نے اپنے اختیارات سے باہر محسوس کیا ہے۔ میں محض لفاظی نہیں کر رہا، حمدہ رئیلی میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔ آئی وانٹ ٹو میری یو......" وہ سنجیدہ تھا۔

حمدہ بے یقین نگاہوں سے عمر ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کل والی حالت میں دیکھ کر میں نے رات میں ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے آج واپس جانا ہے۔ میں چاچی، ماں جی اور ماریہ باجی وغیرہ کو لے کر آؤں گا۔ مجھے آپ سے شادی کرنی ہے۔" اب کے بڑا اٹل اور فیصلہ کن انداز تھا۔

حمدہ حیرت سے منہ کھولے عمر ہاشم کے اٹل فیصلہ کن انداز کو دیکھ رہی تھی۔

"میں محض لفاظی نہیں کر رہا، یہ وعدہ سمجھ لیں یا کچھ بھی...... باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں...... میں محض اس لیے خاموش ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے کردار پر کوئی انگلی اٹھائے...... میں آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔" حمدہ نے لب بھینچ لیے۔

"یہ ناممکن ہے...... میرے اور آپ کے درمیان......؟" اس نے کچھ اور بھی کہنا چاہا تھا کہ عمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"فیصلہ کرنے کی قطعی جلدی مت کریں۔ جب تک چاچی نہیں آ جاتیں اس بارے میں سوچنے میں کوئی حرج نہیں...... اور ایک بات طے ہے اگر چاچی مختار نے ہاں کہہ دی تو آپ کے انکار کو میں نہیں مانوں گا۔ آپ یہاں اسی لیے بھیجی گئی ہیں کہ یہ لوگ کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر بات طے کر دیں اور چاچی آ کر اس کو اوکے کر کے شادی کر دیں گی اور آپ کو کیا فرق پڑتا ہے وہ کوئی بھی شخص ہو۔"

"آپ میں اور کسی بھی ایکس وائے زیڈ میں بہت فرق ہے۔" حمدہ نے خاصا غصے سے کہا تو عمر مسکرا دیا۔ اسے حمدہ کے اس طرح کے ری ایکشن کی توقع تھی۔

"مثلاً......"

"آپ اور میرے درمیان......" ابھی اس نے کہنا ہی شروع کیا تھا کہ ازکیٰ دروازے پر دستک دیتی اندر چلی آئی تھی۔

"امید ہے میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا......" وہ پوچھ رہی تھی حمدہ بس لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

"میں چلتا ہوں حمدہ...... میں ناشتہ کرتے ہی گاؤں

کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ اپنا موبائل آن ہی رکھیے گا' رابطہ کرتا رہوں گا۔" ازکیٰ کے آنے کی وجہ سے جو بات ادھوری رہ گئی تھی اس کو اسی طرح چھوڑ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ اپنے گاؤں واپس جا رہے ہیں......؟" ازکیٰ نے فوراً اندازہ لگایا تو عمر نے سر ہلا دیا۔

"جی......"

"چند دن اور رکتے۔" اس نے مہمان نوازی نبھائی۔

"نہیں' ادھر حویلی میں ماں جی بیمار ہیں...... ماریہ باجی کی کالز آ رہی ہیں۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک بہت ضروری کام ہے۔" جواب دیتے اس نے حمدہ کو بھی دیکھا وہ سر جھکا گئی۔

"او کے جی...... چلتا ہوں اب...... حمدہ! اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ میں جلد ہی آنے کی کوشش کروں گا۔ او کے اللہ حافظ۔"

وہ خصوصاً حمدہ سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا اور حمدہ ایکدم بڑے نڈھال سے انداز میں دوبارہ بستر پر گر گئی تھی۔

......☆☆☆......

عمر کو رستے میں ہی ماریہ باجی نے کال کر کے اطلاع کر دی تھی کہ ماں جی کی طبیعت خراب ہونے پر وہ اور ذوالفقار بھائی ان کو شہر کلینک میں لے آئے تھے۔ ماں جی ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اکثر ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا تھا' عموماً اکثر ایسا پریشانی کی حالت میں ہوتا تھا' عمر سیدھا کلینک ہی پہنچا تھا۔ شام تک اماں کی طبیعت سنبھلی تو ماریہ باجی ان کو اپنی طرف لے آئی تھیں۔ رات انہوں نے ادھر ہی گزاری تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر ماریہ باجی ذوالفقار اور عمر تینوں ہی تھے۔ ماں جی اپنے کمرے میں تھیں۔

"ماں جی کا بی پی اچانک کیسے شوٹ کر گیا...... خیریت تھی نا......؟" ناشتہ کرتے ماریہ باجی کو دیکھا۔

"بس گاؤں میں دونوں ماموؤں نے حویلی آ کر بہت باتیں کی تھیں۔ وہی زویا والے رشتے کا مسئلہ......؟ ماں جی نے مجھے زیادہ تو کچھ نہیں بتایا پرسوں صبح مختار چاچی نے کال کی اور ذکر کیا پھر شام تک ماں جی کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی میں ذوالفقار کو لے کر فوراً پہنچی' اگلی صبح تمہیں فون کرنے کے بعد ان کو لے کر شہر آ گئی تھی۔ کل سارا دن وہ کلینک میں ذوالفقار کی نگہداشت میں رہی ہیں تو کچھ طبیعت سنبھلی ہے۔" عمر کے لیے اپنے ماموؤں کے رویے خاصے تکلیف دہ تھے۔ بہت تعجب سے وہ ماریہ باجی کی باتیں سن رہا تھا۔

"مگر کیوں......؟ رشتہ کرنا یا نہ کرنا ہماری اپنی صوابدید پر ہے۔ رشتے سے انکار بڑے ماموں کی بیٹی کے لیے ہوا ہے' باقی دونوں کو کیا ہوا ہے؟"

"یہی تو مسئلے ہیں کہ منجھلے ماموں نہ تین میں نہ تیرہ میں' بس خاموش ہیں چونکہ بڑے ماموں کی بیٹی ہے اور چھوٹے ماموں کی بیگم کی بھانجی اور ہماری دونوں ممانیوں میں بڑا ایکا ہے اور ان کے زعم کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ باقر علی کی غنڈہ گردیوں کو بہادری اور مردانگی کے زمرے میں شمار کرتی ہیں۔ اور ہمارے ماموں صاحبان بیویوں کی عقل سے فیصلے کرنے والے انسان ہیں انہیں یہ تھا کہ تم باہر سے پڑھ کر آئے ہو' نانا مرحوم اور پھر اپنے ہمارے والد کی طرف سے جو تھوڑی بہت زمین ہمیں ملی ہوئی ہے اس کو بنیاد بنا کر تمہیں وہ بہلا پھسلا کر کاروبار کرنے کی آفر کریں گے اور جب زمین داری کا معاملہ ختم ہو جائے گا تو بیٹی کا رشتہ دے کر تمہیں اپنے ماتحت کرنے کی کوشش کریں گے۔ جبکہ اب ایسا نہیں ہوا تو انہوں نے ماں جی کو بہت کچھ سنایا ہے۔" ماریہ باجی تو بھری بیٹھی تھیں۔ عمر منظر سے غائب رہنے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے یکسر بے خبر رہا تھا اس کے لیے اپنے ماموؤں کی یہ اندرونی چپقلش خاصی حیران کن تھی۔

"ماں جی نے اسی بات کی سخت ٹینشن لی ہے کہ انہوں نے ساری عمر اپنے بھائیوں کے آسرے پر گاؤں میں زندگی گزار دی۔ تمہاری جدائی میں ورنہ جس طرح شروع سے ہی ماموں سرفراز ماں جی کو اپنے ساتھ امریکہ لے جانے کی کوششوں میں سرگرداں رہے تھے اب ہم وہاں ہوتے تو اچھے خاصے سیٹل ہو چکے ہوتے۔ تم ماموں کے

ساتھ مل کر اپنا کاروبار کررہے ہوتے۔ مگر ماں جی کو یہ تھا کہ یہ اپنا وطن ہے باپ دادا کی جگہ ہے مرحوم نانا جی کو ماں جی تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ نانا جی نے اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی اور چاروں بیٹوں کو حصے دے کر فارغ کردیا تھا۔ ماموں سرفراز باہر چلے گئے باقی تینوں نے مل کر کاروبار شروع کرلیا۔ بڑے ماموں کچھ زیادہ لمبے ہاتھ مارنے کے چکر میں رہے ہیں ہمیشہ سے انہوں نے حمدہ کے والد چاچا طفیل کو یوں ہاتھوں میں لیا کہ ان سے نہر کے اس طرف اور پولٹری فارم والی ساری زمین اونے پونے داموں میں خرید لی۔ آج وہاں ان کا فش فارم اور پولٹری فارم کروڑوں کا بزنس کررہا ہے اور جو اصل حقدار ہیں وہ رل رہے ہیں ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔'' عمر اس سلسلے میں خاموش رہا ذوالفقار بھائی بھی خاموش تھے۔

''اب کیا ہوگا' ماں جی گاؤں جائیں گی یا پھر ادھر ہی رہنا ہے؟'' عمر نے پوچھا۔

''نہیں گاؤں ہی جائیں گی...... ہم نے جائز الفاظ میں رشتہ لینے سے انکار کیا ہے...... کسی کے گھر میں ڈاکہ نہیں ڈالا کہ چھپ کر بیٹھیں۔ ماں جی کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ جیسا تم مناسب سمجھو کرلو وہ تو وہاں تنہا تھیں تو مختار چاچی نے فون کرکے مجھے بلوالیا۔ دو تین دن سے تم سے بات ہورہی تھی تم نے بھی ذکر نہیں کیا کہ تم مری گئے ہوئے ہو۔ وہ تو گاؤں پہنچ کر علم ہوا کہ تم تین چار دن سے مری گئے ہوئے ہو۔'' عمر نے چونک کر ماریہ باجی اور ذوالفقار بھائی کو دیکھا وہ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے بے خبر تھے اس کا مطلب تھا کہ ماں جی اور چاچی نے ماریہ باجی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ مری نہیں سرگودھا میں تھا۔

''مختار چاچی کیسی ہیں......؟''

''بظاہر تو ٹھیک ہیں۔ مجھے ماں جی کی پریشانی لگی رہی مگر وہاں کے حالات کچھ ٹھیک نہیں لگے...... اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ حمدہ کہیں غائب ہے۔ چاچی مختار کہتی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس گئی ہوئی ہے دو تین دن سے مگر باقر علی نے سارے گاؤں میں کچھ اور ہی مشہور کروادیا۔ پھر ماں جی کی طبیعت پریشانی لگ گئی تو مجھے خود سے چاچی یا پھر ماں جی سے خصوصی طور پر پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔''

''اوہ......'' عمر کے لیے یہ نئی صورت حال تھی' ماں جی نے فون پر ان حالات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اور چاچی مختار اس وقت کہاں ہیں؟''

''ہماری حویلی ہی میں ہیں۔ اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ دو دن پہلے رات اندھیرے باقر علی چند مردوں اور ایک دو عورتوں کو لے کر چاچی مختار کے گھر میں زبردستی گھس گیا تھا' نجانے اسے کیسے شک ہوگیا تھا کہ حمدہ گاؤں میں نہیں ہے اور پھر اس نے سارے گھر کی تلاشی لی' تلاشی سے پہلے چاچی باقر علی کے سامنے ہی کہتی رہیں کہ حمدہ گھر پر ہی ہے' مگر بعد میں کہنے لگیں وہ نگہت کے ہاں چلی گئی ہے۔ باقر علی کو شک ہوگیا ہے کہ اس بار چاچی نے حمدہ کو کہیں روپوش کردیا ہے تاکہ اگلے ماہ شادی نہ ہوسکے۔ اس نے گھر کا سامان توڑ ڈالا' اچھا خاصا شور شرابہ کیا گاؤں کے لوگ اٹھ کر فوراً موقع پر پہنچے تو سب کے سامنے اس نے واضح الفاظ میں چاچی کو دھمکی دی کہ اگر چند دن میں حمدہ گھر نہ پہنچی تو وہ نگہت کے سسرال میں دھاوا بول دے گا۔ ماں جی چاچی کو حویلی لے آئی ہیں۔ اماں زلیخا تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ ہماری دونوں ممانیاں اپنے تئیں چند رشتہ دار عورتوں کے ذریعے پتہ کرواچکی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس نہیں ہے۔ اب وہ کہاں ہے؟ یہ تو چاچی مختار بتاسکتی ہیں۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ذوالفقار بھائی ناشتہ ختم کرکے چلے گئے تھے۔

''حمدہ نگہت کے پاس واقعی نہیں وہ سرگودھا میں ہے۔'' عمر نے بڑے پرسکون انداز میں بتایا تو ماریہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

''کیا کہہ رہے ہو...... واقعی...... مگر تمہیں کس نے بتایا ہے؟''

''میں مری نہیں سرگودھا گیا ہوا تھا۔ میں ہی ماں جی اور چاچی مختار کے کہنے پر حمدہ کو وہاں چھوڑ کر آیا ہوں۔'' عمر نے مزید انکشاف کیا۔

''کیا قصہ ہے...... سرگودھا میں چاچی مختار کا کون ہے...... تم کس کے پاس حمدہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟'' ماریہ باجی کا تشویش سے برا حال ہوا۔

عمر نے تمام صورت حال سے آگاہ کرکے تمام تفصیلات بتاڈالیں۔

''تمہیں یقین ہے کہ چاچی کے اتنے عرصے بعد ملنے والی اس خالہ کی فیملی بھروسے لائق ہے۔ اسے وہاں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا نا۔'' تمام صورتحال جاننے کے بعد اک نئی فکر لاحق ہوئی۔

''مجھے انسانوں کی بے شک بہت پہچان نہیں مگر جتنی بھی زندگی گزاری ہے اس کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ حمدہ کے معاملے میں قابل بھروسہ ہیں۔''

''دیکھو ماں جی نے بھی مجھے کچھ نہ بتایا میں اب تک یہی سمجھتی رہی ہوں کہ تم مری سیر کے لیے گئے ہوئے ہو۔'' عمر آہستگی سے مسکرادیا۔

''مجھے حمدہ والے سلسلے میں ہی آپ سے ایک اور بہت ہی اہم بات کرنی ہے۔ ماں جی سے تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے آپ سے ذکر کرلوں تو بہتر ہے۔''

''کوئی خاص بات ہے؟'' وہ فوراً متفکر ہوئیں۔

''جی۔''

''حمدہ کو وہاں کس لیے بھیجا گیا ہے آپ کو تفصیل بتا تو دی ہے میں نے......'' ماریہ نے سر ہلادیا۔

''وہ لوگ میری توقع کے برعکس کافی اچھے رہے ہیں۔ اسی لیے میں مطمئن ہوکر واپس آیا ہوں۔ ہوسکتا ہے ادھر کے بگڑے حالات کو دیکھتے چاچی مختار حمدہ کی شادی کرنے کا ارادہ کرلیں' ویسے بھی انکل افتخار نے مجھے یقین دلایا تھا کہ حمدہ اب ان کی ذمہ داری ہے' ہم لوگ بے فکر رہیں' وہ چند ایک جاننے والوں سے رشتے کا ذکر کرتے ہیں شاید کہیں اچھی جگہ بات بن جائے۔''

''ارے یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔'' ماریہ باجی خوش ہوئیں تو عمر نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''میں اسی سلسلے میں آیا ہوں...... میں حمدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''عمر......'' عمر کے انکشاف پر ماریہ باجی کافی دیر تک مہر بلب رہی تھیں۔

''کیا میں نے بہت ناجائز بات کہہ دی ہے؟'' ماریہ کی خاموشی پر عمر نے کریدا۔

''نہیں...... مجھے یقین نہیں آرہا...... تم نے ہمیشہ سے ایک مختلف زندگی گزاری ہے' میں سوچ رہی ہوں کہ تم نے یہ فیصلہ کیونکر کیا......؟ میں مانتی ہوں حمدہ بہت زیادہ خوبصورت ہے مگر شادی کرنے کے لیے خوبصورتی مین وجہ تو نہیں بن سکتی۔ پھر جس طرح حمدہ کے حالات رہے ہیں اور باقر علی والی صورتحال ہی دیکھ لو' ایسے میں تمہارا یہ فیصلہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح کا ری ایکٹ کروں۔ کیا تم واقعی سیریس ہو یا محض مذاق کررہے ہو یا حمدہ کے ساتھ وقتی ہمدردی کے جذبات رکھتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے......؟'' عمر نے ایک گہری سانس لی۔

''میں نے بیشک ہمیشہ سے ایک بہت مختلف زندگی گزاری ہے مگر میں اپنا اصل کبھی نہیں بھولا۔ ماموں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہوئے بھی میں نے نہ یہاں کے حالات کبھی فراموش کیے اور نہ ہی یہاں کے طور طریقے۔ حمدہ بے شک بہت خوبصورت ہے اور اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کررہا' میں واقعی سیریس ہوں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ میں مذاق کروں۔ آئی تھنک آئی فال ان لو ودھ ہر۔''

''کیا......؟'' ماریہ باجی حیرت سے اپنے خوبرو بھائی

اعتذار

بہن سمیرا شریف طور ناسازی طبیعت کی وجہ سے اس بار ''ٹوٹا ہوا تارا'' لکھ نا سکیں ہے۔ اس لیے اس ماہ اُن کا ناول شامل اشاعت نہیں ہے اور آپ سب سے ان کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ یہ ناول پڑھ سکیں گی۔

کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماریہ باجی کیا آپ لو ان فرسٹ سائٹ (پہلی نگاہ کی محبت) پر یقین کرتی ہیں؟" ماریہ خاموش رہی تو عمر نے مسکرا کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"آپ کو شاید یاد ہو میں نے حمدہ کو دیکھتے ہی کہا تھا کہ یہ خاصی خوبصورت لڑکی ہے وہ میری پہلی نگاہ تھی اس نگاہ میں میں نے محض حمدہ کی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی اس کے کردار کا وہ پہلو دیکھا تھا جو اس کی ذات کے رکھ رکھاؤ اور وقار پر مشتمل تھا' براؤن چادر اپنے اطراف میں لپیٹے وہ سب میں ایک دم نمایاں اور باوقار تھی۔ اس کی خوبصورتی' اس کے اطوار اس کا ماں جی کے پاس دھیمے اور سلجھے ہوئے انداز میں بیٹھ جانا' ماریہ باجی یہی وہ پہلی نگاہ تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا اور اس کے بعد جب بھی حمدہ کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا یوں لگا کوئی ان دیکھی کشش مجھے اس کی طرف کھینچ رہی ہے۔" ماریہ حیران و ششدر اپنے بھائی کا دیوانہ پن دیکھ رہی تھی۔

"باجی! وہ ایک اشارہ کرے تو میں اس کے لیے آگ میں کودنے کو تیار ہوں ہے تو یہ غیر عقلمندی والی بات مگر باقر علی سے دشمنی مول لینا ایسا ہی ہے اور میں حمدہ کی خاطر سب جھیلنے کو تیار ہوں۔ میں حمدہ کو مکمل عزت مان اور محبت بھری رفاقت دینا چاہتا ہوں' بولیں باجی! کیا میں غلط ہوں؟" ماریہ نے ایک گہرا طویل سانس لیا۔

"حمدہ ایک بہت اچھی سلجھی ہوئی ایجوکیٹڈ لڑکی ہے۔ چاچی نے اس کی تربیت بڑے ناز و نعم میں کی ہے مگر حالات و واقعات نے بیچاری کو ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔ مجھے حمدہ اور چاچی سے دلی لگاؤ ہے میری دلی خواہش تھی کہ حمدہ کی جہاں بھی شادی ہو وہاں وہ پوری عزت اور مان کے ساتھ سر اٹھا کر جیے۔ اسے زندگی کی تمام خوشیاں ملیں' ہمارے ماموؤں اور ان کے سالے صاحب کی طرف سے جو بھی زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے' مجھے خوشی ہو رہی ہے مگر اچھی طرح سوچ لو کہ کہیں تمہیں بعد میں اس فیصلے پر پچھتانا نہ پڑ جائے۔ کیونکہ حمدہ سے شادی کی صورت میں سب سے پہلے ہمارے اپنے ماموں ہی تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے۔"

"میں ہینڈل کرلوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ بس آپ اتنی فیور کردیں کہ ماں جی اور چاچی سے ساری بات کرلیں...... حمدہ وہاں تنہا ہے' میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ممکن ہو یہ معاملہ نبٹ جائے' ایک دفعہ حمدہ کے ساتھ میرا نام جڑ گیا تو پھر بعد میں باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں۔" عمر کا لہجہ ہمیشہ سے زیادہ مضبوط اور اٹل تھا ماریہ باجی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

......☆☆☆......

ماریہ باجی نے ماں جی اور چاچی سے بات کی تھی' چاچی مختار کی شادی پر مرگ والی کیفیت تھی۔ اگلے تین چار دن میں اس معاملے کو کیسے نبٹایا جائے بس اسی سلسلے میں گفت و شنید ہوتی رہی تھی۔ ماں جی نے امریکہ ماموں سرفراز سے بات کرکے باقاعدہ صلاح مشورے کے بعد ہی یہ طے کیا کہ یہاں سے یہ سب لوگ بالکل خاموشی سے سرگودھا جائیں گے اور وہاں سے نکاح کے بعد واپس آجائیں گے بعد میں باقر علی کو علم ہو بھی گیا تو معاملے کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اگر صلح صفائی سے باقر علی مان گیا تو ٹھیک ورنہ پھر افتخار صاحب خود ہی کوئی لائحہ عمل ترتیب دے لیں گے۔ اس ساری منصوبہ بندی کے دوران سبھی نے رازداری کا مکمل طور پر خیال رکھا' ماں جی شہر میں ہی تھیں۔ مختار چاچی کو بھی شہر بلوالیا گیا تھا۔ ماں جی کو حویلی سے کچھ ضروری اشیاء درکار تھیں جو کہ انہوں نے عمر کی دلہن کے لیے زیورات اور لباس وغیرہ کی صورت تیار کروا رکھی تھیں وہ بھی ماریہ باجی ذوالفقار بھائی کے ساتھ جاکر ساتھ میں چاچی مختار کو بھی لے آئی تھیں۔ مختار چاچی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور دامادوں سے اس رشتے کے متعلق ذکر کیا تھا اور پھر سارا لائحہ عمل طے کرنے کے بعد ان لوگوں نے سرگودھا اطلاع کردی تھی۔

حمدہ کے لیے ابھی تک عمر کی پسندیدگی والا انکشاف ہی خاصا حیران کن تھا اوپر سے ایکدم یہ نئی صورتحال عمر نے

جانے کے بعد اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ایک کال تک بھی نہیں کی تھی۔ گاؤں میں ہونے والی تمام صورتحال اسے پتا چل گئی تھیں مگر بعد میں ہونے والی منصوبہ بندی سے وہ بے خبر ہی تھی کہ رات کو ازکی نے آکر اسے یہ اطلاع دی تھی کہ گاؤں سے یہ سب لوگ آج یہاں سرگودھا پہنچنے والے ہیں عمر کے لیے اس کا پروپوزل اماں نے قبول کرلیا ہے اور اسی سلسلے میں آج نکاح کی رسم ادا کی جائے گی۔ وہ ساری رات پریشان رہی تھی۔

وہ بار بار اماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر ادھر سے کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ بس اماں نے ایک بار ہی کال کرکے کہہ دیا کہ وہ وہاں آکر اسے ساری صورت حال سمجھا دیں گی۔ یہ لوگ دوپہر کو یہاں پہنچے تھے۔ ان لوگوں کے ہمراہ حمدہ کی دونوں بہنیں اور ان کے شوہر بھی تھے' اماں' ماریہ باجی ان کے شوہر بی بی کے علاوہ چند اور جاننے والے بھی تھے جن میں ایک دو گاؤں کے معتبر بزرگ تھے۔ یہ سب بی بی کے حامی تھے۔ یقیناً عمر لوگوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ ماں جی خاصی پرسکون تھیں جبکہ ماریہ اور حمدہ کی دونوں بہنیں خاصی خوش لگ رہی تھیں۔ نکاح کی تقریب شام کے وقت تھی اور اس وقت وہ اماں کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی اس ساری صورت حال پر الجھ رہی تھی۔

"اماں یہ بھلا کہاں ممکن ہے......؟ ہمارا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں...... کہاں وہ لوگ اور کہاں ہم؟ اماں یہ سب طے کرنے سے پہلے مجھے کچھ تو بتایا ہوتا؟"

"ٹھیک کہا تم نے...... مگر میں ماں ہوں تمہارے لیے مجھے کسی ایسے ہی خاندان کی تلاش تھی' بی بی سے میری آج کی رشتہ داری نہیں کہ میں انکار کردیتی۔ وہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے یہ سب کررہے ہیں۔ ہم تم اور وہ ایک ہی خاندان کا حصہ ہیں۔ رشتہ داری ہے ہماری آپس میں' اگر تمہارے باپ کی یہ حرکتیں نہ ہوتیں تو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا تھا' زمین' جائیداد' حویلی' دولت' کوئی کمی نہ تھی اور عمر لاکھوں میں بہتر ہے تم اپنے دل سے یہ خیال نکال دو یہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے تمہیں اپنا رہے ہیں۔" اماں نے اس کو سمجھانا چاہا۔

"وہ سب ٹھیک ہے مگر جب ہمارے پاس سب کچھ تھا تب ہماری حیثیت بھی اور تھی' اماں یہ باقر علی کے نام کی شہرت مجھے جیتے جی مار ڈالنے کو کافی ہے۔ باقر علی کا حوالہ سن کر لوگ میرا نام نہیں لیتے اور یہ لوگ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' جب گاؤں میں پتا چلے گا تو بہت ہنگامہ ہوگا۔" وہ انتہائی پریشان تھی۔

"تم دل سے سب واہموں کو نکال کر پرسکون ہو جاؤ۔ جب تک تمہاری ماں زندہ ہے وہ کسی کو بھی تمہاری طرف میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھنے دے گی۔ یہ سب کچھ تمہاری بہتری اور بھلائی کے لیے ہی کررہی ہوں۔ پھر افتخار نے بھی تسلی دی ہے کہ اگر ایک دفعہ نکاح ہو گیا تو ہماری قانونی حیثیت مستحکم ہو جائے گی تب باقر علی نے اگر کوئی اوچھی حرکت کی بھی تو ہم اس قابل ہوسکیں گے کہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرسکیں۔" اماں بہت پرامید تھیں وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ماریہ باجی اور نگہت وغیرہ کے آجانے سے بات ٹل گئی تھی۔

"ہم تمہارے لیے شہر سے آتے ہوئے یہ سب لے کر آئے ہیں۔" نگہت باجی نے ایک خاصا بھاری خوبصورت کام والا جوڑا اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ سوٹ کافی پیارا تھا حمدہ کی نگاہیں ایک پل کو سوٹ پر جم سی گئی تھیں۔

"میں نے اور نگہت نے آتے ہوئے عمر کو ساتھ لے کر یہ سوٹ خریدا تھا پیارا ہے نا؟" ماریہ اس کی توجہ محسوس کرکے ایکدم خوش ہو کر پوچھ رہی تھی۔ حمدہ محض سر ہلا گئی۔

یہ سب کچھ اس قدر عجلت اور افراتفری میں ہو رہا تھا کہ حمدہ کو اپنے احساسات کی خود بھی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی' خصوصاً عمر ہاشم جیسے اعلیٰ اور مکمل شخصیت رکھنے والے انسان کا تصور ہی مقابل کو شکست تسلیم کردینے پر مائل کرسکتا تھا۔

شام تک ماریہ باجی نگہت اور ازکی نے مل کر اسے مکمل طور پر دلہن کے روپ میں سجا دیا تھا۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے وقت وہ شدت سے رو دی تو سبھی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

حمدہ نکاح کے کچھ دیر بعد ہی اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ ماریہ نے روایتی نندوں کی طرح حمدہ سے چھیڑ چھاڑ تو نہیں کی تھی تاہم وہ آتے جاتے جن نظروں سے دیکھ رہی تھیں حمدہ مسلسل پزل ہو رہی تھی۔

"تم بیٹھو تمہارے لیے کھانے پینے کو کچھ لاتی ہوں۔" اسے بٹھا کر ازکی باہر نکل گئی تو وہ گم صم سی بیٹھی اس ساری صورت حال پر مسلسل غور کرنے لگی۔ تبھی اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا۔ حمدہ نے چونک کر موبائل کو دیکھا یہ عمر ہاشم کا دیا ہوا موبائل تھا۔ موبائل کی اسکرین پر جگمگانے والا نمبر دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

"عمر کالنگ......" کے حروف واضح تھے۔ اس دن صبح عمر کے واپس جانے کے بعد وہ لاشعوری طور پر اس کی کال کی منتظر رہی تھی مگر کوئی کال نہ آئی تھی مگر اب عمر کا نام دیکھ کر وہ الجھ گئی۔ کچھ دیر قبل نکاح کی رسم ہوئی تھی اور اب یہ کال آ گئی تھی اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے؟ حمدہ نے خاموشی سے موبائل تھام کر کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم......" عمر کہہ رہا تھا' حمدہ کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

نکاح کے بعد اسی شخص سے بات کرنا...... حمدہ کے اندر ایکدم ڈھیروں شرم نے ڈیرہ جمایا۔

"حمدہ؟" وہ پکار رہا تھا' وہ تب بھی خاموش رہی۔ لب شرم و حیا سے ساکت رہ گئے۔

"مجھے پتا ہے آپ سن رہی ہیں...... کیسی ہیں آپ؟ طبیعت ٹھیک ہے؟" عمر کی وہی مخصوص بھاری سحر طراز آواز کانوں میں گونجی تو اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا' وہاں سے ماریہ باجی ازکی کے ہمراہ اندر آ رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے کال کاٹ کر موبائل گود میں رکھ لیا۔

"کیا ہوا...... کس کی کال تھی؟" ماریہ باجی نے اس کا شرم سے سرخ چہرہ دیکھا۔ تبھی موبائل پھر بجنے لگا تھا۔ ماریہ کی طرف سے نظریں چراتے اس نے پھر کال کاٹ دی۔

"کہیں عمر تو کال نہیں کر رہا؟" اس کے سرخ رخسار دیکھتے ماریہ نے تکا مارا تو وہ مزید سرخ پڑ گئی۔ ماریہ باجی کھل کر ہنس دیں۔

"ابھی عمر نے مجھے بھی کال کی تھی۔ باہر کھانا کھایا جا رہا ہے وہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ کیا خیال ہے بلا لوں؟"

"ماریہ باجی پلیز......" انہوں نے محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

"وہ بہت بے چین ہو رہا ہے۔ صرف ایک جھلک دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے کہہ دیا اپنی بیگم سے پوچھ لو اگر وہ ملنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں ملاقات کا انتظام کر دیتی ہوں۔"

"مجھے نہیں ملنا......" ماریہ نے ازکی کو دیکھا وہ معنی خیز انداز میں ہنس دیں۔

"مگر ہم تو ملاقات کروانے کا وعدہ کر بیٹھے ہیں۔" حمدہ کو اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہوتے محسوس ہوئے۔

"یار میرا بھائی اتنا ڈراؤنا نہیں کہ تم یوں خوفزدہ ہو جاؤ۔" ماریہ نے اسے چھیڑا۔

"میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ ابھی میں کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتی۔" حمدہ کی آنکھوں سے ڈھیرے سے آنسو بہہ نکلے۔ ماریہ نے آہستگی سے گلے لگا کر دلاسہ دیا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تو ازکی نے اٹھ کر دیکھا عمر ہاشم کو دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

حمدہ بھی اسے دیکھ کر متوحش ہو گئی۔ ازکی کے رستہ دینے پر وہ اندر آ گیا تھا۔ حمدہ نے فوراً دوپٹے کے زرتار پلو میں اپنا منہ چھپا لیا۔ ماریہ کی ہنسی نکل گئی۔ وہ اسے خود سے جدا کرتے کھڑی ہو گئیں۔ حمدہ خاصی پریشان ہو گئی تھی۔

"ہم باہر ہی ہیں۔ عمر زیادہ پریشان نہیں کرنا۔" حمدہ اور عمر کو ایک ساتھ کہہ کر وہ ازکی کو لیے باہر نکل گئی تھیں۔

عمر نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا تو حمدہ کو اپنا دل بھی بند ہوتا محسوس ہوا۔ دوپٹے کا کنارہ مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر چہرے کے گرد کر لیا۔ کامداری سرخ دوپٹے کی اوٹ میں وہ سر جھکائے عمر ہاشم کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

کئی دن ہو گئے تھے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا' اس کی آواز نہیں سنی تھی وہ پچھلے دنوں اتنا بزی رہا تھا کہ کال

کرنے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔ وہ جاتے ہوئے اسے کہہ کر بھی گیا تھا کہ وہ موبائل آن رکھے وہ کال کرے گا مگر پھر نہ کر پایا اور اب جب سے وہ ادھر تھا نجانے کیسے خود کو روک رکھا تھا' ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کو دیکھنے پہنچ جائے اور اب جب کہ اس کے جملہ حقوق عمر ہاشم کے نام محفوظ ہو چکے تھے وہ اس کے وجود پر مکمل ملکیت کا حق رکھتا تھا تو تبھی اس سے ملنے سے پہلے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

"السلام علیکم......" وہ اس کے سامنے آ رکا تو حمدہ ساکت سی سر جھکائے اسی طرح سرخ دوپٹے کی اوٹ میں بیٹھی رہی۔ عمر اس کے سامنے بستر پر ٹکا تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"کیسی ہیں آپ؟" عمر پوچھ رہا تھا حمدہ پر گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی۔ اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے سرکنا چاہا تو عمر نے ایکدم اس کا ہاتھ تھام کر اس کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ حمدہ نے تڑپ کر دیکھا مگر دوپٹے کی اوٹ سے وہ مقابل کے تیور نہ جانچ پائی۔

"میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا بس تھوڑی دیر کے لیے صرف آپ کو دیکھنے آیا ہوں۔" اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے عمر نے مسکرا کر کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے دوپٹے کے کنارے کو تھامے ہاتھ کو پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا حمدہ عمر کی اس جسارت پر بس لحظہ بھر کو دیکھ پائی تھی۔ وہ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے نہایت وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حمدہ کا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا۔

حمدہ نے پلکوں کی جھالر گرا لی تو عمر کے ہاتھوں میں جکڑے اپنے دونوں ہاتھ بھی کھینچ لیے۔ عمر جو اس قدر شدت سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ کھینچنے پر چونک گیا۔ حمدہ حسین تھی مگر اس وقت دلہناپے کی تمام تر سج دھج لیے وہ اس کی ساری سدھ بدھ کھوئے دے رہی تھی۔

"حمدہ...... آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" حمدہ جو اس کی نظروں سے پہلے ہی خائف ہو رہی تھی اب ایکدم سٹپٹائی۔ اس قدر والہانہ پن اس قدر بے ساختگی؟

"آپ خوش ہیں نا؟" وہ پوچھ رہا تھا' وہ بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔

وہ ایک دفعہ پہلے بھی دلہن بنی تھی مگر تب نکاح سے پہلے ہی اس کی سج دھج اجاڑ دی گئی تھی اور آج اس کی زندگی میں یہ دن دوسری بار آیا تھا۔ دوسری بار کسی مرد کے نام پر وہ پور پور سجائی گئی تھی مگر اس وقت وہ اپنی حالت پر خود ہی گھبرا رہی تھی۔ اس کے دل کے اندر خوشی کی بجائے خوف' ڈر اور گھبراہٹ کا عنصر غالب تھا۔ ماضی میں اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو چکا تھا ان لمحوں میں وہ چاہ کر بھی ماضی کو فراموش نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں آپ کی فیلنگ سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کے لیے یہ سب فوراً قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد اس رشتے پر دل سے خوشی محسوس کریں گی۔ میں نے آپ کو پہلی نگاہ میں دیکھنے کے بعد آپ سے محبت کا رشتہ باندھا تھا آج آپ میری زندگی کا حصہ ہیں۔ یقین کریں میں بہت خوش ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا' حمدہ خاموش رہی۔

"آپ کچھ نہیں کہیں گی؟" اس کے ہاتھ کو محبت سے تھام کر وہ کہہ رہا تھا۔

"کیا کہوں؟" حمدہ نے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا وہ ہنس دیا۔

"جو بھی آپ کے دل میں ہے...... اس وقت جو بھی محسوس کر رہی ہیں۔" محبت سے ہاتھ دبا کر اس کو بولنے پر اکسایا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اگر باقر علی کو پتا لگ گیا تو؟" عمر ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

"تو اچھی بات ہے نا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ بہت جلد یہ معاملہ سلجھ جائے۔ باقر علی نے جو بھی اسٹیپ لینا ہے جلد از جلد لے۔ آپ اب میری بیوی ہیں اگر وہ کسی زعم میں آ کر کچھ غلط کرے گا تو اس کا خمیازہ بھی بھگتے گا۔ آپ کی جان کا تحفظ اب میری ذمہ داری ہے اگر مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں تو بس یہی کہوں گا کہ بے فکر ہو کر آنے والی نئی زندگی کے متعلق خوشگوار انداز میں سوچیں۔ ان شاء اللہ میں آپ کو

زندگی کے کسی بھی قدم پر تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" عمر کے الفاظ حمدہ کے اندر ایک یقین بن کر اترے تھے۔ ایک دھیمی سی مسکان اس کے لبوں پر آٹھہری جسے عمر ہاشم نے بھی فوراً محسوس کرلیا اس کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی گویا۔

"آپ کے لیے یہ چھوٹا سا تحفہ لایا تھا۔ اگر قبول کرلیں گی تو عنایت ہوگی۔" عمر ہاشم نے پینٹ کی جیب سے ایک خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا' حمدہ نے ٹپٹا کر عمر اور پھر تحفے کو دیکھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" وہ لینے میں تامل برت رہی تھی۔ عمر نے مسکرا کر خود ہی حمدہ کا ہاتھ تھام کر نہایت آہستگی سے بریسلیٹ پہنا دیا۔

عمر کے ہاتھ میں اس کا نرم و نازک ہاتھ لرز رہا تھا۔ بریسلیٹ پہنا کر عمر نے ایک دو پل حمدہ کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اور پھر جھک کر بہت نرمی سے اس کے ہاتھ کو پرحدت ہونٹوں سے چھوتے ہوئے اس کے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ حمدہ اس سب کے لیے قطعی تیار نہ تھی اچھی خاصی حواس باختہ ہوگئی تھی۔

"آپ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہیں حمدہ...... آپ کی محبت میری رگوں میں خون کی مانند سرائیت کررہی ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں میں کبھی کسی بھی موڑ پر آپ کو تنہا نہیں ہونے دوں گا۔ میری محبت میرے خلوص پر اعتبار کیجیے گا۔" بہت محبت و اپنائیت سے کہتے نہایت استحقاق بھرے انداز میں اس کے چہرے پر اپنا پرحدت لمس چھوڑ کر سب کہہ کر عمر ہاشم چلا گیا تو بھی حمدہ اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

اگلے دن صبح صبح یہ لوگ رخصت ہورہے تھے' پروگرام کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جب تک معاملہ حل نہیں ہوگا حمدہ اور چاچی مختار ادھر ہی رہیں گی باقی لوگ رخصت ہورہے تھے۔ صبح سے عمر کی کئی کالز آرہی تھیں مگر کل نکاح کے بعد عمر سے ہونے والی ملاقات کے بعد حمدہ اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کررہی تھی جیسے ہی ماریہ باجی اور بی بی حمدہ کی بہنیں سب اس سے مل کر اس کے کمرے سے نکلیں عمر کے میسجز آنے شروع ہوگئے تھے۔

"میں آپ کو ایک بار جانے سے پہلے دیکھنا چاہتا ہوں' حمدہ پلیز باہر لان میں آئیں یا پھر میری کال پک کریں۔" حمدہ میسج پڑھ کر مسکرادی۔

حمدہ کو لگا گویا ایک دم زندگی میں سارے غموں کی تلافی ہوگئی ہے۔ سارے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا ہے۔

"میں نہیں آسکتی......" اس نے میسج کردیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں خود اندر آجاتا ہوں۔" فوراً جواب ملا تھا۔ وہ ہنس دی۔

ایک دو پل سوچنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ اماں اور حویلی والے سب کو رخصت کرنے باہر صحن میں آئے ہوئے تھے۔ بی بی خالہ بی سے مل رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آکھڑی ہوئی۔ ماریہ باجی اسے دیکھ کر مسکرادیں اور محبت سے اس کا بازو تھام لیا۔

"اپنا خیال رکھنا اور پریشان نہیں ہونا۔ ہم کوشش کریں گے کہ اب جلد از جلد یہ معاملہ ہینڈل ہوجائے پھر تمہیں بڑی دھوم دھام سے رخصت کروا کر اپنی حویلی لے کر جائیں گے۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھیں وہ جھینپ گئی۔

بی بی نے بھی اسے دوبارہ گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا تو اس کے اندر کا اعتماد کئی گنا بڑھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی چلتے وہ سیڑھیوں تک چلی آئی تھی آگے لان تھا' جہاں گیٹ کے قریب عمر اور ذوالفقار بھائی اپنی اپنی گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔ حمدہ نے بس ایک بار گیٹ کی طرف دیکھا تھا عمر متوجہ تھا اس نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ عمر کی نگاہوں کا وہی مخصوص تاثر اس وقت الجھانے کی بجائے بڑے خوبصورت انداز میں دل دھڑکانے کا سبب بن گیا تھا۔

تبھی موبائل میں میسج ٹون بج اٹھی اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا عمر کا میسج تھا۔

"تھینکس......" وہ سر جھکائے مسکرادی۔ گاڑیاں گیٹ سے نکلیں تو وہ حویلی والوں کے ہمراہ اندر چلی آئی' بظاہر اسے افسردہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ مطمئن تھی اسے یقین تھا کہ جس طرح قسمت نے ایک دم پلٹا کھایا ہے اب وہ دن دور

نہیں ہوگا جب وہ باقر علی کے عفریت سے نجات پالے گی اور ایک پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہوجائے گی۔ اسے اب شدت سے ان لوگوں کے لوٹنے کا انتظار تھا۔

☆☆☆......

حمدہ اور عمر ہاشم کے نکاح میں شامل گواہان میں سے دو گواہ بی بی کے ساتھ ہی گاؤں سے گئے تھے۔ یہ دونوں اشخاص علاقے کے سرکردہ شخصیت کے حامل تھے۔ چاچا رحمت اور ان کے بھائی اشفاق صاحب کو بی بی نے بطور خاص اسی لیے بلوایا تھا کہ نکاح کے دوران ان لوگوں کی شرکت سے معاملہ ان لوگوں کے حق میں رہے گا۔ کیونکہ جب سے باقر علی اور حمدہ والا معاملہ شروع ہوا تھا یہ لوگ ہی ابھی تک معاملے کو سنبھالے ہوئے تھے ورنہ جس طرح باقر علی کی حرکات تھیں کچھ بعید نہ تھا کہ وہ کب کا زور و زبردستی سے حمدہ سے شادی رچا چکا ہوتا۔ حمدہ کی وہ شادی جو ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اس شادی کا دلہا جسے اغوا کرکے باقر علی نے کئی دن اپنی تحویل میں رکھا تھا ان لوگوں کی کوششوں سے ہی دوبارہ وہ باقر علی کی قید سے نکل پایا تھا اور باقر علی ابھی تک محض ڈرا دھمکا کر حمدہ اور اس کی ماں کو حراساں ہی کرتا رہا تھا یہ سب ان لوگوں کی وجہ سے ہی تھا ورنہ حمدہ کا حصول مشکل نہ تھا۔ اب جس طرح نکاح کی تقریب ہوئی تھی بی بی نے ان لوگوں کو ہی ثالث بنا کر گاؤں کے تمام بڑے بڑے زمینداروں کو اس معاملے کو حل کرنے کی دعوت دی تھی۔ چند دن تو خوب معاملہ اچھالا گیا تھا' باقر علی اپنے گاؤں سے اس گاؤں میں روزانہ چکر لگا رہا تھا' اس کی حیثیت ایک زخم کھائے شیر کی سی تھی' وہ روز دھمکیاں بھجوا رہا تھا مگر مقابل بھی عمر ہاشم جیسے لوگ تھے وہاں بی بی کے دونوں بھائی رویا والے رشتے سے انکار پر سخت ناراض تھے مگر چونکہ بی بی ان کی ہمشیرہ تھیں تو وہ باقر علی کی بجائے ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے ورنہ یہ طے تھا کہ اگر وہ باقر علی کی حمایت کریں گے تو ساری برادری ان لوگوں کا بائیکاٹ کردے گی' بی بی جن کا اصل نام بلقیس بیگم تھا' بچپن سے ہی چھوٹے بڑے سبھی نے ان کو بی بی کہنا شروع کردیا تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ نام ان کی پہچان بن گیا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد بی بی نے بھائیوں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنی زمینوں کے معاملات خود سنبھالے تھے۔ وہ براہ راست نگرانی نہ کرتی تھیں مگر مزارعوں کے ذریعے سب حالات پر نگاہ رکھتی تھیں۔ ان کی پورے گاؤں میں ایک مخصوص حیثیت تھی تمام چھوٹے بڑے زمینداران کے فیصلے کو اہمیت دیتے تھے' ایسے میں باقر علی اگر براہ راست حمدہ والے معاملے پر ان سے الجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا سراسر نقصان اس کی اپنی ذات کو ہونا تھا' بہر حال علاقے کے تمام سرکردہ افراد ان کے ہمراہ تھے۔ عمر ہاشم چونکہ عرصہ بعد اپنے علاقے میں آیا تھا تو اس کے لیے یہاں کے بہت سے حالات و واقعات نامانوس تھے چونکہ جوان خون تھا جوشیلا تھا' قوت بازو پر انحصار کرتا تھا۔ وہ باقر علی کی حمدہ کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی بالادستی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھا جبکہ بی بی کی رائے تھی کہ یہ سارا معاملہ گاؤں میں ہی حل ہوجائے تو بہتر ہے کل کلاں کو اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی یا باقر علی نے کوئی کارروائی کی تو سارے گاؤں والے ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوں گے۔ اس موقف پر عمر نے بی بی کی بات مان لی تھی مگر اندرونی طور پر وہ باقر علی سے خاصا خار کھائے ہوئے تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ باقر علی اس کے سامنے آجائے تو وہ اس سے بھڑ بیٹھے۔ مگر بی بی کی وجہ سے خاموش تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ گاؤں کی بیٹھک میں سب کے درمیان تھا۔ باقر علی بھی آیا ہوا تھا اس کے اپنے تینوں ماموں بھی تھے۔ منجھلے ماموں کے علاوہ بڑے اور چھوٹے دونوں ماموؤں نے خاموشی اختیار کررکھی تھی۔ عمر کو ماموؤں کے اس طرز عمل سے بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ بی بی نے اپنی ساری زندگی ان بھائیوں کے ساتھ گزاری تھی' اور یہ بھائی اب اس موقع پر اپنے اپنے مفادات کی وجہ سے پہلو تہی کررہے تھے۔ باقر علی کا طرز عمل خاصا شدت انگیز تھا' وہ بار بار حمدہ کا نام لے کر چاچی مختار پر دھوکہ دہی اور دغا بازی کے الزام عائد کررہا تھا' عمر کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک دم اس کا

گریبان پکڑ کر اس کی ساری اکڑ نکال کر رکھ دے۔ وہ بلیک بیلٹ رہا تھا امریکہ میں رہتے ہوئے دو ہی تو شوق تھے ایک تعلیم پر توجہ دینا اور دوسرا بلیک بیلٹ بننا...... باقر علی جیسے لوگ اس کے ایک ہاتھ کی مار تھے۔ بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتا وہ پنچایت فیصلہ سن کر چلا آیا تھا۔

چونکہ چاچی مختار اور حمدہ منظر سے غائب تھیں حتمی فیصلہ یہی طے پایا تھا کہ یہ دونوں واپس گاؤں آئیں بلکہ نکاح میں موجود تمام گواہان بھی پنچایت میں حاضر ہوں تبھی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔ جبکہ باقر علی معاملے کو غلط رنگ دینے کی کوشش میں تھا اس کی کوشش تھی کہ حمدہ کے کردار کو بنیاد بنا کر عمر ہاشم کے ساتھ نکاح کی رسم کو کوئی اور ہی رنگ دے ڈالے۔ عمر پنچایت سے سخت کبیدہ خاطر ہو کر نکلا تھا۔ حویلی آیا بھی تو خاصا غصے میں تھا۔

''ماں جی! صرف آپ کی وجہ سے میں اس معاملے کو اتنا برداشت کر رہا ہوں ورنہ باقر علی جس طرح حمدہ اور میرے نکاح کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ آپ سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حمدہ بیچاری تو سرے سے بے خبر تھی اس سے شادی کی خواہش صرف اور صرف میری تھی۔ ہم نے صاف اور واضح انداز اپنایا ہے ڈائریکٹ نکاح کیا تھا۔ چاچی مختار حمدہ کی وارث ہیں ان کی ایماء پر یہ نکاح ہوا تھا اب باقر علی کون ہوتا ہے اس معاملے کو اچھالنے والا۔ آپ نے بھی فیصلہ گاؤں والوں کو شامل کر کے معاملے کو مزید الجھا دیا ہے۔ اب ہر کوئی نجانے کس کس رنگ میں اس نکاح کی کارروائی کو لے رہا ہے اوپر سے گاؤں والوں نے چاچی مختار اور حمدہ کی موجودگی کو لازمی قرار دے دیا ہے۔'' بی بی نے جیسے ہی پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے؟ وہ پھٹ پڑا تھا۔

''تم اتنا عرصہ گاؤں سے دور رہے ہو...... تمہارے لیے یہ سب کچھ نیا اور عجیب ہے یہاں گاؤں میں ایسے متنازعہ فیصلے اسی طرح ہوتے ہیں۔ گاؤں والوں کو اس لیے شامل کیا تھا کہ کل کو باقر علی کچھ غلط کرے تو ہمارے پاس گاؤں کے لوگوں کی حمایت ہو۔'' بی بی نے رسان سے بٹھانا چاہا تو اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

''اور وہ باقر علی جان بوجھ کر حمدہ کی غیر موجودگی کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ سب کیا ہے؟ گاؤں والوں نے اس شخص کو خوامخواہ سر پر چڑھا لیا ہے ورنہ ایک ہاتھ کی مار ہیں ایسے لوگ......؟'' بی بی نے بغور عمر ہاشم کا غصہ دیکھا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر پاس بٹھا کر محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''اب کیا طے ہوا ہے؟'' بی بی کے انداز پر عمر نے اپنا غصہ کنٹرول کیا۔

''گاؤں والوں نے نکاح کے تمام گواہان کو پرسوں پنچایت میں حاضر ہونے کو کہا ہے۔ خصوصاً چاچی مختار کی موجودگی ضروری قرار دی گئی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ افتخار صاحب کی موجودگی بھی۔ باقر علی کو شک ہے کہ حمدہ اور چاچی یہیں گاؤں میں ہی ہیں وہ افتخار صاحب کے پاس نہیں بلکہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور یہ نکاح والا سارا معاملہ محض ڈرامہ ہے۔ بلکہ وہ حمدہ کے کردار کے حوالے سے بھی مجھے بنیاد بنا کر اور بھی بکواس کر رہا تھا۔''

''بکواس کرتا ہے تو کرنے دو...... باقر علی خود کس کردار اور قماش کا شخص ہے یہ بھی سارا گاؤں جانتا ہے۔'' بی بی نے اپنے بیٹے کے بگڑے تیوروں کو بغور دیکھا۔

''حمدہ کا کردار اخلاق سب سامنے کی باتیں ہیں۔ گاؤں والے اندھے نہیں جو معاملے کو پرکھ نہ سکیں...... میں نے تو صرف اس لیے گاؤں کے سربراہوں کو اس معاملے میں شامل کیا تھا کہ باقر علی جیسے لوگوں کو سنبھالنا آسان رہے۔ جس طرح ایک عرصے سے باقر علی نے حمدہ کا پیچھا لیا ہوا ہے وہ محض تمہارے اور حمدہ کے نکاح کا سن کر خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا اس لیے بھی مجھے گاؤں والوں کی مدد چاہیے تھی۔''

''بہرحال جو بھی وجہ تھی مگر باقر علی نے بیچ پنچایت کے اب اگر اگلی بار حمدہ کے سلسلے میں کوئی فضول بات کی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ حمدہ اب میری بیوی ہے۔'' عمر ہاشم خاصا تپا ہوا تھا۔

"اچھا جو بھی ہے اب معاملہ گاؤں کی پنچائیت میں میں نے خود پہنچایا ہے تو تم بھی آرام وسکون سے اب معاملے کو سلجھنے دو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ پرسوں افتخار مختار اور حمدہ کے ہمراہ آ تو رہا ہے پھر دیکھتے ہیں پنچائیت کیا فیصلہ کرتی ہے مجھے یقین ہے فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ بعد میں جو ہوگا دیکھیں گے۔" بی بی نے اب بھی پرسکون انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تو عمر محض خاموش ہوگیا۔

بی بی اٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئیں تو عمر کا دھیان حمدہ کی طرف چلا گیا۔ نکاح کے بعد سے اب کتنے دن ہورہے تھے حمدہ کو دیکھے ہوئے۔ عمر کا شدت سے جی چاہا کہ وہ کہیں سے سامنے آجائے تو وہ اسے جی بھر کر دیکھ لے۔

وہ جب سے لوٹا تھا اس نے کئی بار حمدہ کے نمبر پر کال کی تھی مگر وہ کال ہی پک نہیں کرتی تھی جبکہ افتخار صاحب اور مختار چاچی سے کئی بار بات ہوچکی تھی نہ وہ کسی میسج کا جواب دیتی تھی اور نہ ہی کال ریسیو کرتی تھی۔ اس وقت دل ودماغ میں جو کیفیت چل رہی تھی ایسے میں جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز سے بے نیاز ہوکر حمدہ کے پاس چلا جائے یا اسے اپنے سامنے لے آئے۔ موبائل کے بجائے اس نے حویلی والے نمبر سے اس کے نمبر پر کال کی تو چار پانچ بیلز کے بعد کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" کئی دن بعد حمدہ کی آواز سننے کو مل رہی تھی یوں لگا جیسے اندر سینے میں کہیں اٹھنے والی طغیانی کا وجود یکدم سرد پڑ گیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہیں؟" عمر کی آواز پہچان کر دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

"حمدہ پلیز بات کریں...... کال بند نہیں کریں...... میں نے آپ کو کال کی ہے کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔ وہ پہلے ہی باقر علی کی حرکتوں کی وجہ سے پریشان تھا۔ ایسے میں حمدہ کا رویہ اس کا ٹمپر لوز ہوا تھا۔

"میں اماں کو بلوا دیتی ہوں کوئی خاص بات ہے تو ان سے کرلیں۔" عمر کی دھمکی پر دوسری طرف سے پرسکون انداز میں جواب ملا تھا۔

"میں نے اگر چاچی سے بات کرنی ہوگی تو ان سے ڈائریکٹ بات کروں گا۔ آپ بتائیں آپ کیوں میری کالز پک نہیں کررہیں؟ آپ کو اندازہ نہیں آپ کے اس رویے کی وجہ سے میں کس قدر پریشان اور ہرٹ ہوں۔" شروع میں تلخی سے مگر آخر میں دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھے یوں بات کرنا اچھا نہیں لگا اسی لیے میں کال ریسیو نہیں کرتی تھی۔ ہمارا صرف نکاح ہوا ہے رخصتی تو نہیں نا......" حمدہ کا وہی سنجیدہ انداز تھا۔

حمدہ کے الفاظ نے عمر پر بڑے عجیب انداز میں اثر کیا۔

"آپ میری بیوی ہیں رخصتی تو محض ایک فارمیلٹی ہے۔ نکاح سے بڑھ کر بھی شادی کی کوئی رسم ہوتی ہے تو وہ بتادیں میں وہ بھی کروالیتا ہوں۔" حمدہ کے الفاظ پر عمر نے کچھ غصے سے کہا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور پھر کچھ توقف کے وہ کہنے لگی۔

"مگر جس ماحول سے میں تعلق رکھتی ہوں وہاں ان باتوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ سے بات کروں اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ بھلے ہمارے درمیان بہت جائز رشتہ ہے مگر جب تک باقر علی والا معاملہ حل نہیں ہوجاتا میں سکون سے آپ سے بات نہیں کرسکتی......" عمر نے لب بھینچ لیے۔ وہ تو سمجھا تھا کہ نکاح ہوچکا ہے اب سب کچھ کلیئر ہوچکا ہے مگر لگ رہا تھا کہ اصل پریشانی تو اب آئی ہے۔ حمدہ کا گریز اسے طیش دلا گیا تھا۔

"اوکے اب آپ سے تبھی بات ہوگی جب آپ رخصت ہوکر میرے روبرو میرے بیڈروم میں ہوں گی۔ اللہ حافظ......" عمر نے بہت سنجیدگی سے کہتے کال بند کردی تھی جبکہ دوسری طرف حمدہ عمر کے رویے اور الفاظ پر یکدم پریشان ہوکر اپنی جگہ جامد سی کھڑی رہ گئی تھی۔

......☆☆☆......

حمدہ چاچی مختار اور افتخار صاحب کے ساتھ یہ لوگ دوپہر کو ہی گاؤں پہنچ گئے تھے۔ افتخار صاحب ایک بااثر شخصیت تھے اپنی ذاتی لینڈ کروزر اور محافظوں کے درمیان

جب گاؤں میں داخل ہوئے تھے علاقے میں فوراً ان کی آمد کی خبر پھیل گئی تھی۔ ان لوگوں کو پروگرام کے تحت چھوٹی حویلی میں ہی ٹھہرنا تھا۔ گاڑی سیدھی حویلی ہی آئی تھی۔ عمر ذوالفقار بھائی کے ہمراہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ حمدہ چاچی مختار کے ہمراہ جیسے ہی گاڑی سے نکلی نگاہ سیدھی عمر کی طرف اٹھی وہ افتخار صاحب سے گلے مل رہا تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر عمر کی نگاہوں میں ہمیشہ ابھرنے والا مخصوص تاثر اس وقت غائب تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر بھی وہ سخت سنجیدہ رہا تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر عجیب سا ملال اتر رہا تھا۔ پرسوں رات عمر نے کال کی تھی اس سے بات کرنے کے بعد کل سارا دن کوئی کال نہیں آئی تھی یہاں کے حالات سے متعلق مسلسل معلومات مل رہی تھیں آج وہ لوگ صبح سویرے نکل آئے تھے مگر اب عمر کا بے تاثر انداز دیکھ کر حمدہ کا دل ملال سے بھرتا جارہا تھا۔

وہ لڑکی ذات تھی اس نے ایک کانٹوں سے بھری زندگی گزاری تھی قدم قدم پر پتھروں سے سامنا ہوا تھا وہ بڑی مشکل سے اپنے وجود اور کردار کو سنبھال کر یہاں تک پہنچی تھی ایسے میں وہ عمر ہاشم کے نام کی بدنامی کیسے سہ لیتی کہ یہاں سے بی بی کے ذریعے ملنے والی خبروں میں یہ بھی ذکر تھا کہ باقر علی عمر ہاشم اور اس کے تعلق کو غلط انداز میں اچھالنے کی کوشش کررہا ہے تاکہ گاؤں والوں کو نکاح والے معاملے سے متعلق بھڑکا سکے۔ ایسے میں اگر وہ عمر سے بات کرنے سے بچ رہی تھی سنجیدگی اختیار کررہی تھی تو کونسا غلط کررہی تھی پرسوں رات سنائی دیئے جانے والے عمر ہاشم کے الفاظ اسے ہرگز نہیں بھول رہے تھے۔

"اوکے...... اب آپ سے تبھی بات ہوگی جب آپ رخصت ہوکر میرے روبرو میرے بیڈروم میں ہوں گی۔"

بظاہر یہ الفاظ بے ضرر اور سادہ سے تھے مگر ان الفاظ کو ادا کرتے وقت عمر ہاشم کا جو لہجہ تھا وہ حمدہ کے دل کو ہولائے دے رہا تھا۔

اوپر سے عمر کے دیکھنے کا وہ مخصوص انداز بھی مفقود تھا۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے؟ کیسے اس شخص کو سمجھائے؟ اس نے خاموشی سے وضو کرکے نماز ادا کی۔

سفر کی تھکان تھی نسرین کھانے کا پیغام لے کر آئی تو وہ منع کرتے بستر پر دراز ہوگئی۔ وہ کچھ دیر سو کر اپنے ذہن کو پرسکون کرنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر سو کر وہ باہر آئی تو گاؤں کی کئی خواتین اماں اور بی بی کے پاس آئی بیٹھی تھیں۔ موضوع بحث آج رات ہونے والی پنچائیت ہی تھا۔ باقر علی عمر اور حمدہ کا ذکر خصوصی تھا وہ کچھ دیر ان کے پاس ٹھہری اور پھر وہاں سے اٹھ کر واپس بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ کھڑکی کے پاس کھڑی وہ باہر لان کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک گیٹ کی طرف سے ایک دم شور اٹھ کھڑا ہوا۔ حمدہ نے دیکھا گیٹ پر عمر تیزی سے باہر جانے کی کوشش کررہا تھا پیچھے سے ذوالفقار بھائی نے بھاگ کر اس کا بازو تھام لیا تھا اس لیے عمر نے تلخی سے کچھ کہا تھا فاصلہ ہونے کی وجہ سے حمدہ سمجھ نہ سکی تھی۔ بس دونوں کے تیز تیز اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آرہی تھیں شاید عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز بھی تھی جسے ذوالفقار بھائی چھیننے کی کوشش کررہے تھے شور کی آواز سن کر اندر سے خواتین کے علاوہ سلطان بابا بشیر اور ایک دو ملازم اور اکٹھے ہوگئے تھے اور وہ سب مل کر عمر کو پکڑ چکے تھے۔ حمدہ نے دیکھا ذوالفقار بھائی نے عمر کے ہاتھ سے زبردستی پسٹل چھین کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اب وہ زبردستی عمر کو بازو کے حصار میں لیے مردانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ کیا ماجرہ تھا حمدہ سمجھ نہ سکی تھی وہ کھڑکی سے ہٹ کر فوراً باہر نکل آئی تھی۔ ماریہ باجی نڈھال سی بی بی جان کو بازو کے حصار میں لیے اندر آرہی تھیں۔ ساتھ میں اماں اور دیگر خواتین بھی تھیں یہ سب شور سن کر ہی باہر گئی تھیں۔

"کیا ہوا ہے؟" حمدہ نے آگے بڑھ کر بی بی کا دوسرا بازو تھام لیا تھا۔

"ہونا کیا ہے وہی مردود باقر علی کا قصہ۔" اماں نفرت سے بولیں حمدہ کا دل بیٹھنے لگا عمر سخت غصے میں تھا یقیناً کوئی بات ہوچکی تھی۔

"آج صبح ہماری آمد سے پہلے عمر کسی کام سے باہر اڈے کی طرف نکلا تھا راستے میں باقر علی سے مڈبھیڑ ہوگئی

بشیر عمر کے ساتھ تھا' باقر علی نے عمر کو ایسی باتیں کیں جس سے وہ طیش کا شکار ہوکر کچھ سخت کہے' ان کی نیت لڑائی کرنے کی تھی تاکہ رات ہونے والی پنچائیت سے پہلے ہی معاملہ خراب ہوجائے۔ عمر کو اس کی باتوں پر غصہ آ گیا تو اس نے اس کی پٹائی کرڈالی وہ تو شکر ہے کہ بشیر ساتھ تھا جو شور مچانے پر اردگرد کے لوگ اکٹھے ہوگئے اور باقر علی کو چھڑوا کر لے گئے۔ بشیر بتارہا تھا کہ اس وقت باقر علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان کے پاس ہتھیار وغیرہ نہیں تھے سو بچت ہوگئی۔ جاتے جاتے وہ عمر کو وڈے ڈیرے کی طرف شام سے پہلے پہنچنے کا طعنہ دے کر گیا تھا کہ اگر وہ مرد کی اولاد ہے تو شام سے پہلے وڈے ڈیرے پرآ جائے وہاں وہ اچھی طرح نپٹے گا اور تب سے ہم لوگ عمر کو حویلی سے باہر نکلنے نہیں دے رہے تھے' اب نجانے کیسے نظر بچا کر وہ نکلنے لگا تھا کہ بشیر اور ذوالفقار نے دیکھ لیا اور فوراً روک لیا۔" بی بی کی طبیعت خراب تھی ان کو کمرے میں لاکر لٹانے کے بعد ماریہ باجی اس کے بار بار استفسار کرنے پر ایک طرف لے جاکر بتارہی تھیں۔

"باقر علی نے عمر کو کہا کیا تھا کہ وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ اس کی پٹائی کرڈالی؟" حمرہ حیرت وخوف سے ششدر تھی کچھ توقف کے بعد سنبھل کر پوچھا۔

"بشیر ہی بتارہا تھا کہ عمر کو دیکھ کر پہلے تو اس نے عمر کا رستہ روکا پھر اس نے تمہارے حوالے سے چند باتیں کیں اور جب اس نے عمر سے یہ کہا کہ اگر تم مرد کی اولاد ہوتے تو سب کے سامنے اسی گاؤں میں رہ کر حمرہ سے نکاح کر کے دکھاتے یوں ہیجڑوں کی طرح چھپ چھپا کر منہ کالا نہ کرتے تو اس کے الفاظ ایسے گھٹیا تھے کہ عمر خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا اور تمہیں شاید پتا نہ ہو عمر بلیک بیلٹ ہولڈر ہے' اس نے اچھا خاصا پیٹ ڈالا تھا۔ تب سے عمر کا غصے سے برا حال ہے اب بھی وہیں جانے کا ارادہ تھا۔ اگر باقر علی نے عمر کو ڈیرے پر بلایا تھا تو یقیناً ارادے بھی نیک نہیں ہوں گے مگر عمر طیش اور غصے سے یہ نہیں سوچ رہا۔" ماریہ خاصی افسردہ تھی۔ حمرہ کے لیے یہ سب واقعات سخت تکلیف دہ تھے۔

"اب عمر کہاں ہیں؟"

"ذوالفقار مہمان خانے کی طرف لے گئے ہیں۔ بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ عمر باقر علی کی باتوں کی وجہ سے سخت جذباتی ہورہا ہے اور ماں جی اس کی وجہ سے پریشان ہورہی ہیں۔" وہ گم صم سی ماریہ باجی کا چہرہ دیکھ رہی تھی' ماریہ باجی بی بی کی طرف لوٹیں تو وہ بھی ادھر ہی آ گئی۔

بی بی نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ حمرہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"عمر کہاں ہے۔" بی بی نے ماریہ سے پوچھا۔

"ذوالفقار کے ساتھ مہمان خانے کی طرف ہی ہے۔"

بی بی نے سر ہلادیا اور پھر حمرہ کا ہاتھ تھام کر اٹھ بیٹھیں۔

"عمر بہت جذباتی ہورہا ہے باقر علی نے نجانے اس سے ایسی کیا باتیں کہہ دی ہیں کہ جب بھی دونوں کا سامنا ہوتا ہے مرنے مارنے کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ آج جو بھی ہوا ہے پتا تو لگ گیا ہوگا تمہیں؟" حمرہ نے محض سر ہلادیا۔

"میری تو کوئی بات اس پر اثر نہیں کررہی اتنا سمجھا چکی ہوں اب رات کو پنچائیت ہے مگر وہ کچھ سن ہی نہیں رہا۔" بی بی خاصی پریشان تھیں۔ حمرہ خاموش رہی وہ بھلا کیا کرسکتی تھی؟

"تم عمر سے بات کرو اسے سمجھاؤ کہ یوں جذباتی نہیں ہوتے۔ گاؤں والے ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ ہمارے حق میں فیصلہ کریں گے۔ ٹھیک ہے مرد ہے اور مرد ہی جذباتی ہوتے ہیں مگر وقت اور موقعے کی نزاکت بھی تو دیکھے۔" بی بی کی بات پر اس نے حیران ہوکر انہیں دیکھا۔

"میں بھلا کیسے بات کرسکتی ہوں؟"

"تم بیوی ہو اس کی...... تمہاری بات اس پر اور انداز میں اثر کرے گی۔ وہ تمہیں اہمیت دیتا ہے تمہارے معاملے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا ہے' باقر علی کو کسی بھی طرح کی رعایت دینے کو تیار نہیں۔ وہ تمہیں چاہتا ہے تم اگر اچھے انداز میں بات کروگی تو تمہاری بات مان لے گا۔" حمرہ تو سچ مچ پریشان ہوگئی تھی۔

"میں بھلا کیا کہوں گی......؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم اور مزاج کی بچی ہو...... نکاح' منگنی ہمارے ہاں محض رسمیں ہیں مگر تم اگر خود ایک بار عمر کے پاس جاکر اسے سمجھاؤ گی اچھے انداز میں بات کروگی تو وہ سمجھ جائے گا۔" حمرہ بس نگاہ جھکا گئی۔

"میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں نے ساری زندگی انہی دو بچوں کے آسرے پر گزار دی ہے۔ عمر نے تمہارا نام لیا تو میں نے انا کا مسئلہ نہ بنایا کہ تم ہر لحاظ سے قبول کی جانے والی بچی ہو...... عمر کے دل کی خوشی کو اہمیت دی کہ میرا بیٹا خوش رہے گا' تو میں بھی خوش رہوں گی۔ اب یہ باقر علی سے جھگڑے والا معاملہ میری تو سمجھو عقل زائل ہورہی ہے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کروں' لے دے کر تمہارا خیال ہی آرہا ہے کہ اگر تم ایک بار عمر سے بات کرلو تو وہ نارمل ہوجائے گا۔" حمرہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"جی بی بی جی میں کوشش کروں گی...... آپ پریشان نہ ہوں۔"

"جیتی رہو...... سدا سہاگن رہو' خوش رہو۔" انہوں نے ایک دم اسے ساتھ لگا کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

......☆☆☆......

مغرب کے بعد حمرہ کے دونوں بہنوئی بھی پہنچ گئے تھے کہ گواہان میں افتخار صاحب کے علاوہ یہ دونوں بھی شامل تھے۔ حمرہ بی بی سے بات کرنے کے بعد انتظار کرتی رہی کہ عمر اندر آئے تو وہ اس سے بات کرے' مغرب کے بعد عمر پنچائیت میں جانے کے لیے تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔ عمر کے آنے کی اطلاع ملی تو حمرہ' بی بی کو دلاسا دیتے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی تھی۔ عمر کے دروازے کے سامنے رک کر ایک پل کو اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔

نکاح کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا تھا جو سادہ تھا مگر خاصا قیمتی اور بوتیک اسٹائل کا تھا۔ اس جوڑے میں اس کی شخصیت کا وقار اور رکھ رکھاؤ کچھ اور ابھر کر سامنے آرہا تھا۔ اس وقت ہمیشہ کی طرح چادر کی بجائے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹے میں ملبوس تھی۔ دروازے پر دستک دیتے حمرہ کو اپنے ہاتھ میں ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔

"یس......" عمر کی آواز پر اس نے آہستگی سے دروازہ وا کرتے اندر قدم رکھا عمر جو ابھی باتھ روم سے چینج کر کے نکلا تھا تاول سے چہرہ صاف کرتے ٹھٹکا۔

"آپ......؟" حمرہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں حمرہ کی موجودگی کا قطعی تصور نہیں کرسکتا تھا۔

"السلام علیکم۔" عمر نے اگلے ہی پل حیرانگی کو پس پشت ڈالتے رخ بدل کر لب بھینچ لیے تھے۔

عمر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہوکر بال بنانے لگ گیا تھا۔ حمرہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طرح اس سے بات کا آغاز کرے۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" عمر نے حمرہ کے سوال پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"جی فرمائیے کیسے آنے کی زحمت کی آپ نے؟" چہرہ بلا کا سنجیدہ اور کھردرا لہجہ تھا۔

حمرہ نے لب بھینچ لیے آنکھوں میں بے بسی سے نمی سمٹ آئی۔ کتنا اجنبی لہجہ تھا' اس نے ایک شاکی نگاہ عمر پر ڈالی۔

"یہ باقر علی والا کیا معاملہ ہے۔" اس نے خود پر کنٹرول کرتے عمر کو دیکھا۔

"بس یہی دریافت کرتے آئی ہیں؟" حمرہ خاموش رہی۔

"ایم سوری آپ سے کچھ بھی نہ کہنے کا عہد کیا تھا اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آپ نے کیونکر میرے کمرے میں آنے کی زحمت گوارا کرلی ہے جبکہ مجھ سے کوسوں میل کے فاصلے سے محض موبائل پر بات کرنے سے آپ کے کردار پر حرف آتا ہے۔ ابھی تو آپ کی باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی پھر اس آمد کو کیا سمجھوں؟"

"اف......!" حمرہ کو لگا عمر ہاشم کے اس طعنے پر اس کا سارا وجود زخمی ہوگیا ہے۔ اس نے لب دانتوں تلے دبا کر بہت شکایتی نظروں سے عمر کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کے پاس میرے کسی بھی

سوال کا جواب نہیں۔ جب میرے کسی سوال کا جواب دیں گی تو میں آپ کو آپ کے تمام سوالوں کا جواب دوں گا۔ آپ نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت کی ذرہ نوازی ہے آپ کی کہ آپ نے مجھ جیسے حقیر کو یہ عزت افزائی بخشی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے‘ چلتا ہوں۔‘‘ چند پل کھڑے ہوکر حمدہ کے جواب کا انتظار کیا اور اس کی شکایتی نظروں کو بالکل نظر انداز کیے وہ پلٹا۔ ایک تو اس کا مسلسل طنزیہ انداز اوپر سے اس کے تیور حمدہ کی جان پر بن آئی۔ بی بی کی کہی تمام باتیں یاد آئیں تو گھبرا کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

’’آپ ایسے نہیں جاسکتے۔ میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔‘‘ بہت گھبرا کر ایک دم نہایت قریب آ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے عمر کا بایاں بازو تھام لیا۔

’’آپ کو میری بات سننا ہوگی۔‘‘ عمر نے بہت چونک کر نہایت استعجاب سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔ وہ اب خود کو مزید پتھر نہیں بنا سکتا تھا‘ حمدہ کے مومی ہاتھوں کا نرم لمس اس کے وجود میں سرائیت کرتا اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔

’’کیا بات ہے کیوں پریشان ہورہی ہیں؟‘‘ کچھ تلخی اور برہمی سے کہنا چاہا مگر حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔

’’آپ مجھ سے خفا ہیں‘ آپ مجھے ڈانٹ لیں‘ ناراض ہولیں۔ پرسوں رات والی تمام باتوں پر برا بھلا کہہ لیں مگر اس وقت ایسے مت جائیں‘ میری بات سن کر جائیں۔‘‘ عمر خود کو جتنا بھی پتھر بنالیتا مگر اس پل حمدہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ فوراً موم کا پتلا بن گیا تھا۔

’’حمدہ... پلیز روئیں مت... میں خفا نہیں ہوں‘ بس آپ کی باتوں نے تکلیف دی تھی‘ اب اگر آپ روئیں گی تو مجھے مزید تکلیف ہوگی۔‘‘ فوراً گھبرا کر بازو سے پکڑ کر اسے چپ کروانا چاہا‘ حمدہ تو مزید سسکی تھی۔

’’حمدہ پلیز......‘‘ عمر کی جان پہ بن آئی تھی۔ اسے دونوں کندھوں سے تھاما تو وہ سسک کر اس کے ساتھ آ لگی‘

عمر حمدہ کی اس حرکت پر ساکت رہ گیا۔

’’مجھے معاف کردیں‘ میں نے جان بوجھ کر آپ کی کالز کو اگنور نہیں کیا‘ بس خود بخود ہوگیا سب‘ میں نے وہ سب بکواس کی مجھے معاف کردیں۔ ماریہ باجی اور بی بی سب بہت پریشان ہیں۔ میں آئندہ ایسی بات نہیں کروں گی آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس آ جاؤں گی بس آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے نہیں الجھیں گے۔‘‘ عمر کو لگا وہ روح تک سیراب ہوگیا ہے۔

’’میں کب الجھتا ہوں وہ خود میرے رستے میں آتا ہے‘ حمدہ! وہ آپ کے متعلق گھٹیا باتیں کرتا ہے‘ ایسی باتیں جو کوئی بھی غیرت مند مرد برداشت نہ کرسکے۔ بی بی کی وجہ سے میں نے بہت برداشت کیا ہے مگر آج صبح جب اس نے اس قدر گھٹیا انداز میں مجھے گالی دی آپ کے حوالے سے طعنے بازی کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا تھا‘ جواباً میرا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔ ورنہ میں نے آخری لمحے تک کوشش کی تھی کہ اس سے نہ الجھوں۔‘‘ حمدہ کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چنتے عمر نے اپنی والہانہ محبت کا احساس بخشا تو حمدہ سٹپٹا کر خود سے ہی نظریں چرا گئی۔ عمر کی گرفت سے نکلنے کی اس نے کوشش نہ کی تھی اور نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔

’’بی بی بہت پریشان ہیں۔‘‘ عمر نے حمدہ کو دیکھا اور مزید گرفت سخت کرکے اسے قریب کرلیا۔

’’بی بی نے بھیجا ہے آپ کو؟‘‘ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔

’’مگر میں آئی تو خود ہوں نا؟‘‘ اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا عمر مسکرا دیا۔

’’آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے اب نہیں الجھیں گے۔‘‘ لمحے تھوڑے تھے کسی بھی لمحے نیچے سے پنچائیت کی طرف جانے کے لیے عمر کو آواز دی جاسکتی تھی اور جانے سے پہلے حمدہ بی بی کی خواہش کے مطابق اس سے وعدہ لے لینا چاہتی تھی اس نے اپنے تمام اصول توڑ کر تمام قاعدے فراموش کرتے اس کی دہلیز پر قدم رکھا تھا بلکہ اس کی پناہ میں اپنے وجود کی خود سپردگی فراہم کرتے

ہوئے وہ صرف ایک بات سوچ رہی تھی کہ ایسا کرنے کا حکم بی بی نے دیا ہے وہ بیوی ہے اور ایک بیوی شوہر کو نرم کرسکتی ہے یہ بی بی نے کہا تھا اور بی بی نے اسے بھیجا ہی اس لیے تھا کہ وہ اس کے وجود کو چھو کر ایسا نرم ہو کہ اس کے ساتھ وعدوں کی زنجیر میں جکڑ کر تمام جذباتی پن بھول جائے۔

’’آپ اس وقت جان بھی مانگیں تو حاضر کردوں...... باقر علی کیا چیز ہے۔‘‘ عمر مکمل طور پر ان لمحوں کی گرفت میں تھا حمدہ نے ایکدم عمر کی بات پر اس کے ہونٹوں پر اپنا مخملی نرم ہاتھ رکھ دیا۔ عمر کے لیے حمدہ کی خود سپردگی ہی قیامت تھی اس ادا نے بالکل ہی گھائل کردیا تھا۔ ایک دم اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت ووارفتگی سے جھکا ہی تھا دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

’’اوف......‘‘ عمر ایک دم ہوش میں آیا تھا اور حمدہ ایک دم اس کی گرفت سے نکلتے پیچھے ہٹی تھی۔

’’یہ کون آ گیا اس وقت......؟‘‘ وہ سخت جھنجلا گیا تھا۔ حمدہ کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دل کی دھڑکن حد سے سوا تھی۔

’’کون......؟‘‘ عمر نے دروازہ کھولنے کی بجائے پوچھا۔

’’میں ذوالفقار...... پنچائیت سے پیغام آیا ہے...... ہم کب سے نیچے تمہارا ویٹ کررہے ہیں۔ جلدی کرو۔ دیر ہورہی ہے‘ وہاں سب انتظار کررہے ہیں۔‘‘ عمر نے حمدہ کی طرف دیکھا وہ رخ بدلے بستر کے کنارے پر جا بیٹھی تھی۔

’’آپ چلیں میں بس ابھی آیا۔‘‘ عمر نے جواب دیا۔

’’جلدی آؤ......‘‘ ذوالفقار بھائی کہہ کر چلے گئے تھے۔

’’میں چلتا ہوں...... نیچے سب ویٹ کررہے ہیں۔‘‘ وہ حمدہ کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

’’آپ نے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ باقر علی سے نہیں الجھیں گے؟‘‘ وہ پوچھ رہی تھی وہ ہنس دیا۔

’’نہیں الجھتا...... ہاں اگر وہ کچھ کہے گا تو میں چپ نہیں رہوں گا۔‘‘ حمدہ نے لب بھینچ لیے تو عمر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

’’چلیں آپ کہتی ہیں تو تب بھی خاموش رہوں گا...... اب خوش۔‘‘ حمدہ دھیرے سے مسکرادی تو عمر نے گرمجوشی سے اس کے دونوں ہاتھ دبا کر ہونٹوں سے چھو لیے۔

’’مجھے یقین ہے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ آپ کا ساتھ ہوگا تو میں سب کچھ برداشت کرلوں گا‘ ہاں اگر آپ نے ذرا سی بھی پہلوتہی کی تو میں اپنے وعدے پر قائم رہنے کی گارنٹی نہیں دوں گا۔‘‘ عمر کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

’’میں امید رکھوں نا کہ واپسی پر آپ مجھے اسی کمرے میں منتظر ملیں گی؟‘‘ وہ پوچھ رہا تھا اور حمدہ گم صم سی ہوگئی تھی وہ تو یہاں صرف بی بی کے کہنے پر آئی تھی۔ مزید کیا کرنا تھا وہ بے خبر تھی۔

’’ہاں...... آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس ہوں گی۔‘‘ ایک پل لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں عمر ہنس دیا۔

’’آپ بی بی کو جا کر کہہ دیں آپ امتحان جیت گئی ہیں۔ واپسی پر میں آپ کو آزمائش میں نہیں ڈالوں گا۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔‘‘ مسکرا کر ہاتھ ہلا کر کہتے وہ کمرے سے نکل گیا تھا اور حمدہ حیرت سے کھڑی عمر کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

...... ☆☆☆ ......

ماریہ باجی موبائل کے ذریعے مسلسل ذوالفقار بھائی سے رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ پنچائیت میں ہونے والی تمام کارروائی کی خبر انہیں مل رہی تھی‘ بی بی سارا وقت جائے نماز بچھائے دعا مانگنے میں مصروف تھیں جبکہ اماں عمر لوگوں کے ساتھ ہی گئی ہوئی تھیں جوں جوں وقت گزر رہا تھا حمدہ کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی اور پھر دس بجے کے قریب ماریہ باجی کا موبائل بجا اور ذوالفقار بھائی نے انہیں خوشخبری سنائی۔

’’مبارک ہو...... فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔‘‘ کال سننے کے بعد ماریہ باجی کا خوشی سے برا حال تھا انہوں نے حمدہ کو گلے لگایا تھا اور پھر بی بی کو خوشخبری سنانے کمرے میں گھس گئی تھیں۔

باقر علی کی وجہ سے حمدہ نے ایک طویل عرصہ سخت اذیت میں گزارا تھا۔ یہ خوشخبری ایسی تھی کہ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ کچھ سوچتے موبائل لیے باہر لان میں چلی آئی عمر کا نمبر ملا کر کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم۔" دوسری طرف عمر نے فوراً کال پک کرلی تھی۔

"وعلیکم السلام...... کیسے ہیں آپ؟"

"حمدہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔" عمر نے بڑے جوش سے بتایا۔

"کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا...... خیریت رہی نا؟" اسے جس چیز کا خوف تھا وہی پوچھا عمر ہنس دیا۔

"آپ سے وعدہ کرکے آیا تھا پھر جھگڑا کیسے ہوتا؟ حمدہ باقر علی نے بہت بکواس کی...... دھمکیاں دی ہیں۔ گالیاں بکتا رہا' مگر اتنے لوگ تھے جو سب ہمارے حامی تھے۔ پھر چاچی کی گواہی اور افتخار صاحب کی موجودگی کی وجہ سے معاملہ منٹوں میں حل ہوا ہے۔"

"اماں کیسی ہیں؟" حمدہ کو فوراً اماں کا خیال آیا۔

"ہم لوگ واپسی کے لیے نکل رہے ہیں۔ گھر آکر بات کرتے ہیں۔" عمر کے دوسری طرف بہت شور تھا حمدہ کی بات پر اس نے کہا۔

"میں انتظار کروں گی......" حمدہ نے کہہ کر کال بند کردی تو فوراً عمر کا میسج آگیا۔

"انتظار کرنے کی یقین دہانی کا شکریہ' مگر میں اب اتنا بے حس بھی نہیں ہوں آپ میرے سامنے ہیں میرے پاس' آپ کو میں سن سکتا ہوں' دیکھ سکتا ہوں میرے دل کی تسلی کو یہ بھی بہت ہے۔ حویلی آتے ہی میں ماں جی سے بس فوراً رخصتی کی بات کروں گا کہ اب فیصلہ ہمارے حق میں ہوجانے کے بعد اس معاملے کو زیادہ لٹکانا نہیں چاہتا۔" حمدہ نے میسج پڑھا اور پھر مسکرادی۔ اسے اب اور شدت سے ان سب لوگوں کی واپسی کا انتظار تھا۔

...... ☆☆☆ ......

فیصلہ ہوتے ہی باقر علی اپنے اسلحہ بردار محافظوں کو ہمراہ لیے پنچائیت سے چلا گیا تھا۔ عمر سب سے ہاتھ ملاتا مبارکبادیں وصول کرتا افتخار صاحب کے پاس چلا آیا تھا۔ واپسی کی بات ہو رہی تھی' عمر کی جیپ بشیر ڈرائیو کر رہا تھا' عمر نے اپنی گاڑی میں چاچی مختار اور ان کے دونوں دامادوں کو سوار کرکے روانہ کیا اور خود ذوالفقار کے ہمراہ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر میں آبیٹھا تھا۔ ان کے پیچھے ان کے محافظ تھے۔ یہ سب گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئی تھیں۔ یہ لوگ ابھی کچھ دور ہی آئے تھے جب ایک دم کھیتوں سے نکل کر دو آدمیوں نے عمر والی گاڑی پر فائرنگ کردی تھی۔ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر ایک دم رکی تھی ان کے عقب میں ان کے محافظوں کی بھی۔

افتخار صاحب کے محافظوں نے بھی جوابی کارروائی کی تھی تو ان دونوں آدمیوں نے اندھا دھند افتخار صاحب کی گاڑی پر بھی گولیاں برسادی تھیں۔ گاڑی بلٹ پروف تھی مگر شیشے ٹوٹ کر لگنے والی گولیاں ان آدمیوں کے ماہر نشانہ باز ہونے کا ثبوت تھیں۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک آدمی زخمی ہو کر گرا تو دوسرا بھاگ نکلا تھا' مگر ان دونوں آدمیوں کا ہدف پورا ہوگیا تھا' ایک طرف عمر کے بازو پر گولی لگی تھی جبکہ افتخار صاحب اور ذوالفقار نے جھک کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ اگلی عمر والی جیپ سے چیخوں اور کراہوں کی آوازیں شدید تھیں۔ عمر اپنے زخمی بازو کی پرواہ کیے بغیر دروازہ کھول کر اگلی گاڑی کی طرف دوڑا تھا۔

"عمر ٹھہرو...... رکو......" ذوالفقار بھائی پکارتے رہ گئے تھے۔

اگلی گاڑی میں بشیر اسٹیئرنگ پر اوندھا گرا ہوا تھا' پچھلی نشست پر براجمان چاچی مختار کو کئی گولیاں لگی تھیں' حملہ آوروں کا ہدف ہی عمر کی گاڑی تھی انہوں نے پچھلی سیٹ پر گولیاں برسائی تھیں مگر افسوس وہاں عمر کی بجائے چاچی مختار براجمان تھیں اس وقت ان کا وجود اپنے ہی خون میں نہایا ساکت تھا۔ عمر نے فوراً چاچی کو تھاما...... ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔

"ذوالفقار بھائی ان کی نبض چل رہی ہے۔ جلدی کریں ہاسپٹل لے کر چلیں۔" نبض دیکھنے کے بعد عمر چیخا۔ جبکہ چاچی کے دونوں داماد بالکل ٹھیک تھے وہ درمیانی نشست پر تھے اور نیچے لیٹ جانے پر بچ گئے تھے۔ بشیر بھی زخمی تھا اس کے کندھے پر بھی گولی لگی تھی۔ عمر کے اپنے بازو سے شدید خون بہہ رہا تھا اس کی پکار پر افتخار صاحب اور ان کے محافظ فوراً حرکت میں آئے تھے۔

...... ☆☆☆ ......

چاچی مختار جانبر نہ ہوسکی تھیں۔ اسپتال لے جاتے ہوئے رستے ہی میں دم توڑ گئی تھیں۔ حمدہ کے لیے یہ حادثہ بہت تکلیف دہ تھا وہ جو بہت خوش کن جذبات لیے ان لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی مگر اماں کا بے جان وجود دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ عمر کو گولی لگی تھی۔ بشیر بھی زخمی تھا وہ لوگ اسپتال ایڈمٹ تھے۔ افتخار صاحب کا غم و صدمے سے برا حال تھا۔ حملہ آوروں کا ایک ساتھی زخمی ہوگیا تھا جسے افتخار صاحب کے محافظوں نے فوراً پکڑ لیا تھا۔ عمر لوگوں کے ساتھ وہ بھی اسپتال میں داخل تھا تاہم پولیس کی تحویل میں تھا۔ وہ شخص اپنے بیان میں بتا چکا تھا کہ ان لوگوں نے باقر علی کی ایماء پر گولیاں چلائی تھیں۔ وہ باقر علی کے ساتھی تھے۔ پولیس فوراً متحرک ہوگئی تھی۔ باقر علی کو گاؤں سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ حمدہ کا صدمے سے برا حال تھا' اس کی دونوں بہنیں نگہت' اور ساجدہ فوراً آگئی تھیں۔ اماں کے تمام رشتے داروں کو اطلاع مل گئی تھی' لندن قمر بھائی کو بھی ان لوگوں نے اطلاع کردی تھی اس نے فوراً پاکستان پہنچنے کا کہا تھا' زندگی میں تو وہ ماں کے کسی کام نہ آسکا تھا مگر موت کے بعد بیوی بچوں کو لے کر آنے کا کہا تھا۔ قمر نے ایک ڈیڑھ دن میں پاکستان پہنچنا تھا اس دوران اماں کی ڈیڈ باڈی برف خانے میں رکھوادی گئی تھی۔ حمدہ بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ عمر ایک دن اسپتال میں گزار کر اگلے دن ڈاکٹرز کی ہدایات کے باوجود حویلی آگیا تھا۔ افتخار صاحب ابھی تک گاؤں میں ہی تھے۔ وہ اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے باقر علی کی واپسی کی تمام راہیں بند کروا رہے تھے۔ اماں ان کی خالہ زاد تھیں ان کی نگاہوں کے سامنے حادثہ ہوا تھا۔ عمر اور بشیر زخمی تھے۔ کیس عام لیول کا نہ تھا باقر علی کی گرفتاری پر اس کی دونوں بہنیں خوب رو دھو رہی تھیں۔ اگلے دن قمر پاکستان پہنچ گیا تو شام کے وقت اماں کی تدفین ہوگئی۔ حمدہ اس سارے عرصے میں بالکل گم صم صدمے سے نڈھال نہ کچھ کھا رہی تھی نہ پی رہی تھی۔ اماں کی میت حویلی سے ہی اٹھی تھی۔ تمام رشتہ دار اور جاننے والے حویلی میں ہی آرہے تھے۔ نگہت اور سارہ باجی بھی حویلی ہی میں تھیں۔ اس کے علاوہ قمر اور اس کی بیوی بچے بھی حویلی ہی آئے تھے۔

عمر کئی بار مردانے سے اندر کی طرف آیا تھا حمدہ کے متعلق اطلاع تو مل رہی تھی مگر ہر بار حمدہ کے پاس کسی نہ کسی کو موجود پاکر وہ بس ایک نگاہ ڈال کر پلٹ جاتا تھا۔ چاچی مختار کے ساتھ ہونے والے حادثے پر وہ خود بھی سخت تکلیف میں تھا۔ چند دن گزرے تو آنے والے مہمان رخصت ہونے لگے جبکہ اب حویلی میں حمدہ لوگوں کے قریبی رشتہ دار ہی رہ گئے تھے' قمر ادھر حویلی میں ہی تھا جبکہ اس کی بیوی چند دن رہنے کے بعد اپنے میکے اپنے بچوں کی ہمراہ روانہ ہوگئی تھی۔ حمدہ اس وقت بی بی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس کے پاس نگہت باجی' ساجدہ کے علاوہ قمر' بی بی اور ماریہ باجی بھی تھے۔ موضوع بحث موجودہ حالات تھے۔

"جب تک رخصتی نہیں ہوجاتی میں حمدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ اماں کو گزرے آٹھ دن ہوگئے ہیں۔ صدمے سے اس کا برا حال ہے میرے پاس جاکر شاید کچھ سنبھل جائے۔" نگہت باجی کو حمدہ کی حالت بہت رلا رہی تھی' انہوں نے بی بی کو کہا حمدہ اسی طرح گھٹنوں پر سر ٹکائے بیٹھی رہی۔

"حمدہ کو اگر میں اپنے ساتھ لے جاؤں تو؟" یہ قمر تھا ساجدہ نے خاصی ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اماں کی زندگی میں تو یہ خیال نہ آیا...... جب سب سے زیادہ حمدہ اور اماں کو تمہاری ضرورت تھی تم شادی رچا کر پردیس جا بیٹھے۔ اب حمدہ کوئی لاوارث لڑکی نہیں رہی نکاح ہوچکا ہے۔ کہیں نہ بھی جگہ بنے مگر یہ حویلی تو اس کا گھر ہے

نا۔" قمر نے ساجدہ کی تلخ بات پر سر جھکا لیا۔

"میں نے بہت کوشش کی کہ میں اماں اور حمدہ کو اپنے پاس بلوالوں مگر اماں ہی اول تو راضی نہ تھیں اپنا گاؤں چھوڑنے پر پھر میں زبردستی تو نہیں لے جاسکتا تھا نا؟ آپ بے شک حمدہ سے پوچھ لیں اس سلسلے میں حمدہ سے بھی کئی بار بات ہوئی تھی' مگر اماں اور حمدہ میرے شادی کرلینے کے بعد اس قدر بدظن تھیں کہ میرے پاس جانا تو دور کی بات تھی میں نے آج تک اماں کو جو بھی پیسہ بھجوایا وہ سارا کا سارا جوں کا توں اکاؤنٹ میں پڑا ہوا ہے۔ اماں نے کبھی نکلوایا ہی نہیں...... کئی بار میں نے خود آ کر اماں سے کہا کہ میرے ساتھ چلیں مگر وہ راضی ہی نہیں ہوئیں۔" قمر کہہ رہا تھا حمدہ تب بھی اپنی مخصوص حالت میں بیٹھی رہی یوں جیسے اسے کسی کی بات سے کوئی غرض نہیں رہی تھی اب۔

"جو بھی ہو چکا وہ ایک طرف' مگر حمدہ کے سلسلے میں کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حمدہ ہماری بہو ہے اور یہ اب ادھر ہی رہے گی۔ اور رہ گئی بات رخصتی کی تو ایسے حالات میں جو تم لوگ مل کر فیصلہ کرو۔" بی بی نے گم صم بیٹھی حمدہ کو ساتھ لگا کر اپنا فیصلہ سنایا تو وہ تینوں بہن بھائی خاموش ہوگئے تھے۔

......☆☆☆......

وقت سب سے بڑا مرہم ہے' باقر علی گرفتار ہو چکا تھا۔ اس پر قتل عمد کا کیس تھا' اس کی ایماء پر حملہ کرنے والے دونوں آدمی بھی پولیس کی تحویل میں تھے۔ اس پر کیس چل رہا تھا۔ افتخار صاحب خود اس کیس کی پیروی کررہے تھے۔ ایک ماہ کے اندر اندر کیس نے خاصی پیش رفت کی تھی۔ قوی امید تھی کہ باقر اور اس کے دونوں ساتھیوں کو سزائے موت تو ضرور ہوجائے گی۔

کیس کی سماعت کے دوران حمدہ کو بھی ایک دوبار عدالت جانا پڑا تھا۔ وہ حویلی میں ہی ہوتی تھی۔ نگہت اور ساجدہ چند دن رہنے کے بعد اپنے گھروں کو سدھاریں تھیں کہ وہ گھر بار اور بچوں والی تھیں۔ یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کب تک یہاں گاؤں میں رہ سکتی تھیں۔ قمر بھی کچھ دن گاؤں رہا پھر وہ شہر اپنے سسرال روانہ ہوگیا۔ ماریہ باجی بھی چند دن بعد چلی گئیں تو پیچھے حویلی میں بی بی اور عمر کے ساتھ حمدہ رہ گئی۔ حمدہ نے اماں کی موت کا اچھا خاصا اثر لیا تھا وہ سارا دن قرآن پاک لیے بیٹھی رہتی یا پھر جائے نماز پر بی بی کے کمرے میں وقت گزار دیتی۔ عمر نے چند ایک بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی طرف سے خاموشی پا کر چپ ہوجاتا تھا۔ عدالت میں بھی وہ عمر کے ساتھ ہی ایک دوبار گئی تھی۔

عمر حویلی آیا تو نسرین سے پتا چلا کہ ماں جی گاؤں میں کسی کے ہاں گئی ہوئی ہیں' جبکہ حمدہ بی بی کے کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ بی بی کے کمرے میں چلا آیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا' حمدہ آج خلاف معمول نماز یا قرآن پاک پڑھنے کی بجائے کھڑکی میں کھڑی باہر لان میں دیکھ رہی تھی۔ عمر چند پل کھڑا اسے دیکھتا رہا' حمدہ اس کی موجودگی سے بے خبر رہی تو اس نے آہستگی سے دروازے کو ناک کیا۔

حمدہ نے پلٹ کر اسے دیکھا عمر قدم بڑھاتا اس کی طرف چلا آیا۔

"کیا ہورہا ہے......؟" عمر نے مسکرا کر پوچھا تو وہ سر جھکا کر کھڑکی سے ہٹ کر بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

"حمدہ آپ ہر وقت کمرے میں مت بند رہا کریں باہر نکلا کریں۔ جانے والے چلے جاتے ہیں مگر پیچھے رہ جانے والوں کے لیے زندگی ختم نہیں ہوجاتی۔ آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ میں آپ کے دکھ کا اندازہ تو نہیں کرسکتا مگر تسلی و دلاسا تو دے سکتا ہوں۔ یوں ہر وقت گم صم رہ کر آپ خود کو تنہا کررہی ہیں۔ بی بی بھی آپ کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔" اس کے اس طرح خاموش انداز پر عمر کو خاصی تکلیف ہوئی تو اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھا۔

"کچھ تو کہیں...... رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ ہمارا تعلق ایسا ہے کہ آپ اپنے دل کی ہر بات بلا خوف و خطر مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔" حمدہ کا ہاتھ دونوں

ہاتھوں میں تھام کر عمر نے مزید کہا تو حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔ عمر نے پہلے بھی کئی بار اس سلسلے میں بات کی تھی مگر تب وہ صدمے کی شدت سے عمر کی کسی بات پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اماں مجھے یوں اچانک چھوڑ کر چلی جائیں گی۔" عمر کے جواب میں ایک دم وہ سسک اٹھی۔

"جانا تو سبھی نے ہے ہمیں بھی آپ کو بھی؟ بس ان کا اتنا ہی ساتھ تھا۔" عمر نے دلاسا دیا تو وہ روتی رہی...... اماں کو یاد کر کے رونے کا تو حمدہ کو بس بہانہ چاہیے تھا۔

"قمر کا فون آیا تھا آج......" عمر نے اسے رونے دیا اور پھر کچھ توقف کے بعد بتایا۔ اپنے آنسو چادر کے پلو سے صاف کرتے اس نے عمر کو دیکھا۔

"وہ لوگ واپس جارہے ہیں۔ اسی ہفتے میں کسی دن کی ٹکٹ ہے۔" عمر نے مزید بتایا۔

"قمر چاہتا ہے کہ آپ ان کے ساتھ چلیں؟" عمر کی بات پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔

"وہ اپنے تمام رویوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اپنی بیوی اور سسرال والوں کی وجہ سے اس کی طرف سے آپ اور چاچی کو نظر انداز کیا گیا ہے مگر اب چاچی نہیں رہیں تو وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ گاؤں کے ماحول سے نکلیں گی تو آپ پر اچھا اثر پڑے گا' آپ چاچی کی وفات کے صدمے سے کچھ حد تک نکلنے کی کوشش کریں گی۔" حمدہ کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"تو پھر......؟"

"قمر کی بات کے جواب میں میرے پاس بھی ایک آپشن تھا مگر پھر میں نے سوچا کہ آپ کو واقعی اس صدمے سے نکلنے کے لیے کچھ عرصہ قمر کی آفر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

"آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟" بجائے اس کے کہ وہ آپشن کے متعلق پوچھتی ایک دم خاصی تلخی سے عمر ہاشم کو دیکھا عمر ذرا سا مسکرا دیا۔

"نہیں میں نے تو قمر کی بات کہی ہے آپ سے......"

"مجھے کہیں نہیں جانا...... ٹھیک ہے قمر بھائی نے اماں کی زندگی میں بھی چند ایک بار بات کی تھی مگر ان کی بیگم نے ہر بار فون کر کے مجھے اور اماں کو جو جو باتیں سنائی تھیں ایسے میں ہم ان کے پاس کیسے چلی جاتیں؟ اب اماں نہیں رہیں اور قمر بھائی چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس چلی جاؤں جبکہ ان کی بیگم نے چند دن یہاں گزار کر دوبارہ آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ مجھے قمر بھائی سے کوئی شکوہ نہیں' وہ بھی اپنی جگہ مجبور ہیں' مگر میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔" عمر کے جواب میں اس نے یہ سب کہا۔

"مگر اس طرح ہر وقت کمرے میں بند رہ کر بھی زندگی نہیں گزرنے والی۔ ٹھیک ہے کچھ وقت لگے گا سنبھلنے میں واپس زندگی کی طرف آنے میں...... آپ کے لیے بہت سے لوگ پریشان ہیں۔ نگہت باجی اور ساجدہ دونوں کے دن میں کئی کئی فون آتے ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں وہ آپ کے متعلق کتنی فکرمند رہتی ہیں۔" حمدہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

"باقر علی گرفتار ہے عدالت جلد ہی فیصلہ سنا دے گی۔ ہمارا کیس بہت مضبوط ہے۔ وہ بچ نہیں سکے گا۔" عمر نے اسے مزید بتایا۔

"قمر کی آفر ایک طرف آپ کے لیے میرے پاس بھی ایک آپشن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر بھی غور کرلیں۔" حمدہ نے سوالیہ نظروں سے عمر ہاشم کو دیکھا۔

"یہ میری ہی نہیں بی بی' ماریہ باجی' نگہت اور ساجدہ کے علاوہ باقی لوگوں کی بھی رائے ہے کہ سادگی کے ساتھ آپ کی رخصتی کا عمل انجام بخیر ہوجائے۔" بات ایسی تھی کہ حمدہ کا چہرہ عرصے بعد پہلی بار کچھ گل رنگ ہوا تھا۔ اماں کے بعد تو یوں لگتا تھا کہ جیسے زندگی ختم ہوچکی ہے' بس' مگر اب عمر کی بات نے اس کے دل کو عجیب انداز میں دوبارہ سے چھوا تو اسے گزرے دنوں میں بہت سے انمٹ لمحے یاد آنے لگے۔ حمدہ کی پلکوں پر بوجھ بڑھ گیا۔

"ابھی اماں کا صدمہ جھیلے مہینہ ہی گزرا ہے۔ اتنی جلدی کیسے...... اماں کے بغیر یہ سب مشکل ہے؟" اماں

کی یاد آتے ہی آنسو پھر بہہ نکلے۔ عمر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں جکڑ لیے۔

"آپ جس طرح اس صدمے کو جان سے لگا کر سب فراموش کیے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں ایسے عالم میں مجھے یہی فیصلہ مناسب لگ رہا ہے۔ چاچی کے حوالے سے مجھے آپ کے جذبات اور احساسات کا ادراک ہے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ سادگی سے انجام بخیر ہو جائے تو بہتر ہے۔"

"یہ بہت مشکل ہے ابھی۔"

"ناممکن تو نہیں؟" عمر آج اس موضوع پر تفصیلی بات کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ وہ مکمل طور پر ہر پہلو کو سوچ کر آیا تھا حمدہ نے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کے حق میں مہربان اور محبت بھری نگاہ لیے منتظر تھا۔ حمدہ کی نگاہ سے وہ نجانے کیا سمجھا تھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے حمدہ کو بازو سے تھام کر مضبوط حصار میں لے لیا تھا۔

"آپ میرے لیے بہت اہم اور بہت خاص ہیں۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی رک نہیں جاتی۔ آپ تو ماشاءاللہ بہت سمجھدار ہیں۔ اتنی جلدی ہمت ہار دیں گی تو پھر باقی زندگی کیسے گزاریں گی۔ آپ میری اولین خواہش ہیں' آپ کو دیکھا اور دل نے آپ کو اپنا مان لیا۔ آپ سے شدت سے محبت کی ہے میں نے' آپ اگر ہزاروں سال انتظار کرنے کو کہیں گی تو میں آپ کی بات کو اہمیت دوں گا' حمدہ اس لیے کہ میں صرف آپ سے محبت نہیں کرتا بلکہ آپ کی عزت بھی کرتا ہوں' آپ کی ذات آپ کی بات میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایسے غم اور دکھ کے عالم میں میں بھلا آپ کو تنہا کیسے چھوڑ دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاچی کی وفات سے ملنے والے اس گھاؤ پر جو مرہم میری محبت اور دلجوئی رکھ سکتی ہے وہ شاید وقت بھی نہ رکھ سکے۔" عمر دھیمے اور سلجھے لہجے میں کہہ رہا تھا' حمدہ عمر کے سینے پر چہرہ ٹکائے شدت سے رو دی۔

ایسی محبت' ایسی توجہ کے وہ بھلا کہاں قابل تھی۔ اور عمر نے اسے رونے دیا وہ خود چاہتا تھا کہ وہ جی بھر کر اس کی پناہوں میں رو لے تاکہ بعد میں مطلع بالکل صاف ہو۔ روز روشن کی طرح صاف شفاف۔ کچھ توقف کے بعد خوب رو دھو کر جی ہلکا ہونے پر اس نے سر اٹھا کر عمر ہاشم کو دیکھا۔

"کیا خیال ہے پھر بی بی سے بات کروں؟" عمر کے سوال پر وہ روتے روتے مسکرا دی اور اپنی ہاں کے اظہار کے لیے بس سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ عمر ہاشم کے مضبوط سینے پر اپنا چہرہ ٹکا دیا تھا۔

"تھینکس آلاٹ...... حمدہ...... تھینک یو سو مچ......"

حمدہ کی ہاں پر ایک دم پرجوش ہوتے عمر نے اس کی صبیح پیشانی چوم لی تھی۔

حمدہ اس وارفتگی پر سٹپٹا گئی۔

"میں آپ کے اس اعتماد کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ اس ہاں کی ہمیشہ پاسداری کروں گا۔" نہایت والہانہ پن میں کہتے بہت شدت سے حمدہ کو اپنی مضبوط پناہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ حمدہ نے عمر کی شدت پسندی پر مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

زندگی نے اس سے بہت کچھ چھینا تھا مگر عمر ہاشم جیسا محبت کرنے والے جیون ساتھی سے بھی تو نوازا تھا۔ اپنے فیصلے پر وہ خود ہی مطمئن تھی۔ عمر اس کے کان میں قدرے جھک کر آہستگی سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا' حمدہ نے اپنی تمام سوچوں کو پس پشت ڈالتے آنکھیں وا کرتے عمر کی محبت بھری سرگوشیوں کو سننے کے لیے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں ٹکا دی تھیں۔

وہ عرصے بعد ہر غم ہر فکر سے آزاد ہو کر زندگی کی خوشیوں کو برتنے پر مطمئن و مسرور تھی۔ اسے یقین تھا کہ عمر ہاشم اسے زندگی کے کسی بھی میدان میں کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا اور یہی یقین دم بدم حمدہ کے چہرے سے غموں کے تفکرات کے بادل مٹاتا محبت کے رنگ بکھیرتا جا رہا تھا۔

بھیگی پلکوں پر

اقرا صغیر احمد

قسط نمبر 32

کانچ کو خالص ہیرا سمجھے، ساری بھول ہماری تھی
اک صحرا کو دریا سمجھے، ساری بھول ہماری تھی
کتنی خوش فہمی تھی ہم کو، ان کی نہ کو ہاں گردانا
وہ کیا بولے ہم کیا سمجھے، ساری بھول ہماری تھی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

طغرل، پری سے اپنے ملن کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ میں ساتھ دینے کا وعدہ لیتا ہے جس پر وہ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ سب اتنا آسان نہیں کیونکہ طغرل کی ماں واضح الفاظ میں پری کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہیں، ان کا رجحان اپنی بھتیجی کی طرف ہوتا ہے۔ مثنیٰ عمرے کی ادائیگی کے بعد واپس آتی ہیں تو پری ان سے ملنے کی غرض سے آتی ہے جبکہ صفدر صاحب اپنے بیٹے کی تلاش میں تھائی لینڈ چلے جاتے ہیں جس طرح مثنیٰ نے ایک طویل عرصہ پری کی جدائی میں گزارا تھا اب وہی فراق صفدر صاحب کے حصے میں آتا ہے، سعود کی صورت میں مکافات عمل ان کے سامنے ہے۔ طغرل اور پری کے رشتے کی بابت دادی بھی متفکر نظر آتی ہیں وہ فیاض صاحب کے اس فیصلہ کو ان کی غلطی قرار دیتے ہوئے ماضی کو دہرانے سے منع کرتی ہیں لیکن فیاض صاحب تمام ذمہ داری مثنیٰ کو سونپ دیتے ہیں جبکہ دادی کی رائے جان کر طغرل کو شدید دکھ پہنچتا ہے کہ وہ اس کا ساتھ نہیں دے رہیں۔

مسز عابدی شیری کو عادلہ سے رشتے کے لیے مجبور کرتی ہیں جس پر وہ انہیں صاف انکار کردیتا ہے اس پر ان دونوں کے درمیان خاصی تلخ کلامی ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف شیری بھی انہیں گھر چھوڑنے کی دھمکی دیتا ہے جبکہ عابدی صاحب ان تمام حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں۔

دلربا کھانے کی ٹرالی احمر غفران کے پاس لاتی ہے اور دونوں مل کر کھانا تناول کرتے ہیں اس کا ارادہ رئیس کو ماہ رخ اور اعوان کے متعلق سب کچھ بتادینے کا ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے ہی زہر آلود کھانا اپنا اثر دکھاتا ہے اور وہ دونوں وہیں موت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔ ذاکرہ ماہ رخ اور اعوان کو پوشیدہ راستے سے بھگانے میں کامیاب ہوجاتی ہے اور وہ بالآخر اپنے وطن لوٹ آتی ہے ایسے میں اپنوں کی جدائی برداشت نہ کرتے ہوئے وہ اعوان سے فوراً وہاں جانے کی بات کرتی ہے لیکن اعوان کے منہ سے یہ سن کر کہ وہ سب اب اس دنیا میں نہیں ہیں شدید صدمے سے دوچار ہوجاتی ہے۔

عابدی صاحب شیری کو اپنے آفس میں بلوا کر اس سے عادلہ کے متعلق رائے لیتے ہیں لیکن وہ پری کے لیے ہامی بھرتا ہے جس پر وہ پری کا رشتہ طغرل سے طے ہوجانے کی بات کرتے ہیں جس پر شیری ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ عابدی صاحب واضح الفاظ میں شیری کو عادلہ کے لیے اقرار کا کہتے ہیں لیکن اس کے انکار پر وہ اسے عاق

کردینے کی دھمکی دیتے ہیں۔

طغرل پری کو اپنے ساتھ ڈنر پر لے جانا چاہتا ہے لیکن وہ اسے صاف انکار کردیتی ہے، مثنیٰ کے سمجھانے پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی طغرل کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوجاتی ہے لیکن راستے میں طغرل کی باتیں اور اس کے والہانہ انداز پری کو عجیب خدشات میں مبتلا کردیتے ہیں۔

اب آگے پڑھیے

☆☆☆

اردگرد سناٹا تھا، اسٹریٹ لائٹس بھی اکادکا روشن تھیں۔ نئی تعمیر ہونے والی عمارتوں میں کہیں کہیں روشنیاں چمک رہی تھیں جو اس اندھیرے کو ختم کرنے کے لیے ناکافی تھیں۔ وہ بے اوسان بغیر دیکھے بھاگ رہی تھی، اونچے نیچے راستوں پر کئی ٹھوکریں لگی تھیں۔ نوکیلے پتھروں سے زخم آئے تھے مگر اسے کسی کی پروانہ تھی، وہ بس وہاں سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ طغرل آوازیں دیتا اس کے پیچھے تیز تیز قدموں سے آرہا تھا۔

"پری...... پری رک جاؤ...... میری بات سنو...... آگے راستہ بہت خراب ہے...... گر جاؤ گی تم......" پری پر اس کی بات کا منفی اثر ہوا تھا، وہ رکنے کے بجائے مزید تیز دوڑنے لگی تھی اور اس کو ڈھلوان کی طرف جاتے دیکھ کر طغرل بدحواس ہوکر دوڑا اور پری کو پکڑنا چاہتا ہی تھا کہ وہ پاؤں سلپ ہونے کی وجہ سے قلابازیاں کھاتی ہوئی گرتی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

اس کے چہرے پر آگ کی سرخی تھی۔ آنکھوں میں گویا شعلے دہک رہے تھے، عابدی صاحب کے سمجھانے اور عاق کردینے کی دھمکی شیری کو اپ سیٹ کرگئی تھی۔ اس نے فوراً آفس سے آکر اپنے سامان کی پیکنگ کی تھی اور مسز عابدی کے کمرے میں آگیا جہاں رجب چائے کے برتن سمیٹ کر جارہا تھا۔

"رجب! میرا سامان روم سے لاکر کار کی ڈگی میں رکھو۔" وہ بارعب انداز میں ملازم سے مخاطب ہوا تھا۔

"جی بہتر چھوٹے صاحب!" وہ کہہ کر چلا گیا۔

"خیریت تو ہے بیٹا، کہاں جارہے ہیں آپ؟" مسز عابدی حیرانی سے گویا ہوئی تھیں۔

"گھر چھوڑ کر جارہا ہوں میں۔" وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

"گھر چھوڑ کر جارہے ہیں، کیوں؟ کیا ہوا ہے شیری؟" وہ حیرانی کا شکار ہوئی تھیں۔ اس کے بگڑے تیور، اکھڑ لہجہ، بھرپور بیگانگی بھرا انداز، وہ ایک دم اجنبی بن گیا تھا۔

"یہ آپ ڈیڈی سے پوچھیے کتنی بے عزتی کی ہے انہوں نے میری۔ وہ باپ میرے ہیں اور فکر ان کو دوسروں کی ہے۔"

"پہلے آپ بتائیں ایسی کیا بات ہوئی ہے جس نے آپ کو گھر چھوڑنے پر مجبور کردیا ہے...... کیا کہہ دیا ہے عابدی نے آپ کو؟" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اس کو قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی مجھے فورس کررہے ہیں کہ میں عادلہ سے شادی کروں ورنہ وہ مجھے جائیداد سے بے دخل کرنے کے ساتھ ساتھ تعلق بھی ہمیشہ کے لیے ختم کردیں گے۔" وہ خفگی بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اچھا اس بات پر آپ نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟''

''یہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہے ممی؟ ڈیڈ نے پری کے کزن کو مجھ پر فوقیت دی ہے وہ کہتے ہیں کہ طغرل ایک آئیڈیل پرسن ہے میرے سے زیادہ ایبل اینڈ جینئس ہے وہ۔''

''تکلیف ہو رہی ہے نا آپ کو...... اپنے ڈیڈی کے منہ سے کسی اور کے لیے تعریف وتوصیف سن کر؟''

''آف کورس ممی! جیلسی فیل نہیں ہوگی مجھے؟''

''اور ہمیں گلٹی فیل ہوتی ہے شیری! آپ کا ہی ہم عمر ہے طغرل بھی اس نے بھی فارن کنٹری میں زندگی گزاری ہے اور آج دیکھیں اس کو اس نے نہ صرف اپنا فیوچر پلان ہے کیا ہے بلکہ فیاض بھائی کا بھی سہارا بنا ہے وہ اور آپ کیا کر رہے ہیں...... کیا ہے آپ کی فیوچر پلاننگ؟ اس عمر میں آپ کو اپنا نام بزنس کی دنیا میں روشن کرنا چاہئے تھا۔''

''ممی آپ بھی ڈیڈی کا ساتھ دے رہی ہیں؟'' وہ کچھ حیرانی ودکھ بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

''ساتھ نہیں دے رہی، سچ کہہ رہی ہوں عابدی عموماً اس بچے کا ذکر کرتے رہتے ہیں مجھ سے، وہ بے حد انسپائر ہیں اس کی محنت سے فراز بھائی بھی کامیاب نامور تاجروں میں شمار ہوتے ہیں لیکن اس نے اپنے ڈیڈ کے نام کا سہارا نہیں لیا۔ اپنا نام خود بنانے کی محنت کر رہا ہے اور آپ کے پاس عابدی کے نام کے علاوہ کیا ہے؟ خدانخواستہ کل کسی بھی حادثے سے بزنس ٹھپ ہو جاتا ہے تو آپ کے پاس کیا ہوگا شیری؟''

❁......❁......❁

نہ دھڑکنیں تھمی نہ دل بند ہوا سانسوں کا رابطہ اسی طرح چلتا رہا تھا، وہ یک ٹک اعوان کے چہرے کو تکتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ ابھرنے لگی اور اس دھندلاہٹ میں اس کا چہرہ گم ہوتا گیا، وہ دھندلاہٹ آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلی۔ لاحاصل خواہشوں نے ایک ایک کر کے اس کی ہر خوشی چھین لی تھی۔ زندگی سزا بن کر رہ گئی تھی اور کچھ نہیں۔

''میں نے تمہیں اسی لیے نہیں بتایا تھا کہ تم برداشت نہیں کر پاؤ گی، تمہارے امی ابو اس رات کے بعد صبح بیدار نہ ہو سکے تھے۔ بہت غیرت مند اور بے حد عزت دار تھے، کس طرح اٹھ کر لوگوں کا سامنا کرتے اور کس منہ سے بتاتے، ان کی بیٹی رسوائی کی کالک ان کے چہروں پر مل کر جا چکی ہے۔ تمہارے چچا چچی بھی زیادہ عرصے زندہ نہیں رہے تھے۔''

''جس رسوائی نے امی ابو کو ہوش میں آنے سے قبل ہی دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیا وہ رسوائی چچا چچی کو بھلا کب تک زندہ رہنے دیتی۔''

''ماہ رخ کچھ تو بولو کھل کر رو، اس طرح خاموش آنسو بہانے سے تمہارا دل......'' اس کی سوچوں سے بے خبر اعوان اس کے قریب آ کر بولا۔ وہ بھرآئے لہجے میں گویا ہوئی۔

''کچھ نہیں ہوگا میرے دل کو بہت ڈھیٹ ہے یہ، جب ان کو چھوڑ کر جاتے ہوئے یہ دھڑکنا بند نہیں ہوا تو اب بھی بند نہیں ہوگا اعوان! مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں تنہائی میں رونا چاہتی ہوں، میرے آنسو میرے گناہ کا کفارہ نہیں بن سکتے لیکن شاید میرے تڑپتے درد دل کا مداوا بن جائیں۔''

''میں جا رہا ہوں، مگر اب یہ آنسو بے مصرف ہی ہوں گے ماہ رخ! اب ان لوگوں کو تمہارے آنسوؤں کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' اعوان نے اس کو رسانیت سے سمجھا جانا چاہا تھا۔

''دعائیں...... مجھ جیسی عورت کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوں گی جو گناہوں کی خاک میں لپٹی ہوئی ہے؟'' اس کی آواز غم سے بوجھل تھی۔

''تم سچے دل سے توبہ کرو گی تو معافی مل جائے گی، توبہ کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں ماہ رخ!''

❁......❁......❁

سناٹے میں اس کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی، وہ چیختی ہوئی ڈھلوان کی طرف لڑھک رہی تھی اور وہ ڈھلوان ایک گہری کھائی میں جا کر ختم ہوتی تھی اور اس کھائی میں بارش کا پانی جمع تھا جس نے چھوٹے سے تالاب کی صورت اختیار کرلی تھی۔ طغرل نے اسے لڑھکتے دیکھ کر کوٹ اتار کر پھینکا اور جست لگادی اور بڑی جدوجہد کے بعد گرتی ہوئی پری کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''کیا حرکت تھی یہ؟'' وہ دونوں بے جان سے ناہموار پتھریلی زمین پر پڑے تھے اس نے چھلانگ لگائی تھی اور دور تک اس کے ساتھ اسے پکڑنے کی سعی میں گھسیٹتا چلا گیا تھا اس دوران اسے بھی خاصے گہرے زخم آئے تھے۔ جو بھی ہوا تھا آناً فاناً ہوا تھا وہ خطرناک اور تکلیف دہ تھا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں کیا چاہتی ہو تم آخر؟ کیوں اتنے تماشے کرتی ہو؟'' اس کی سانس بری طرح سے پھولی ہوئی تھی اس سے بھی زیادہ وہ غصے واضطراب کا شکار تھا۔

''تم کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، مجھے کوئی لفنگا، بدمعاش سمجھتی ہو، تو کیوں آتی ہو میرے ساتھ...... کیوں مجھے اذیت میں مبتلا کرتی ہو؟'' پری اس کے قریب ہی بے دم سی پڑی تھی۔

طغرل کی یاسیت بھری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی اس کی بھاری دلکش آواز اس وقت آہ وسوز سے لرز رہی تھی۔ محسوس ہو رہا تھا وہ اب رو پڑے گا، شدت دکھ سے اس کی آواز نم ہو رہی تھی۔

''کتنا خوش تھا میں یہ یقین ہو گیا تھا مجھے کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو، میری چاہت، میری محبت تمہارے پتھر دل کو موم بنا گئی ہے لیکن...... لیکن وہ سب سہانے سپنے تھے، سراب اور دھوکہ......'' پری کو محسوس ہوا وہ اپنے بال نوچ رہا ہے، خود کو مار رہا ہے وہ خود کو اپنے جذبوں کو گالیاں دے رہا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔ کچھ پتھریلے نوک دار پتھر ابھی بھی اس کی پشت کے نیچے تھے، اس کی نس نس درد سے بھر گئی تھی، زبان سوکھی لکڑی کی مانند خشک تھی جسم کا کوئی بھی حصہ حرکت کرنے کے قابل نہ تھا۔

''آئی ایم اسٹوپڈ...... رئیلی اسٹوپڈ!'' وہ ابھی تک خود سے انتقام لینے میں لگا تھا، پری کو دیکھ نہیں رہا تھا۔

''آہ......'' پری نے اٹھنے کی سعی کی تو بے اختیار اس کے منہ سے درد بھری کراہ نکلی تھی۔ وہ اٹھنے میں ناکام رہی تھی۔

''طغ...... رل......'' درد بھرے لہجے میں بے ربط آواز ابھری تھی۔ اس آواز میں کچھ ایسا ہی احساس تھا کہ طغرل نے مڑ کر دیکھا تھا، آسمان پر چاند پورا تھا۔ چاندنی اس ویرانے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس مدھم روشنی میں اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر پڑی تھی ٹیڑھے میڑھے انداز میں بے حد بے بسی وبے

کسی بھرا انداز تھا۔

"طغرل......" درد میں ڈوبی آواز پھر ابھری تھی۔

"پارس......" اس نے تیزی سے اٹھنا چاہا پھر ٹانگ میں اٹھنے والے شدید تر درد نے لمحے بھر کو اسے سانس لینا بھلا دیا تھا۔

نامعلوم فریکچر تھا یا زخم...... چند لمحے اسے اس شدید ترین تکلیف کو برداشت کرنے میں لگے پھر وہ تکلیف برداشت کر کے کھڑا ہوا اور پری تک پہنچا تو وہ درد سے کراہ رہی تھی۔ اس کو تکلیف میں دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول کر اس پر جھک گیا اور بہت آہستگی سے پری کو سیدھا کیا تھا۔

"مائی گاڈ! تمہارے تو سر سے خون نکل رہا ہے۔" پری کے چہرے پر خون پھیلا ہوا تھا وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی اس کے منہ سے نکلنے والی کراہیں اس کو ہوش میں ظاہر کر رہی تھیں۔

طغرل نے سراسیمہ ہو کر ادھر اُدھر دیکھا مگر وہاں دور دور تک اس کو کوئی مددگار دکھائی نہیں دیا تھا پھر اس نے ایک نگاہ دور کھڑی گاڑی کو دیکھا پھر دوسری نگاہ بے سدھ پڑی پری کو دیکھا اور اس نے پھرتی سے اس کو زمین سے اٹھایا اور پھر اس کی گاڑی تیزی سے اسپتال کی جانب رواں دواں تھی۔

❀......❀......❀
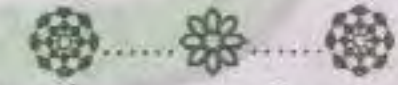
مسلسل ہوتی کال بیل پر زینی نے چولہا دھیما کر کے ایپرن کھول کر ہینگ کیا اور تیز تیز قدموں سے چلتی لان عبور کر کے گیٹ تک پہنچی اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ حقیقتاً آنکھیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔

"السلام علیکم! پھپھو جان! میں فاخر ہوں آپ کا بھتیجا۔" زینی کو گم صم کھڑا دیکھ کر وہ مسکرا کر بولتے ہوئے گیٹ مزید کھول کر اندر آیا اور ٹریول بیگ اندر رکھ کر گیٹ بند کر دیا۔

"اوہ فاخر! میرے بچے۔" زینی نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ان سے لپٹ گیا۔

"تھینکس گاڈ! پھپھو آپ نے پہچان لیا مجھے ورنہ جس طرح سے آپ مجھے دیکھ رہی تھیں میں ڈر رہا تھا دھکے دے کر نہ واپس کر دیں۔" وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے شوخ لہجے میں گویا ہوا۔

"خیر ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا فاخر! آپ کو دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر اس لیے اعتبار نہیں آیا کہ آپ نے واپسی کی راہ نہ چھوڑی تھی۔"

"آئم سوری پھپھو جان! اچھا یہ بتائیں آپ اتنے خوب صورت اور بڑے گھر میں تنہا رہتی ہیں' کوئی ملازم نہیں ہے نہ گیٹ پر چوکیدار ہے میں سمجھ رہا تھا اندر کوئی نہیں ہے اسی لیے بیل پر انگلی رکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اگر آپ پانچ منٹ اور نہ آتیں تو میں جانے والا تھا۔" وہ کمرے میں آ کر بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

"میں تنہا یہاں ہوتی ہوں پھر بھلا ڈھیروں ملازم رکھ کر کیا کروں گی؟" وہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"دو ملازمائیں آتی ہیں دن میں وہ کام کر کے چلی جاتی ہیں البتہ واچ مین فل ڈے نائٹ ہوتا ہے ابھی وہ کام سے مارکیٹ گیا ہے۔"

"سراج انکل یہاں نہیں ہیں' ٹور پر گئے ہیں کیا؟"

"نہوں...... آنے والے ہیں دو تین دنوں میں' یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے' طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ اس کے بے ترتیب بالوں اور بڑھی ہوئی شیو اور سرخ آنکھوں کو دیکھ کر گویا ہوئی تھی لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہ سکا۔

"فاخر سب ٹھیک ہے نا...... اس قدر ڈسٹرب کیوں لگ رہے ہو تم؟" وہ صرف ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا' نگاہیں جھک گئی تھیں۔

"اوہ میں بھی کتنی بے وقوف ہوں' پانی کا بھی نہیں پوچھا تم سے' میں ابھی پانی لے کر آتی ہوں۔" اس کو از حد سنجیدہ اور بکھرا بکھرا دیکھ کر وہ کانپ اٹھی تھیں سو بہانے سے وہ وہاں سے اٹھی اور پانی کا گلاس لے آئیں۔

"لو پانی پیو ارے یہ کیا تم نے جوتے بھی نہیں اتارے؟ جوتے اتار کر آرام سے بیٹھو میں کافی بنا کر لاتی ہوں' ڈنر میں بتا دو کیا کھاؤ گے؟ چکن کڑاہی بنائی ہے میں نے تمہارے لیے پاستا بناؤں' یا اسپیگھیٹی کھاؤ گے؟" وہ خوشی بوکھلاہٹ و پریشان کن تجسس کا بیک وقت شکار تھیں۔

"آپ اتنا پریشان نہ ہوں پھپھو جان' میں کئی راتوں سے سویا نہیں ہوں' ابھی میں سونا چاہتا ہوں' اٹھ کر آپ کو سب سچ سچ بتاؤں گا۔"

❀......❀......❀

طغرل نے اسپتال پہنچنے کے بعد معید کو کال کی اور حسب توقع وہ جلد ہی ہسپتال پہنچ گیا اور طغرل اسے گیٹ کے پاس ہی مل گیا تھا۔

"اوہ شکر ہے اللہ کا' تمہیں بظاہر تو ایسی کوئی ڈینجرس چوٹ نہیں آئی' پری کی حالت کیسی ہے اب؟" وہ طغرل سے لپٹتے ہوئے گویا ہوا۔

"اس کے سر میں گہرا زخم لگا ہے ٹانکے آئے ہیں' ویسے وہ نارمل ہے جسم میں معمولی نوعیت کے زخم ہیں۔"

"ہوش میں ہے وہ ابھی؟" معید خاصا متفکر تھا۔

"ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن دیا ہے اب سو گئی رہی ہے' وہ کافی بے چین و درد محسوس کر رہی تھی۔" طغرل کی چال میں خاصی لڑکھڑاہٹ تھی جیسے زبردستی ٹانگ کو گھسیٹ کر چلنا پڑ رہا ہو معید نے تشویش دیکھا تھا اور گویا ہوا۔

"چوٹ تمہیں بھی خاصی لگی ہے' ٹانگ کا ایکسرے کروایا کہیں فریکچر نہ ہو گیا ہو؟" وہ اس کو سہارا دیتا ہوا گویا ہوا۔

"ہاں' فریکچر نہیں ہے زخم کے ساتھ سوجن ہو گئی ہے۔" وہ لان میں رکھی بنچوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے۔

"پری کو کب تک ہوش آ جائے گا کیا ایڈمٹ کر لیا ہے اسے؟"

"نہیں ابھی نرسز اس کے جسم پر لگے زخموں کی ڈریسنگ کر رہی ہیں' ایک گھنٹے بعد ہوش میں آ جائے گی وہ اس کی کنڈیشن دیکھ کر ڈاکٹرز ڈیسائیڈ کریں گی۔" اس کا لہجہ تکلیف سے بھرا ہوا تھا۔

"مجھے تم بھی بے حد تکلیف میں لگ رہے ہو' یہاں بیٹھنا بہتر نہیں ہے ایک بار پھر بہترین طریقے سے تمہارا چیک اپ کرواتا ہوں چلو پلیز مجھے تم بہت تکلیف میں محسوس ہو رہے ہو۔"

"میں ٹھیک ہوں یار! ڈاکٹر نے پین کلر دیئے ہیں مجھے کچھ دیر بعد آرام آ جائے گا' تم فکر مت کرو ٹھیک ہوں میں۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

"تم مجھ سے کہہ رہے تھے معمولی سا حادثہ ہوا ہے مگر کار تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے اور تم دونوں کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" معید اس کی طرف دیکھتے ہوئے الجھن بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"معمولی سا ہی حادثہ تھا گاڑی کو نقصان نہیں پہنچا۔"

"کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے طغرل! جس کو تم معمولی حادثہ کہہ رہے ہو یہ معمولی حادثہ نہیں ہے بظاہر دکھائی نہ دینے والی چوٹیں عموماً دکھائی دینے والی چوٹوں سے زیادہ خطرناک و تکلیف دہ ہوتی ہیں' تم لاکھ چھپاؤ مگر میں دیکھ رہا ہوں تم بے حد تکلیف میں ہو۔"

"تم مجھے بھول جاؤ پہلے اس پرابلم کو سولو کرو' کہ ہماری اسپتال میں موجودگی کا کسی کو علم اس وقت تک نہ ہو تب تک ہم گھر نہ پہنچ جائیں' دادی جان بے حد پریشان ہو جائیں گی' سن کر۔"

"تم کسی کو انفارم کر کے نکلے تھے گھر سے پری کو گھر لانے کے لیے جا رہے ہو؟ خیر تم ایسا کم ہی کرتے ہو۔" اپنے آخری جملوں پر وہ مسکرایا تو طغرل نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔

"آف کورس' تمہارا آئیڈیا درست ہے' ہمارا ڈنر کا پروگرام تھا پھر لانگ ڈرائیو' میں نے سوچا واپسی میں نامعلوم کتنا ٹائم ہو جائے اور ہمارے ویلکم کے لیے دادی جان جوتے تیار رکھیں' اس ڈر سے میں نے ان کو انفارم نہیں کیا تھا اور میرا وہ فیصلہ کسی طرح بھی غلط ثابت نہیں ہوا۔"

"ہوں ٹھیک کہہ رہے ہو' ورنہ ابھی تک سب اسپتال پہنچ چکے ہوتے' اب تم مجھے بتاؤ اصل قصہ کیا ہے؟ تمہاری حالت تمہارے یہ کپڑے جو جگہ جگہ سے اس انداز میں پھٹ ہوا ہیں گویا تم نے کسی ایسی جگہ پر قلابازیاں کھائی ہوں' جہاں نوکیلی چیزیں پڑی ہوں۔" معید کے صحیح تجزیے پر اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہوں درست کہہ رہا ہوں نا میں' کہاں گرے ہو تم اور کس طرح؟ تم جیسا بندہ جو بہت سنبھل کر مضبوطی سے پاؤں جما کر چلتا ہو وہ بھلا کس طرح گر سکتا ہے؟" اس کے لہجے میں خاصا اضطراب و بے چینی ابھر آئی تھی۔

"میں کافی اور ساتھ کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں' تم ریلیکس ہو کر بیٹھو' پھر مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟" وہ اٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

❁......❁......❁

دکھ پر آنسو چھلک پڑتے ہیں مگر مداوا نہیں بن سکتے۔ آنسو اس نے بھی بے تحاشا بہائے تھے اور دل بوجھل ہوتا چلا گیا تھا۔ احمر غفران کے محل کی قید سے چھٹکارا ملنے کے بعد راستے بھر وہ یہی سوچتی آئی تھی کس طرح امی ابو کا سامنا کرے گی؟ کیسے چچی چچا کے سامنے جائے گی اور گلفام سے کس طرح نگاہ ملا پائے گی؟ مگر اپنوں نے ہمیشہ ہی اسے مشکلات سے بچایا تھا کبھی اس کو اپنے سامنے شرمندہ ہونے کا موقع نہیں دیا تھا اب بھی انہوں نے اپنی محبت کی لاج رکھی تھی اس کے نگاہیں چرانے سے پہلے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کر چکے تھے' جانے کے بعد بھی وہ اس کو سرخروئی عطا کر گئے تھے۔

"یہ وہ راستہ تو نہیں ہے اعوان! جو میرے گھر کو جاتا ہے یہ کوئی اور راستہ ہے وہاں کی گلیاں بہت تنگ ہیں

کچا راستہ بہت زیادہ ہے اور میرے گھر سے پہلے بھینسوں کا باڑہ آتا ہے سرِ شام وہاں دودھ خریدنے والوں کی لائنیں لگ جاتی ہیں۔" اس کے اصرار پر اعوان اسے اس کا گھر دکھانے لے جا رہا تھا اور وہ خوشی و غم کی موجوں میں ڈوبتی ابھرتی ماضی کے جھروکوں میں جھانک رہی تھی جہاں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی۔ اعوان نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا وہ روتے ہوئے ہنس رہی تھی آف وہائٹ کڑھائی والے سوٹ میں اس کے چہرے کی پرسوز خوب صورتی نمایاں تھی۔ وہ نوخیزی کی عمر سے نکل چکی تھی مگر دس سال بعد بھی اس کی خوب صورتی کم نہ ہوئی تھی اس کا میچور حسن اعوان کو اتنا ہی اپیل کر رہا تھا جتنا دس سال پہلے کالج گرل کے روپ میں کرتا تھا۔

"وہ سب خواب بن گیا ہے ماہ رخ! یہ وہ ہی جگہ ہے جہاں کبھی باڑہ ہوا کرتا تھا وہ گلیاں اور محلہ...... محلے میں موجود تمہارا گھر وہ دیکھو سامنے جگمگاتا ہوا جو پلازہ دکھائی دے رہا ہے اور دیکھو فرنٹ پر نام بھی موجود ہے کاشانہ رحمت یہ تمہارا گھر ہے۔"

"یہ...... میرا گھر......؟" اس نے ازحد حیرت سے اس جگمگاتے کاشانہ رحمت کو دیکھا پھر آس پاس کے علاقے کو یہ ایک فوڈ اسٹریٹ تھی شاندار دکانیں اور اسٹالز لگے ہوئے تھے سامنے کشادہ سڑکیں تھیں سائیڈ میں پارکنگ تھی جو رنگ برنگی گاڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہنستے مسکراتے کھاتے پیتے خوش باش لوگوں کا جم غفیر تھا وہاں۔

"یہ میرا محلہ میرا گھر...... کیسے ہوسکتا ہے اعوان! وہاں تو بہت بدحالی تھی غربت تھی یہ تو کوئی اعلیٰ ترین پوش علاقہ ہے۔" وہ ماضی و حال کے درمیان ڈوب اور ابھر رہی تھی۔

"یہ سارا علاقہ ایک بڑے بلڈر نے خرید لیا تھا اور اس کی کاوشوں نے اس علاقے کو بدل کر رکھ دیا ہے۔"

"گلفام کہاں ہے؟" وہ ایک دم چونک کر گویا ہوئی تھی۔

❁......❀......❁
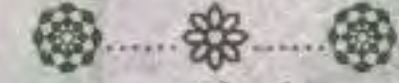
زینی نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا تھا وہ ابھی بھی بے خبر سو رہا تھا ساری رات گزر چکی تھی اور اب صبح بھی دوپہر میں ڈھلنے والی تھی لیکن اس کی نیند نہیں ٹوٹی تھی ان کے اندر ابھرنے والی بے چینی وحشت میں بدلنے لگی تھی ایسا کیا ہوا تھا اس کے ساتھ جو اس جیسا رکھ رکھاؤ والا بندہ اپنی سدھ بدھ ہی بھول بیٹھا تھا؟

"کیا کروں؟ آپی کو اطلاع کروں یا عائزہ کو بتاؤں فاخر کے آنے کی؟ نہیں ابھی مجھے اس کے اٹھنے کا انتظار کرنا چاہیے خدا جانے اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے؟ وہ چہرے سے ہی بے حد پریشان اور بددل دکھائی دے رہا ہے۔ بہت ٹوٹا بکھرا ہوا پھر نہ جانے اس نے عائزہ کے خلاف کوئی فیصلہ کیا ہو کئی ماہ گزر گئے اس نے پلٹ کر خبر ہی نہیں لی تھی عائزہ کی۔"

"گڈ مارننگ پھوپو جان! یہ اتنی گہرائی میں ڈوب کر کیا سوچا جا رہا ہے؟" وہ فاخر کی آواز سن کر چونک کر پلٹی تھیں۔ وہ برابر آبیٹھا تھا۔

"اوہ ماشاء اللہ بہت اچھی نیند آئی تمہیں۔"

"جی ہاں اسی لیے میں گھر جانے کے بجائے آپ کے پاس چلا آیا کہ ممی کے بعد مجھے آپ کے پاس ہی

سکون میسر آسکتا ہے۔" اس کے لہجے میں اداسی رچی ہوئی تھی۔

"آپ فریش ہوگئے ہیں چلیں پہلے ناشتا کرلیں ہم پھر سکون سے بیٹھ کر باتیں کریں گے فاخر میں رات سے آپ کے لیے اپ سیٹ ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے اپنے دل کی حالت بیان کر بیٹھی تھیں۔

"میں نے آکر آپ کو بھی پریشان کردیا ہے پھوپو جان!" اس کے لہجے میں شرمندگی و تاسف تھا۔

"ارے کیسی باتیں کرتے ہو میرے بچے! میں تمہارے آنے سے پریشان نہیں ہو بلکہ تمہیں پریشان دیکھ کر بے چین ہوگئی ہوں ناشتے میں کیا لوگے؟ تمہاری وجہ سے میں نے صرف بیڈ ٹی پی ہے۔"

"آئم سوگلٹی، چلیں میں بھی آپ کی ہیلپ کراتا ہوں بریک فاسٹ بنانے میں ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی آپ کو بتاتا جاؤں گا جو میں صرف ابھی آپ سے ہی کرنے آیا ہوں۔"

❁......❀......❁

ہوش میں آنے کے بعد وہ خود کو بہتر فیل کر رہی تھی ڈاکٹر نے مطمئن ہوکر گھر جانے کی اجازت دے دی تھی اس دوران معید اس کے پاس ہی رہا تھا۔ طغرل کا دور دور تک پتا نہ تھا معید اس کو سہارا دے کر کار تک لایا تو وہ فرنٹ سیٹ پر براجمان دکھائی دیا تھا سیٹ سے ٹیک لگائے بڑے بیگانہ انداز میں بیٹھا تھا۔ معید نے احتیاط سے اس کو سیٹ پر بیٹھنے میں مدد دی جبکہ اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔

"پری! میں نے عائزہ کو صورت حال سے آگاہ کردیا ہے وہ تمہارا خیال رکھے گی تم پریشان مت ہونا۔ نانی جان کو میں سمجھا دوں گا۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے معید اس سے مخاطب ہوا۔

وہ ابھی بھی دواؤں کے زیراثر غنودگی میں تھی جواباً صرف "ہوں" کر کے رہ گئی اور اس کی ہوں پر طغرل نے چونک کر بیک مرر میں دیکھا ڈریسنگ اس کی پیشانی کو ڈھانپے ہوئے تھی آنکھیں بند تھیں پورے چہرے پر خراشوں کے نشانات تھے جن سے اٹھتی ٹیسوں نے شاید اسے بری طرح نڈھال کر ڈالا تھا۔

"چند گھنٹوں قبل وہ کتنی خوب صورت لگ رہی تھی پہلی بار وہ میرے لیے سنوری تھی نکھری تھی اور دل کو بے قرار کر گئی تھی کتنا خوش تھا میں دل تو پہلے ہی فریبی بن گیا تھا آج تو یہ بالکل ہی تمہارا اسیر بن بیٹھا ہے شاید میری ہی نظر تم کو لگ گئی ہے پارس! جو اس حال میں تم کو دکھائی دے رہی ہو۔" دوسرے ہی لمحے وہ اس سے اپنی شدید ترین ناراضی بھول کر بے چینی محسوس کرنے لگا وہ یک ٹک بیک مرر سے اسے دیکھ رہا تھا جو اس کی نگاہوں سے بے خبر گہری غنودگی میں چلی گئی تھی۔

"اوں ہوں...... صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔" اس کی محویت دیکھ کر معید کو کھنکار کر اپنی موجودگی ظاہر کرنی پڑی۔

"ناراضی کا دعویٰ بہت کرتے ہو لیکن ناراض رہ نہیں سکتے۔" وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"شاید محبت انسان کو اتنا کمزور بنا دیتی ہے میری طرح بے اختیار میں کچھ کرنا بھی چاہوں تو زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہوں۔ ہر بار پارس کی بے اعتباری و بداعتمادی میرے اندر شرمندگی و اذیت پیدا کردیتی ہے اور جب یہ میرے سامنے آتی ہے میں سب بھول جاتا ہوں سارے عہد تمام خفگی ہوا ہو جاتی ہے۔" وہ مرر سے نگاہیں ہٹا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''محبت کے وائرس تمہارے اندر کتنی بہت شدت سے گھس گئے ہیں' اس کا اندازہ اب مجھے ہوا ہے میرے اللہ مجھے اس قسم کی محبت سے بچا کر رکھنا۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''اس قسم کی محبت تم جیسا بندہ ہی افورڈ کرسکتا ہے جہاں محبت میں منزل کے سامنے جا کر ہی ایسا راستا تا ہو' جو واپس منزل سے دور پہلی راہ پر لا کھڑا کردیتا ہو۔'' اس کے گھبرانے پر وہ مسکرا کر خاموش ہوگیا' البتہ اس کی نگاہیں بار بار بیک مرر پر ہی بھٹک رہی تھیں۔

❁ .... ❁ .... ❁
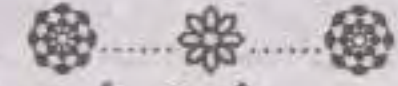
''عابدی! آپ کو شیری کے ساتھ اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی وہ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے' کسی دوسرے کی کامیابیوں کو تھپڑ کی طرح اس کے چہرے پر مارنے کی بجائے' ہمیں بہت پیار سے اسے اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا چاہیے۔'' رات شب خوابی کے ڈریس میں وہ بیڈ پر دراز ہوئے تو مسز عابدی نے اپنے مخصوص دھیمے و نرم لہجے میں ان سے کہا۔

''اچھا صاحب زادے نے شکایت کی ہے؟'' ان کی طبیعت کا خیال کر کے وہ بے تاثر لہجے میں گویا ہوئے۔

''شکایت نہیں کی' وہ گھر چھوڑ کر جا رہے تھے۔''

''وہاٹ...... اس کی اتنی ہمت' وہ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی دے؟'' وہ شدید غصے کے باعث اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''وہ ایک بار کیا ہزار بار بھی گھر چھوڑ کر جائے ایسی خودسر اولاد کی قطعی پروا کرنے والا نہیں ہوں میں نور جہاں! تم نے روکا ہوگا اس کو جانے دیتیں کیوں روکا؟''

''پلیز عابدی! اتنا ہائپر مت ہوں' ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں اگر بابا نے کوئی ایسی ویسی حرکت کرلی یا ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر چلے گئے تو کہاں ڈھونڈیں گے ہم اپنے اکلوتے بیٹے کو' آپ کے اس رویے نے ویسے ہی اس کو بے حد دکھی کردیا ہے۔'' عابدی صاحب کو از حد اشتعال میں دیکھ کر وہ رو پڑی تھیں۔

''نور جہاں پلیز روؤ نہیں' ماؤں کے یہ آنسو اولاد کو بگاڑنے کا باعث ہوتے ہیں۔'' وہ قدرے نرمی سے گویا ہوئے۔

''میں کیا کروں عابدی! میں اب بیٹے کی جدائی برداشت نہیں کرپاؤں گی۔'' عابدی نے ان کو قریب کر کے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں اپنے بیٹے سے پیار نہیں کرتا؟ یہ سب میں اس کے بھلے کے لیے کر رہا ہوں۔''

''لیکن یہ طریقہ مناسب تو نہیں ہے اور نہ ہی وہ کوئی بچہ ہے' جس کو زبردستی ڈانٹ ڈپٹ کر ہم اپنی مرضی پر چلنے پر مجبور کریں آپ کو کچھ ٹائم دینا چاہیے اس کو فیصلہ کرنے کے لیے آفٹر آل یہ شیری کی ساری لائف کا معاملہ ہے۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''میں نے یہی کہا ہے شیری سے وہ خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیں' اپنے اور عادلہ کے ریلیشن کے بارے میں' وہ کتنا بھی ٹائم لے میں دینے کو تیار ہوں' مگر فیصلہ اسے عادلہ کے حق میں ہی کرنا ہوگا۔'' ان کا انداز بے

لچک و سخت تھا۔

''خواہش تو میری بھی یہی ہے لیکن وہ عادلہ کا نہیں پری سے شادی کا خواہش مند ہے میرے ہزار سمجھانے پر بھی نہیں مانا۔'' انہوں نے بھی نگاہیں جھکا کر گویا اعتراف جرم کیا۔

''اس سے بڑھ کر بھی کوئی پاگل پن کی حرکت ہوسکتی ہے اور یہ بات فیاض برداشت کرسکے گا؟'' وہ غرا کر بولے۔

❁ .... ❁ .... ❁

''میری بچی کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' اسے جاگتے دیکھ کر دادی نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا' وہاں موجود عائزہ بھی اس کے قریب بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''بہتر ہے دادی جان!'' اس کی آواز خاصی بوجھل و دھیمی تھی۔

''آواز سے تو نہیں لگ رہا تمہاری تکلیف کم ہوئی ہے چہرہ بھی خاصا سوجھ گیا ہے اور سر کا زخم نا جانے کتنا گہرا ہوگا؟'' اس کے سر پر بندھی ڈریسنگ چہرے' ہاتھوں اور پیروں پر پڑی خراشوں اور زخموں کو دیکھ کر وہ سخت پریشان تھیں۔

''دادی جان! آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں' یہ سب معمولی زخم ہیں دو چار دنوں میں مندمل ہوجائیں گے۔''

''عائزہ ٹھیک کہہ رہی ہے دادی جان! بہت معمولی سی چوٹیں آئی ہیں چند دنوں میں ٹھیک ہوجاؤں گی آپ بالکل بھی فکر نہیں کریں' میری تکلیف بہت کم ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دینے کی سعی کی۔

''اللہ میرے تمام بچوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے' ہر دکھ' مصیبت' پریشانی و تکلیف سے بچائے۔ پروردگار نے میرے بچوں پر بہت اپنی رحمت کی ہے جو بڑے حادثے سے بچالیا' مجھے تو یہی چوٹیں زیادہ لگ رہی ہیں' جن کو سب معمولی کہہ رہے ہیں۔'' ان کی نگاہیں برسنے کو تیار تھیں مگر پری کو بھی رونے کے لیے تیار دیکھ کر انہوں نے اپنے آنسوؤں پر ضبط کیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تم گھبراؤ نہیں' میں نے شکرانے کے نفل بھی پڑھ لیے اور صدقہ بھی تم دونوں کا دے دیا ہے۔ صدقے سے ہر بلا ٹل جاتی ہے جا کر ذرا طغرل کو بھی دیکھوں' وہ ظاہر نہیں کر رہا ہے مگر چوٹیں اسے بھی بہت آئی ہیں۔ اترا ہوا چہرہ اس کی تکلیف بتا رہا ہے۔'' وہ بولتی ہوئیں آہستہ آہستہ اس کے کمرے سے چلی گئی۔

''کیسا فیل کر رہی ہو پری! درد زیادہ تو نہیں ہو رہا؟'' دادی کے جانے کے بعد عائزہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''بس سر میں درد ختم نہیں ہو رہا ویسے میں ٹھیک ہوں۔'' وہ اس کا سہارا لے کر نیم دراز ہوئی عائزہ نے اس کے سر کے نیچے کشن رکھ دیا۔ وہ بڑی محبت سے اس کا خیال رکھ رہی تھی۔

''کچھ کھاؤ گی پری! تم نے رات سے جوس کے علاوہ اور کچھ نہیں لیا۔''

''ابھی کسی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔''

''دل تو تمہارا ایسا ہی ہے میں ابھی چکن سوپ اور بریڈ لے کر آتی ہوں زبردستی کھلاؤں گی تم کو ابھی میڈیسن

بھی کھانی ہے۔"

"پلیز...... عائزہ کچھ دیر بعد کھالوں گی۔ تم ایک بات بتاؤ۔" اس نے عائزہ کا ہاتھ پکڑ کر جانے سے روکتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... پوچھو۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"وہ...... طغرل کے چوٹیں زیادہ آئی ہیں کیا؟" وہ ایک عجیب سی جھجک کا شکار تھی اور طغرل کا نام لیتے ہوئے اسے بہت اکورڈ سا فیل ہو رہا تھا۔

"تمہاری جیسی ہی ان کی چوٹیں ہیں مگر جس طرح تمہارے سر پر زخم آیا ہے بالکل اسی طرح ان کی دائیں ٹانگ بھی زخمی ہے۔ تمہیں ایسی بے وقوفی کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی پری، وہ تمہیں ڈنر پر لے کر جارہے تھے اگر تم کو جانا نہیں تھا تو منع کردیتیں۔ ان کے ساتھ نہیں جاتیں، سمجھ نہیں آئی تمہیں کار سے اترنے کی اور پھر وہاں اندھیرے میں بھاگنے کا خیال کیوں آیا بھلا؟"

"اچھا تمہیں سب معلوم ہوچکا ہے تو پھر یہ تم نے معلوم نہیں کیا ڈنر کے لیے ہوٹل لے جانے کے بجائے وہ مجھے اس ویرانے میں کیوں لے جارہے تھے ان کے راستہ بدلنے کا مقصد کیا تھا؟" اس کے لہجے میں بے اعتباری و بے اعتمادی رچی بسی تھی۔

"میں نے پوچھا تھا ان سے لیکن تم بتاؤ...... تم کیا سمجھی تھیں تمہیں وہاں لے جانے کا مقصد کیا تھا طغرل بھائی کا؟" عائزہ نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔

"کیا مقصد ہوسکتا ہے ان کی نیت میں فتور میں بہت پہلے نوٹ کرچکی تھی۔ بہانے بہانے سے وہ مجھ سے قریب ہونے کی کئی بار کوشش کرچکے ہیں اور ہر بار میں نے پکڑا تو وہ بڑی معصومیت سے اپنا دامن بچا کر انجان بن جاتے تھے اور کل بھی انہوں نے ایسا ہی کچھ کرنے کی ٹھانی تھی۔" بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرآ گئی تھی۔

"ان کی حرکتوں سے مجھے پہلے کچھ شبہ ہوا تھا اور جب انہوں نے گاڑی اس ویرانے کی طرف موڑی تو مجھے یقین ہوچلا تھا اور میں نے کار کا دروازہ کھولا اور دوڑ لگادی۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ رو پڑی تھی۔

"اف خدایا...... پری تم نے تو بدگمانی و بے اعتباری کی انتہا کردی ہے ابھی جو کچھ بھی تم نے کہا ہے طغرل بھائی کے متعلق وہ سراسر بداعتمادی و غلط فہمی ہے تمہاری وہ اس قسم کے بندے نہیں ہیں نا معلوم تمہیں کیوں ان کے خلاف اس طرح کی بدگمانی ہوگئی ہے؟ وہ بے حد شریف و مضبوط کردار کے مالک ہیں اور پھر اگر ان کو ایسا ہی کچھ کرنا ہوتا تمہارے ساتھ تو وہ کیوں تم سے شادی کرنے کے لیے خوار ہوتے؟ تمہیں پانے کے لیے انہوں نے کبھی دادی جان کی منتیں کیں، کبھی اپنی مما سے التجائیں تو کبھی پاپا کو قائل کرنے میں لگے رہے اور تم......؟" عائزہ جذباتی انداز میں بولتی چلی گئی۔

"وہ سب دکھاوا اور بکواس تھی اپنی اصلیت چھپانے کا طریقہ تھا۔" وہ اسی طرح بدگمان انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم کیوں ایسی باتیں کررہی ہو...... وہ ایسا کیوں کریں گے بھلا؟"

"میں ان کو لوٹ کا مال لگتی ہوں...... لاوارث اور تنہا۔"

"پری...... دماغ خراب ہوچکا ہے تمہارا جو اس طرح کی بہکی بہکی باتیں کررہی ہو، کس قدر سطحی سوچ ہے تمہاری کتنے پراگندہ ذہن کی مالک ہو تم...... تم کتنی سنگدلی سے طغرل بھائی پر الزام لگارہی ہو ارے وہ تو تمہیں اپنا بنگلہ دکھانے لے جارہے تھے۔ انہوں نے وہاں اپنا پورشن علیحدہ سے بنوایا ہے وہ تمہیں دکھا کر سرپرائز دینا چاہتے تھے۔" عائزہ کے انکشاف پر وہ بھونچکی سی رہ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم......؟"

❁......❁......❁

اعوان کے روز و شب گلفام کو تلاش کرنے میں گزر رہے تھے۔ جب اس سے اعوان کی ملاقات ہوئی تھی وہ اسی گھر میں مقیم تھا ماں اور پھر باپ کے یکے دیگرے اموات کے باعث وہ خاصا دکھی و بکھرا سا گیا تھا۔ اعوان نے دیوانگی بھرے انداز میں اپنی اور ماہ رخ کی محبت اور بے وفائی کی داستان اس کو سنائی تھی اور اس کے لب خاموش رہے تھے مگر اس کی بھوری آنکھوں کی شفاف سطح پر کئی ستارے ٹوٹ کر بکھرتے دیکھے تھے پھر وہ خاموش ہوگیا تھا نگاہیں جھک گئی تھیں دوبارہ اس سے ملاقات کرنے کی اس نے ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ اب ماہ رخ کی خواہش پر وہ اس علاقے میں گیا تھا اور اس علاقے کو بالکل ہی بدلا ہوا پایا تھا اور ڈھونڈنے سے بھی گلفام نہیں ملا۔

"میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے مگر ناکام رہا ہوں۔ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اس نے اپنا وہ آبائی گھر بلڈر کو خاصے مہنگے داموں فروخت کیا تھا اور پھر کہاں گیا یہ کوئی نہیں جانتا۔" اس نے کھانے کے دوران ماہ رخ کو آگاہ کیا۔

"کہاں چلا گیا گلفام کہاں جاسکتا ہے؟ وہ تو تنہائی سے گھبراتا تھا اکیلے رہنے کی عادت نہیں تھی اسے، پھر سب نے ہی اسے تنہا چھوڑ دیا اور وہ تنہائی سے گھبرا کر ہی کہیں چلا گیا ہے۔" چائنیز رائس کی پلیٹ اس نے بددلی سے آگے سے ہٹادی۔

"ماہ رخ! اس طرح کھانا چھوڑنے سے گلفام نہیں ملے گا بلکہ تم کمزوری کا شکار ہوجاؤ گی میں اپنی پوری کوشش کررہا ہوں اسے تلاش کرنے کی اگر وہ اس ملک میں ہے تو مل جائے گا۔" اعوان نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"وہ ملک چھوڑ کر کہاں جائے گا۔ وہ تو کبھی شہر سے باہر نہیں گیا تھا۔" اس نے پانی پی کر گلاس رکھتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ماہ رخ یہ سب دس گیارہ سال پرانی باتیں ہیں ان گزرے سالوں میں جب سب کچھ بدل گیا ہے تو...... گلفام کی عادات و مزاج بھی شاید بدل گیا ہوگا وہ تنہائی سے گھبرا کر مڈل ایسٹ کی طرف نکل گیا ہو یا اس نے شادی کرلی ہو اور اپنی فیملی میں مگن ہو۔" اسے سمجھانے کی سعی کررہا تھا۔

"ایسا ممکن نہیں ہے گلفام شادی کرکے یا ملک سے باہر چلا جائے۔ وہ بے حد وطن پرست تھا اس نے صرف دو محبتیں کی تھیں ایک اپنی مٹی سے اور دوسری ماہ رخ سے......!" لقمہ اس کے حلق میں اٹکنے سا لگا وہ اس

کے قریب تھی درمیان میں صرف ٹیبل کا فاصلہ تھا وہ چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر چھوسکتا تھا اسے مگر یہ فاصلہ پوری زندگی سے بھی بڑھ کر لگا۔

"ارے کیا ہوا اعوان! تم نے بھی اپنی پلیٹ میں یونہی کھانا چھوڑ دیا ہے میری کوئی بات بری لگی کیا؟" وہ اس کو پلیٹ کھسکاتے دیکھ کر پریشان لہجے میں گویا ہوئی۔

"نہیں...... تمہاری ایسی کوئی بات نہیں ہے جو بری لگے مجھے۔"

"پھر کھانا کیوں چھوڑ دیا؟" وہ پریشان ہوئی۔

"اگر گلفام کا پتا نہ چلا تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے تمہارا؟" وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا۔

❁......❁......❁
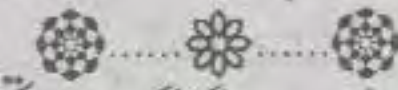
"بہت برا ہوا تمہارے ساتھ بیٹا۔" اس کی ساری گفتگو بے حد تحمل سے سننے کے بعد وہ افسردہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"میں نے عائزہ کے ساتھ غلط کیا وقت نے میرے ساتھ غلط کیا میں نے عائزہ کو بچ کی سزا دی تقدیر نے مجھے سزا دی میں یہ بھول گیا تھا کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے میں نے عائزہ سے انتقام لینے کے لیے اپنی کولیگ رمشہ سے شادی کرنی چاہی تھی اور وہ کیا نکلی؟"

"چھوڑو بیٹا ان باتوں کو یہ وہ زخم ہے جس کو جتنا کریدو گے درد بڑھتا ہی جائے گا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے تمہیں اس فراڈی عورت سے بچالیا۔" وہ ٹیبل سے ناشتے کے برتن سمیٹ کر سنک میں رکھتے ہوئے بولیں۔

"دراصل پھپھو جان بے وقوف وہی لوگ ہوتے جو خود کو بہت زیادہ اسمارٹ سمجھتے ہیں جیسے کہ میں خود کو سمجھتا تھا۔"

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا یہ سب سے اچھی بات ہے ٹھوکر کھا کر گر جانا کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے کچھ ٹھوکریں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ کے لیے گرنے سے بچاتی ہیں پھر وہ انسان سب سے زیادہ نالائق ہے جو اپنی غلطیوں سے بھی سبق نہ سیکھے اور گمراہ ہی رہے۔" وہ اس کے ہمراہ کچن سے باہر نکل آئی تھیں۔

"آپ مجھے ایڈوائز دیں کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔"

"میں کیا ایڈوائز دوں فاخر، میں نہیں جانتی تم کیا کرنا چاہتے ہو، کیا ارادے ہیں تمہارے کچھ بتاؤ گے تو پھر ہی کچھ بتا سکوں گی۔" وہ لاؤنج میں اس کے روبرو بیٹھ گئی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا رمشہ کے برتاؤ نے ڈس ہارٹ کردیا ہے۔"

"تمہارے دل میں عائزہ کے لیے کوئی جگہ ہے معاف کرچکے ہو اس کی نادانیوں کو یا وہ ابھی بھی مجرم ہے تمہاری نگاہوں میں؟"

"میں فیصلہ نہیں کرپارہا پھپھو جان۔"

"کیا مطلب...... کیسا فیصلہ......!" وہ چونک کر بولیں۔

"عائزہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا وہ معاف کردے گی مجھے پھر صباحت پھپھو کے سامنے کس طرح

جاپاؤں گا میں، انکل اور ان کی والدہ سب کو کس طرح فیس کروں گا میں؟" وہ الجھن بھرے لہجے میں بولا۔

"پہلے تم اپنی نیت صاف کرو، عائزہ نے جو کچھ تمہیں بتایا تھا اپنے اور راحیل کے متعلق وہ سب بھول جاؤ گے تم؟"

"اس کی زندگی میں راحیل تھا اب میری زندگی میں بھی تو رمشہ کی بے وفائی و مکاری کی داستان شامل ہوگئی ہے۔ وہ بھی تو یہ سب برداشت کرکے میرے پاس آئے گی تو میں بھی برداشت کرسکتا ہوں۔"

"سوچ لو اچھی طرح سے فاخر، عورت برداشت کرلیتی ہے مگر مرد عورت جیسا ظرف بالکل نہیں رکھتا کبھی کچھ وقت گزرنے کے بعد تم کو وہ باتیں یاد آئیں اور تم دوبارہ اس سے لاتعلق ہو کر رشتہ توڑ لو ایک بار تو یہ سب ممکن ہوا ہے لیکن بار بار ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتی ہیں۔"

❁......❁......❁
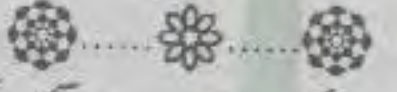
عائزہ کے انکشاف نے اسے شدید حیران کردیا تھا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل ہی سلب ہوگئی تھی یہ کیا ہوا...... وہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا عائزہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"جو بھی کہہ رہی ہوں وہ سچ ہے پری! بہت خوش قسمت ہو تم جو طغرل بھائی جیسے شخص تم سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ تم کہہ رہی ہو وہ جب سے یہاں آئے ہیں تمہیں لوٹنے کے چکر میں ہیں یہ کس قدر اخلاق سے گری ہوئی سوچ ہے۔" وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ رشتوں کا احترام کرنا جانتے ہیں اور جو مرد ہوس پرست ہوتے ہیں وہ نہ رشتوں کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ شادی کے بندھن میں بندھنا پسند کرتے ہیں امید ہے سمجھ رہی ہوگی میری بات؟"

"تم کس بنا پر ان کی اس قدر سائیڈ لے رہی ہو؟"

"وہ طغرل بھائی تھے جنہوں نے راحیل کے ساتھ فرار ہونے سے فرسٹ ٹائم بتایا تھا اور سیکنڈ ٹائم جب راحیل نے اور میں نے یہ شہر چھوڑنے کا منصوبہ بنایا اور میں اس کے ساتھ پھر سے جانے کی تیاری کرکے نکلی تھی۔ اگر اس وقت طغرل بھائی موقع پر ہی مجھے نہ پکڑتے تو نا معلوم آج میں کہاں ہوتی؟ راحیل کی اصلیت سامنے آئی تو اس کا گھناؤنا کردار بھی نظر آ گیا تھا۔ پری! محبت محبت میں بھی فرق ہوتا ہے کوئی جسم سے محبت کرتا ہے اور کوئی روح سے اصل محبت تو یہی ہوتی ہے جو روح سے کی جائے۔"

"مجھے ان باتوں کا نہیں پتا، میں صرف یہ جانتی ہوں میرے باپ نے بھی میری ماں سے محبت کی تھی سب کی مخالفت و ناپسندیدگی کے باوجود انہوں نے شادی کرلی اور کچھ عرصے بعد ہی وہ دونوں اپنی الگ الگ دنیا بسائے یہ بھول گئے کہ وہ ایک وجود کو دنیا میں لائے ہیں اس پر بھی ان کا کچھ حق ہے کوئی فرض ہے مجھے کسی کھوٹے سکے کی مانند دادی کی جھولی میں ڈال کر فراموش کردیا گیا تھا۔" وہ بری طرح رونے لگی۔

"میں کس پر اعتبار کروں مجھے طغرل پر یقین ہوتا ہے مگر پھر اگلے لمحے ہی میں بے اعتبار ہونے لگتی ہوں۔ میری محرومیاں، تشنہ آرزوئیں پاگل کرنے لگتی ہیں۔ اس کی بے تکلفیاں بار بار قریب آنے کی سعی یہ سب مجھے بالکل ناپسند ہے۔"

"وہ تو ان کی عادت ہے تم دیکھتی نہیں ہو وہ دادی جان سے بھی تو اس طرح بات کرتے ہیں اور پاپا سے بھی،

یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تم نے ان کو کریکٹر لیس ہی سمجھ لیا۔" وہ ہنس پڑی۔
"مجھ میں پاپا اور دادی میں تمہیں کوئی ڈیفرنس فیل نہیں ہوتا؟" اس کی ہنسی سے وہ جھینپی۔
"وہ تم سے محبت بھی تو بے حد کرتے ہیں ہو سکتا ہے تمہیں دیکھ کر وہ خود پر کنٹرول نہیں رکھ پاتے ہوں' لیکن پھر بھی وہ لمٹ کراس نہیں کرتے ہوں گے کیونکہ وہ اس نیچر کے نہیں ہیں۔"
"یہ تم اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہی ہو عائزہ' کوئی تجربہ کیا ہے تم نے جو تم بار بار گارنٹی دے رہی ہو ان کے کریکٹر کی؟"
"ہاں کیا ہے میں نے تجربہ۔" اس کی آواز مدھم ہوئی۔
"وہ کیسے؟" وہ ازحد متعجب ہوئی۔
"ہوں...... یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں راحیل کی محبت میں پاگل تھی اس سے سیل پر باتیں کرنے کے لیے راتوں کو تنہا گوشے ڈھونڈتی تھی اور ایسی رات میں میں نے عادلہ کو طغرل بھائی کے روم میں جاتے دیکھا وہ اس وقت نائیٹ ڈریس پہنے تیز میک اپ و پرفیوم میں ڈوبی ہوئی تھی۔"
"عادلہ کیا کہہ رہی ہو...... دماغ درست ہے تمہارا؟" اس کا دل بری طرح دھڑکا وہ تیز لہجے میں بولی۔
"ہاں عادلہ گئی تھی ان کے بیڈ روم میں اگر یہاں بات طغرل بھائی کے کریکٹر کی نہ ہوتی تو میں کبھی یہ بات تم کو نہیں بتاتی لیکن یہاں مجھے حق ادا کرنا ہے۔ کل طغرل بھائی نے میری عزت پر داغ نہیں لگنے دیا تھا اور آج میں ان کا کردار بچانے کے لیے وہ راز کھول رہی ہوں جو بہن ہونے کے ناطے مجھے ہمیشہ اپنے سینے میں محفوظ رکھنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں لرزش تھی اضطرابی انداز میں وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔
"اگر وہ ایسے ہی بدکردار ہوتے اور ان کی نیت میں کھوٹ ہوتا تو وہ اسی وقت عادلہ کو اپنے بیڈ روم سے باہر نہ نکالتے۔"
"اوہ...... عادلہ نے ایسا کیوں کیا اس نے نہ اپنی عزت کا خیال رکھا نہ پاپا کا سوچا وہ اس حد تک بولڈ ہے۔" وہ عائزہ کے سینے سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔
"ممی نے ہم بہنوں کو دادی کی محبت سے دور رکھا ہمیں اچھے برے کی کبھی تمیز ہی نہ سکھائی انہوں نے...... اسی کا انجام ہے یہ جو ہم لوگ بے سکون ہیں پہلی رات کو ہی فاخر نے مجھے دھتکار دیا اور عادلہ کو نا معلوم کیا ہوا ہے وہ روم میں بند پڑی رہتی ہے۔"
"تم پریشان مت ہو عائزہ تم نے فاخر بھائی سے سچ بولا تھا اور تمہاری یہ نیکی کبھی ضائع نہیں ہوگی کبھی نہ کبھی ان کو اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوگا اور وہ لوٹ آئیں گے تمہارے پاس۔"
"مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے پری' میں اپنی سزا بھگت رہی ہوں بس تم سے میں ہاتھ جوڑ کر یہی التجا کرتی ہوں طغرل بھائی کا ہاتھ تھام لو محبت کے بغیر زندگی ادھوری ہوتی ہے تمام واہموں اور وسوسوں کو دل سے نکال دو اس جذبے کو محسوس کرو۔"

❀ ❀ ❀
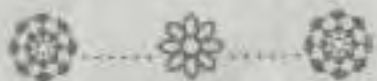
"کیسی طبیعت ہے بیٹا! معید نے بتایا ہے کہ آپ کی ٹانگ میں زیادہ چوٹ آئی ہے موومنٹ نہیں ہو رہی

کوئی پریشانی کی تو بات نہیں ہے ناں؟'' اماں جان کے آنے کے کچھ دیر بعد فیاض وہاں آکر گویا ہوئے۔

''جی...... جی آپ پریشان نہیں ہوں اب تکلیف معمولی ہے اور میں چل رہا ہوں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے پاؤں ٹھیک ہے۔'' خاصے مؤدب لہجے میں وہ ان سے مخاطب ہوا۔

''ارے نا معلوم کس کی نظر لگ گئی ہے میرے بچوں کو آئے دن کچھ نہ کچھ پریشانی آنے لگی ہے میرا پروردگار دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ طغرل تم کو بھی کتنی مرتبہ کہا ہے کار آہستہ چلایا کرو مگر تم کار چلاتے نہیں اڑاتے ہو یہ تو کچھ لیا دیا کام آ گیا پری کا چہرہ دیکھ کر ہی میرا دل ہول کر رہ گیا تھا۔''

''کیا بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں پری کے اماں جان؟''

''مجھ سے پوچھ رہے ہو پری کے بہت زیادہ چوٹیں آئیں ہیں واہ...... میرے بیٹے شاباش ہے بھئی تم جیسا باپ بھی کہاں ہوگا؟'' ان کے استفسار پر وہ چونک کر سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

''یہاں بھتیجے کی طبیعت پوچھنے آ گئے وہاں بیٹی کی مزاج پرسی تم سے نہ ہو سکی۔ تم نے اپنی سگی بیٹی کو غیروں سے زیادہ غیر کر دیا ہے۔''

''رات میں آیا تھا اماں جان' آپ اور پری سو رہی تھیں۔'' ان کی دھیمی آواز میں خجالت تھی۔

طغرل نے ان کے چہرے پر شرمندگی کے ساتھ شفقت بھی محسوس کی تھی۔ وہ ایک عرصے پری کو اگنور کرتے آرہے تھے اور اب ان کے اندر جب پدرانہ محبت بیدار ہوئی تو انہوں نے اپنے اور پری کے درمیان ایک بڑا فاصلہ محسوس کیا تھا جس کو وہ چاہتے بھی ختم نہیں کر پا رہے تھے۔

''اب تو جاگ رہی ہے وہ جا کر اب حال معلوم کر آؤ تا کہ وہ بچی بھی خوش ہو جائے کہ اس کا باپ کچھ خیال کرتا ہے اس کا بھی۔''

''جی اماں بہتر میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔'' وہ قصداً مسکرا کر گویا ہوئے۔

''آج آفس جانے کی ضرورت نہیں ہے کبھی لنگڑاتے ہوئے چلے جاؤ۔ میں آج فراز اور مذنہ کو فون کروں گی وہ تمہیں اپنے پاس بلائیں یا خود یہاں آکر رہیں میں اب تمہاری دیکھ بھال نہیں کر سکتی۔''

''دادی جان آپ مجھ سے اتنی عاجز آ گئی ہیں؟'' وہ ان کی باتیں سن کر خفگی بھرے انداز میں بولا۔

''ارے نہیں بیٹا! یہ بھی اماں کے پیار کا انداز ہے آپ مائنڈ مت کرو' حقیقت یہ ہے اماں آپ کے بغیر رہ نہیں سکتی ہیں۔'' فیاض نے مسکراتے ہوئے طغرل سے کہا۔

''دوپہر کو کھانے میں کیا کھاؤ گے بتاؤ مجھے۔''

''میں نے صباحت سے نرگسی کوفتے اور مٹر پلاؤ پکانے کا کہا ہے آپ اپنی کوئی پسندیدہ ڈش بتا دیجیے وہ بھی پک جائے گی۔'' ہمیشہ کی طرح مسکرا کر انہوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''آج یہی کھائیں گے چچا جان ساتھ پڈنگ بنوا لیجیے گا۔''

❁......❁......❁
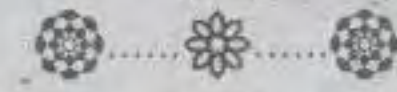
ماہ رخ کے انکار نے اس کو ششدر کر دیا تھا وہ دم بخود تھا۔

''میں تم سے شادی نہیں کر سکتی اعوان پلیز مجھے معاف کر دینا' تم نے جو مجھ پر احسانات کیے ہیں ان کا

قرض میں کبھی نہیں اتار سکوں گی تم میرے مسیحا ہو نجات دہندہ ہو میں تاحیات ممنون رہوں گی۔''

''تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو پھر وہ محبت نہیں تو کیا تھی جو تمہیں میرے قریب لے کر آئی تھی۔ یاد کرو کالج کے دنوں کو جب......!''

''سب یاد ہے اعوان! کچھ نہیں بھولی میں۔'' وہ پست آواز میں بولی۔

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی تو تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی تھی؟''

''تم کو معلوم ہے سب کچھ پھر بھی سننا چاہتے ہو تو سنو' میں ایک غریب سبزی فروش کی بے حد حسین و جمیل بیٹی تھی اور اٹھتے بیٹھتے مجھ کو یہ احساس دلایا جاتا تھا کہ میں شہزادی ہوں اور مجھے کسی محل میں ہونا چاہیے تھا بس یہ باتیں مجھے احساس کمتری میں مبتلا کرتی گئیں۔ جیسے جیسے میں عمر کی سیڑھیاں چڑھتی گئی اپنے گھر' لوگوں اور ماحول سے نفرت و بغاوت میرے اندر اترنے لگی تھی تم سے دوستی میں نے دولت حاصل کرنے کے لیے کی تھی راتوں رات امیر بن جانے کی خواہش بڑی زور آور تھی اور ان ہی خواہشوں کی تکمیل میں' میں سب کھوتی چلی گئی اور پھر سب کچھ کھوتا ہی چلا گیا۔''

''مجھے بھی کھونا چاہتی ہو ماہ رخ' تمہیں مجھ سے محبت نہ سہی مگر میں تم سے پیار کرتا ہوں' تم میری زندگی میں آؤ یہ حسرت ہے میری' تم کو اپنا بنانے کی خواہش نے ہی مجھے نگر نگر گھمایا تھا اب میں نے تم کو کھوج نکالا ہے تو کیسی دل توڑنے والی باتیں کر رہی ہو۔'' وہ کاسائے دل لیے اس کے سامنے جھک گیا۔

''خواہشوں کے پیچھے بھاگنے والوں کا انجام میرے جیسا ہوتا ہے اعوان' خواہشوں کا نامراد رہنا ہی بہتر ہے جب آرزوئیں پوری ہو جائیں تو تشنگی حد سے سوا ہو جاتی ہے اور ہم پچھتاتے ہیں یہ سوچ کر کہ یہ تھیں وہ آرزوئیں یہ ہیں وہ خواہشیں جن کو پانے کے لیے اندھا دھند بھاگتے رہے اس وقت پوری شدت سے پانے کا نہیں کھونے کا احساس ہوتا ہے اور وہ احساس بڑا دردانگیز اور اذیت ناک ہوتا ہے۔''

''ہم مل کر بھی نہیں مل پائیں گے ماہ رخ ہماری چاہت ملن نہ پا سکے گی میں نے دل سے چاہا ہے تمہیں اور چاہتا رہوں گا۔'' ماہ رخ کے لہجے میں ساگر جیسی گہرائی تھی اس کی آواز ہر قسم کے جذباتی پن سے مبرا تھی وہ بے لچک و مضبوط لہجے میں بات کر رہی تھی اور اعوان نمک کی مانند ڈھلتا جا رہا تھا اس کی آواز میں تڑپ تھی۔

''مجھ جیسی گناہ گار عورت تمہاری چاہت کے قابل کہاں رہی ہے۔''

''ایسا مت کہو ماہ رخ میرے لیے تم آج بھی پہلے کی طرح ہی پاک و صاف ہو مجھے تمہارے ماضی سے کوئی سروکار نہیں ہے تم حال میں میرے پاس ہو اور مستقبل میں بھی میں تمہیں اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ ممکن نہیں ہے میں خود کو اس لائق نہیں سمجھتی کہ کسی کی بھی بیوی کہلواؤں پلیز' مجھے معاف کر دو' میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے اپنے ناپاک وجود کو پاک کرنا ہے مجھے کسی ایسی جگہ پر چھوڑ آؤ جہاں میں ایسا کچھ کر سکوں جس سے میرا رب راضی ہو جائے مجھے معافی مل جائے میں یہاں نہیں رہوں گی۔''

❁......❁......❁
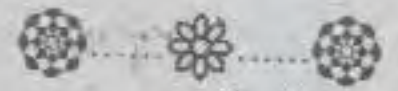
آصفہ اور عامرہ اس کی عیادت کو آئی تھیں ان کو دیکھ کر صباحت اور عادلہ بھی اس کے کمرے میں آ گئی تھی

عادلہ نے بڑے اچھے انداز میں اس کی طبیعت پوچھی اور خلاف توقع کچھ دیر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیٹھی رہی۔ صباحت نے بھی سرسری طور پر اس کی طبیعت پوچھی تھی۔ وہ پری کو خاصی تھکی تھکی واداس دکھائی دی تھیں اور یہ بات عامرہ نے اچھی طرح محسوس کرکے ان سے پوچھ لیا تھا۔

''صباحت بھابی' طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ بہت بدلی بدلی لگ رہی ہیں کوئی ٹینشن ہے آپ کا تو حلیہ ہی بدلا ہوا ہے وگرنہ آپ تو کبھی بھی اس طرح کے حلیے میں نظر نہیں آئی۔'' میک اپ سے بے نیاز و سادہ لباس میں ڈھیلا ڈھالا جوڑا بنائے وہ ویل آف رہنے والی صباحت سے بالکل مختلف لگ رہی ہیں۔

''طبیعت کو میری کیا ہوگا عامرہ؟ بالکل ٹھیک ہوں' حلیہ بھی میرا درست ہے بیٹیاں جوان ہوجائیں تو ماں بنی سنوری اچھی نہیں لگتی۔'' خلاف عادت ان کا لہجہ نرم' طنز اور تلخی سے پاک تھا۔

''ارے صباحت' یہ تم کہہ رہی ہو واہ' تمہیں یہ سمجھ کب سے آگئی بھلا؟ آج تو دل خوش کردیا تم نے میرا ایسی اچھی بات کرکے۔'' اماں جان نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

''شکریہ اماں جان میں آپ سے معافی چاہتی ہوں بہت گستاخی کی ہے میں نے آپ کے ساتھ مجھے معاف کردیں آپ۔'' وہ ان کے قریب آکر گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں اماں نے جھٹ سے ان کو سینے سے لگا لیا اور شفقت سے گویا ہوئیں۔

''معافی کی کوئی بات نہیں ہے غلطیاں تم سے ہوئیں ہیں تو کچھ کوتاہیاں مجھ سے بھی سرزد ہوئی ہیں تمہارے برے برتاؤ کا جواب میں نے بھی برے برتاؤ سے دیا میں ہی درگزر سے کام لیتی تو سب اچھا ہوتا۔''

''دیر آید درست آید...... عادلہ بھابی کو فون کرو وہ آتے ہوئے مٹھائی کا ٹوکرا لے کر آئیں آج سے شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پئیں گے۔'' عامرہ نے اٹھ کر صباحت کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ وہاں موجود سب کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔

عائزہ کی باتوں نے یقین کا سرا اس کے ہاتھوں میں تھما ڈالا تھا محبت کیا ہے؟ عائزہ نے طغرل کا دل اس کے آگے کھول کر رکھ دیا اور وہ ہار گئی تھی پتا ہی نہ چلا محبت کیا چیز ہے کیوں ہوجاتی ہے پہلے چپکے سے دل میں چھپ جاتی ہے اپنی جگہ بناتی ہے اور پھر کسی خاص موقع پر ظاہر ہوتی ہے اور بے بس کر ڈالتی ہے۔ کل کا صحرا آج نخلستان بن گیا تھا وسوسوں کی جگہ مسکراہٹوں نے لے لی تھی انجانی کہکشائیں ہر سو چمکنے لگی تھیں۔

''پری...... تم کو طغرل بھائی سے اپنی اس حرکت پر معذرت کرنی چاہیے اس دن جو کچھ ہوا اس سب کی قصوروار صرف تم ہی تھیں۔''

''اچھا وہ اگر مجھے سیدھے طریقے سے بتاتے کہ گھر دیکھنے جارہے ہیں تو ایسا کچھ ہونے والا نہ تھا ہیرو بننے کے چکر میں انہوں نے میرا تو فیس ہی خراب کروادیا تھا شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جن کی رحمت سے میرا سر اور چہرہ ٹھیک ہوگئے وگرنہ......!'' اس نے آئینے میں اپنے صاف و دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ تمہیں نہ سنبھالتے تو تم نا معلوم آج کس حال میں ہوتی۔''

''اوہ...... تم کچھ زیادہ ہی طغرل کی سائیڈ لینے نہیں لگی ہو؟'' وہ عائزہ کے سامنے کھڑے ہوکر گویا ہوئی۔

''میری نیت صاف ہے پری' بڑے کہتے ہیں نا کر بھلا تو ہو بھلا کر برا تو ہو برا...... میں تمہارے اور طغرل

بھائی کے رشتے کو جوڑنا چاہتی ہوں تمہارا گھر آباد کرانا چاہتی ہوں شاید اس کے بدلے میں اللہ میرا گھر بھی آباد کردے فاخر کے دل میں میری محبت بھی جگادے۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرانے لگی۔

''تم فاخر بھائی سے محبت کرنے لگی ہو' وہ تمہیں اتنے عزیز ہوگئے ہیں۔''

''ہاں...... میں خود حیران ہوں نکاح کے لفظوں میں بہت طاقت ہے دو دل ایک ساتھ دھڑکنے لگتے ہیں۔ راحیل میری زندگی سے اسی دن نکل گیا تھا اور اب تو مجھے اس کے نام سے کراہیت آتی ہے۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے عائزہ کہیں ایسا نہ ہو طغرل جس طرح مجھے پانے کی دیوانگی میں مبتلا ہے کل انہوں نے بھی مجھے چھوڑ دیا تو...... بالکل اسی طرح جس طرح پاپا نے مما کو چھوڑ دیا تھا پھر کیا کروں گی میں مرد کا دل عورت سے بہت جلد اکتا جاتا ہے اور عورت دوسرے مرد کی زندگی میں داخل ہوکر بھی وہ سکون و راحت نہیں پاتی۔'' وہ عائزہ سے رخ موڑے کہہ رہی تھی۔

عائزہ دبے قدموں وہاں سے چلی گئی تھی اور وہ آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

''میں نے مما کو دیکھا ہے ان کی آنکھوں میں حزن ہے اداسی ہے وہ مسکراتی ہیں تو ان کی آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔'' طغرل پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خاموش کھڑا سب سن رہا تھا۔

''میری سمجھ نہیں آرہی یہ سب کیسے ہوگیا اور کیوں ہوگیا۔ میں محبت کے لیے نہیں بنی تھی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا میں کسی سے محبت کروں گی اور وہ بھی طغرل جیسے بندے سے یہ محبت کا عمل از خود ہوتا ہے اس لیے کوئی چلہ کاٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔''

''ہوں...... اور تم کو یقین دلانے کے لیے مجھے تو یقیناً چلہ کاٹنا پڑے گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو اس کی آواز سن کر وہ گھبرا کر پلٹی۔

''آ...... آ...... آپ......'' وہ بری طرح گھبرائی۔

''جی...... میں آپ کا خادم طغرل فراز۔'' وہ اس کو بوکھلاتے دیکھ کر شوخی سے گردن کو معمولی سا خم دے کر جھکا تو اس کے وجیہہ چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ در آئی۔

''یہاں عائزہ تھی وہ کہاں گئی؟''

''وہ گئی جہاں اس کو جانا تھا اور تم اتنا نروس کیوں ہورہی ہو جو تمہارے دل میں ہے کہو میں سب سننا چاہتا ہوں۔''

''یہ اچھی حرکت نہیں ہے آپ کو میری باتیں اس طرح نہیں سننی چاہیں تھیں۔'' اس کو سامنے دیکھ کر وہ عجیب احساسات کا شکار ہوگئی تھی۔

''اسٹاپ اٹ یار بس...... میں سب بھلا کر تمہاری طرف ہر بار دوڑا چلا آتا ہوں۔ میری اہمیت' عزت نفس' میری انا مجھے بھی روکتی ہے میرا اپنا مجھ سے خفا ہے کہ میں کیوں تمہاری ہزار نفرت و بے اعتنائی کے باوجود تمہارے پاس چلا آتا ہوں' کبھی سوچا ہے تم نے کیوں؟'' اس کا مسکراتا چہرہ ایک دم ہی سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''تم نے ہر قدم پر مجھے دھتکارا ہے میری محبت' میری بے تکلفی کو بہت غلط الزام دیئے' میرے خلوص پر شک کرتی رہی ہو مگر میری محبت' میرا پیار و اعتماد لمحوں کے لیے ڈگمگایا اور پھر میرے جذبوں کے آگے سب ڈھیر

ہوگیا۔ پارس...... محبت میں انا نہیں ہوتی ہے بے اعتمادی و بے اعتباری بھی نہیں پنپتی۔"

"آپ نے کیا مدنا آنٹی کو راضی کرلیا ہے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"ڈیڈی کو کہہ دیا ہے وہ مما کو راضی کرلیں گے۔"

"اگر وہ راضی نہ ہوئیں تو......!"

"تم ان کی فکر کیوں کرتی ہو تم کو شادی مجھ سے کرنی ہے مما سے نہیں میں راضی ہوں تو پھر تم کو پروا کس بات کی ہے؟" وہ زچ انداز میں گویا ہوا۔

"میں کسی پر زبردستی مسلط ہونا نہیں چاہتی۔"

"مگر میرے دل پر تو زبردستی قبضہ کیا ہے تم نے میرے خیالوں پر خود ہی مسلط ہوئی ہو اس کا کیا...... بتاؤ؟" وہ اس کے قریب ہوا۔

پنک کڑھائی والے سوٹ میں وہ اسے ہی دل میں اترتی جارہی تھی اور وہ ساری ناراضی بھلائے پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا اسی لمحے معید دستک دے کر اندر آیا۔

"یہ تمہارے روٹھنے منانے سے ہم لوگ بالکل بور ہوچکے ہیں پلیز...... پلیز اب آپ لوگ باہر تشریف لے آئیں آپ لوگوں کی صحتیابی کی خوشی میں باہر ایک شاندار ڈنر کا اہتمام کیا گیا ہے اور ساتھ ہی دادی کی طرف سے سرپرائز بھی ہے زبردست قسم کا؟"

❁ ...... ❁ ...... ❁

شیری ماں باپ کی ایک ہی ضد سے بے زار ہوکر باہر نکلا تھا اس کے اندر آگ سلگ رہی تھی دل کر رہا تھا کہ عادلہ کو شوٹ کردے جو پری کے اور اس کے درمیان آرہی تھی۔ پری کا خوب صورت سراپا اور رعنائی سے بھرپور چہرہ اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ ذہن کو پرسکون کرنے کے لیے اس نے لانگ ڈرائیو کی پھر ڈنر کے لیے ایک ہوٹل میں آ گیا اور مینیو کارڈ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے معاً اس کی نگاہ سینٹر میں فیملی ٹیبل پر پڑی تھی۔ وہ چونک گیا فیاض صاحب کی پوری فیملی وہاں تھی مینیو کارڈ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔

گلابی سوٹ میں گلابی چہرے والی وہ گلاب کی ادھ کھلی کلی لگ رہی تھی۔ اس کی سیاہ دراز پلکیں گلابی رخساروں پر جھکی ہوئی تھیں۔ یاقوتی لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی اور پھر اس کے برابر میں بیٹھے طغرل نے اس کا ہاتھ تھام کر ایک جگمگاتی انگوٹھی انگلی میں پہنائی تھی یہ سب دیکھ کر شیری ایک دم جنونی انداز میں اٹھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

❁

میرے خواب مٹھی کے گھر تھے

نزہت جبیں ضیاء

اب خوف نہیں کوئی مجھے راہِ گرم سے
میں دور نکل آیا ہوں پتھر کے نگر سے
اک موڑ پر ہم اجنبی بن کے بھی ملیں گے
یہ بات تو معلوم تھی آغازِ سفر سے

شام ڈھل رہی تھی مغرب کا وقت ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ رشیدہ بیگم صحن میں پلنگ پر بیٹھی پالک صاف کررہی تھیں۔ دونوں بیٹیاں حمنہ اور حوریہ اندر کمرے میں تھیں۔ رشیدہ بیگم نے پالک کاٹ کر برتن میں رکھا اور حمنہ کو آواز لگائی۔

''اے لڑکی! کہاں گھسی بیٹھی ہے' دیکھ تو مغرب ہونے کو آئی ہے ہانڈی روٹی نہیں کرنی کیا؟''

''آپا! آجاؤ اماں آواز دے رہی ہیں۔'' حوریہ نے آگے بڑھ کر رسالہ پڑھتی حمنہ کو ہلایا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر اماں کی آواز کو نظر انداز کیے انتہائی انہماک سے رسالہ پڑھنے میں مصروف تھی۔

''افوہ! کیا مصیبت ہے' کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کے ساتھ؟ لگتا ہے دشمنی ہے رسالوں سے تم لوگوں کو جب بھی میں پڑھنے بیٹھوں تکلیف شروع ہوجاتی ہے۔'' رسالہ میز پر پھینک کر وہ تنتناتی ہوئی کمرے سے نکلی۔

''کیا مسئلہ ہے اماں؟''

''ہائیں! مسئلہ کیا ہوگا' ٹائم دیکھا ہے تم نے؟ ابھی ہانڈی بھی نہیں چڑھائی' روٹیاں بھی پکانی ہیں۔ کب سے چلا رہی ہوں پاگلوں کی طرح' کہاں چھپی بیٹھی تھی؟'' اماں نے بھی صلواتیں سنائیں۔

''ہاں ہاں! اچھا ہی ہے اس جہنم میں جینے سے تو بہتر ہے کہ میں مر ہی جاؤں۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی پلنگ سے آلو اور پالک کی ٹوکری اٹھانے لگی۔

''ایک تو آٹا گوندھ گوندھ کر میرے اچھے بھلے ہاتھوں کا ستیاناس ہوگیا۔'' وہ آٹا گوندھتے ہوئے بھی باآواز بلند بڑبڑا رہی تھی۔

''ہاں ہاں! کہہ دے اپنے ابا سے کل سے کسی نوکرانی کا بندوبست کردیں' مہارانی صاحبہ سے گھر کا کام نہیں ہوتا۔ نازک اندام ہیں ناں' ارے کل کو اگلے گھر جائے گی تو کیا یہی لچھن دکھائے گی ہمارا نام ایسے ہی روشن کرے گی؟''

''اگلے گھر میں ڈھیر سارے نوکر ہوں گے کام کے لیے' دیکھ لینا اماں تم بھی۔'' باورچی خانے سے سر نکال کر حمنہ نے کہا۔

''ہونہہ......!'' اماں نے ہنکارا بھرا اور مغرب کی نماز کے لیے اٹھ گئیں۔ جب تک اماں نماز سے فارغ ہوئی حمنہ روٹیاں پکا چکی تھی' سالن دم پر رکھ کر وہ باورچی خانے سے باہر آئی۔ اسی وقت دستک دے کر زین گھر میں داخل ہوا۔ حمنہ ابھی ابھی باورچی خانے سے نکلی تھی' گہرے جامنی رنگ کے سوٹ میں اس کی سرخ و سفید رنگت مزید کھل گئی تھی۔

''السلام علیکم خالہ!'' وہ رشیدہ بیگم کے سامنے جھکا۔

''وعلیکم السلام! کیسا ہے میرا بچہ! سب خیریت ہے ناں؟'' اماں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ حمنہ خاموش کھڑی تھی۔

''خیریت تو ہے جناب! مزاج کچھ برہم نظر آرہے ہیں۔'' زین نے گہری نظریں حمنہ پر ڈالتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

''السلام علیکم!'' حمنہ نے لٹھ مار انداز میں سلام کیا۔

''ارے ارے تم نے تو ڈرا ہی دیا بچ میں۔'' ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے زین نے شرارتی انداز میں کہا۔

''ارے بچے! دفع کر اسے اس کے مزاج تو برہم ہی رہتے ہیں ہمیشہ۔ تو آ' آ کر یہاں بیٹھ میرے پاس۔'' اماں نے منہ بناتے ہوئے کہا اور پلنگ پر اپنے برابر میں زین کے لیے جگہ بنائی۔ زین حمنہ پر بھرپور نظر ڈالتے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

''ارے واہ! زین بھائی آئے ہیں...... السلام علیکم بھائی!'' اسی وقت کمرے سے حوریہ نے بھی باہر آکر گرم جوشی سے کہا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو گڑیا؟'' زین نے حوریہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے حمنہ کی جانب دیکھا۔

''دیکھو جی سلام ایسے کرتے ہیں' کرنے والا بھی خوش اور سننے والا بھی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہونہہ......!'' حمنہ نے ناک چڑھائی۔

''حوریہ گڑیا! ایک کپ چائے پلادو' تمہاری آپا تو بہت بھاؤ کھائے بیٹھی ہیں آج...... اللہ رحم کرے۔'' زین نے شرارت سے کہا تو حمنہ بُرا سا بنا کر تنتناتی ہوئی کمرے کی جانب چل دی اور حوریہ چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کی طرف چلی آئی۔

''ان محترمہ کے مزاج ہی نہیں ملتے ہر وقت رسالے پڑھتی ہے ذرا سا کھانا پکانے کے لیے کیا بلالیا جب سے ہی منہ پھلائے بیٹھی ہے۔'' اماں نے اسے جاتا دیکھ کر کہا۔

''چھوڑیں خالہ! یہ بتائیں آپ ٹھیک ہیں ناں اور خالو جان بھی۔'' زین نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ادھر اُدھر کی باتیں کرکے کچھ دیر بیٹھ کر زین چائے پی کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ابا جی آگئے۔ حمنہ اور حوریہ نے جلدی سے صحن میں دسترخوان لگادیا۔

''ارے واہ جی واہ! آلو پالک' اچار اور پودینے کی چٹنی اور سلاد آج تو مزا ہی آگیا۔'' ابا جی نے دسترخوان لگا دیکھ کر حمنہ سے کہا۔

''حمید صاحب! آپ کی پسندیدہ پودینے کی چٹنی میں نے بنائی ہے۔'' اماں نے فوراً ہی اسٹار اپنے اوپر سجایا۔

''تو چلیں جی! محترمہ پھر آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہماری پسند کا خیال رکھا۔'' ابا کا رخ اماں کی جانب ہوگیا اور لہجے میں مزاح بھی شامل ہوگیا۔ حمنہ اور حوریہ کو ہنسی آگئی۔

❁......❁......❁
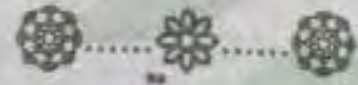
حمید صاحب کی دو بیٹیاں تھیں حمنہ اور حوریہ۔ حوریہ چھوٹی تھی عام سی شکل اور گندمی رنگت کی مالک جب کہ حمنہ انتہا کی خوب صورت تھی۔ شروع سے ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے قطعی مختلف تھیں۔ ملنے ملانے والے دوست احباب' رشتہ دار' سہیلیاں اور ٹیچرز سب حمنہ کے حسن کو سراہتے' اس کی تعریف کرتے۔ بہت سے لوگ تو یہ ماننے کو تیار ہی نہ ہوتے کہ حمنہ اور حوریہ سگی بہنیں ہیں۔ اکثر دوستیں منہ پر کہہ دیتیں۔

''حمنہ یار! تمہاری اماں اور ابا سے غلطی ہوگئی نام کے معاملے میں' ان کو چاہیے تھا کہ تمہارا نام حوریہ رکھتے اور حوریہ کا حمنہ۔ دیکھو تم پر سوٹ بھی کرتا ناں وہ نام۔''

ایسی باتوں پر حمنہ مزید مغرور ہوجاتی اور حوریہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیتی لیکن وہ ان باتوں کو کبھی دل پر نہ لیتی۔ حوریہ بچپن سے بھی ہر بات میں خوش اور مطمئن رہنے والی لڑکی تھی۔ کبھی ضد نہ کرتی حالانکہ دونوں بہنوں میں عمر کا اتنا زیادہ فرق نہ تھا حوریہ ہر بات میں سمجھداری اور عقل سے کام لیتی۔ ہمیشہ اماں کی ہر بات مانتی' اپنی صورت شکل پر کبھی بھی گلہ نہ کیا وہ اپنے حال میں خوش رہنے والی لڑکی تھی۔

حمنہ کسی حد تک مغرور لڑکی تھی۔ اسے قدم قدم پر یہ احساس ہوتا کہ وہ غلط گھر اور جگہ پیدا ہوگئی ہے اس کی جگہ تو کسی بڑے اور اونچے گھرانے میں ہونی چاہیے تھی وہ خوامخواہ اس غریب گھر میں آگئی جہاں اس کی قسمت

پھوٹ کر رہ گئی ہے جہاں اس کے حسن کی قدر نہ تھی۔ اماں کی طرف سے کوئی اہمیت نہیں ملتی وہ دونوں بیٹیوں کے ساتھ یکساں پیار کرتی مگر کیونکہ حوریہ صلح پسند اور نرم مزاج تھی حمنہ کو لگتا اماں اس کو زیادہ چاہتی ہیں۔ حوریہ چھیڑ چھاڑ ضرور کرتی اماں کو بھی کبھی ہنسی ہنسی میں کچھ کہہ دیتی مگر بدتمیزی کبھی نہ کرتی تھی جب کہ حمنہ جھنجلاہٹ میں کبھی کبھی زیادہ ہی بدتمیزی اور زبان درازی کر جاتی۔

حمنہ کا رشتہ بچپن میں ہی خالہ زاد زین سے طے ہو چکا تھا۔ زین کی رہائش بھی ان کے گھر سے قریب ہی تھی۔ خالہ اور زین حمنہ کو بہت پیار کرتے تھے حمنہ نے دو سال پہلے انٹر کرلیا تھا جب کہ حوریہ میٹرک میں تھی۔ اماں کے خیال میں لڑکیوں کے لیے انٹر تک تعلیم ہی بہت ہے کہ وہ گھر داری اور زندگی کو گزارنے کے صحیح طریقے سمجھ سکیں بس اس سے زیادہ تعلیم ان کی نظر میں ضروری نہیں تھی۔

اسی لیے حمنہ کی خواہش کے باوجود اماں نے بس اسے انٹر تک پڑھایا کہ آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں اب گھر داری سلائی کڑھائی سیکھو جو کہ آگے چل کے کرنا ہے اور حمنہ چپ ہو کر بیٹھ گئی۔ اب وہ دن رات رسالے اور ڈائجسٹ پڑھتی رہتی تھی۔ رسالہ پڑھتے پڑھتے جب کالج کی زندگی کے بارے میں پڑھتی سہیلیوں کے بارے میں تو اسکے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ وہ بھی کالج میں ایڈمیشن لے۔ کالج کا خوب صورت ماحول دوست ہلا گلا خوب صورت ہیروئنیں ہیرو کی داستانیں کالج کے ماحول کی فرینڈ شپ آزادانہ کھلی اور بے باک گفتگو۔ یہ وہ چیزیں اور عوامل تھے جس کی بنا پر حمنہ کا دل چاہتا کہ وہ بھی کالج میں ایڈمیشن لے وہاں کے ماحول میں خود بھی رچ بس جائے۔ اس کے حسن کو سراہنے والے ہوں لوگ اس کو دیکھ کر اس کی تعریفیں کریں اس کا نام روشن ہو لوگ اس کو پہچانیں۔ یہ سوچتے سوچتے بالآخر اس نے اماں سے اس موضوع پر بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابا جی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ تو راضی ہو ہی جاتے مگر مسئلہ تو اماں کا تھا مگر حمنہ نے بھی پکا ارادہ کرلیا کہ وہ ہر صورت اماں سے بات کرے گی اور جب حمنہ نے حوریہ کے سامنے اپنا مؤقف بیان کیا تو حوریہ اچھل پڑی۔

"آپا کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟ اماں تمہاری شادی کی تیاریاں کررہی ہیں اور تم کن چکروں میں پڑ رہی ہو۔"

"مگر مجھے نہیں کرنی ابھی شادی وادی۔" وہ غصے سے بولی۔ "ایسا کرو نا حوریہ! میٹرک کے بعد تم بھی ایڈمیشن لے لینا ہم دونوں بہنیں ساتھ ساتھ آیا جایا کریں گے۔" اس نے حوریہ کو لالچ دیا۔

"نہ بابا نہ! اماں نے کہہ دیا کہ مجھے بھی میٹرک کے بعد گھر داری سیکھنی ہے سمجھیں۔"

"پاگل ہو تم تو بالکل ہی عجیب لڑکی ہو۔" حمنہ نے برا سا منہ بنا کر کمنٹس پاس کیے اور اس کے سامنے سے اٹھ گئی۔

گرمیوں کی شامیں خصوصاً کراچی میں بہت خوش گوار ہوجاتی ہیں آج بھی موسم خاصا اچھا تھا۔ حوریہ نے شام کو صحن کی صفائی کی اور اسے دھو کر چارپائیاں لگادیں پیڈسٹل فین لگا کر وہیں بیٹھ کر انگلش کا مضمون یاد کرنے لگی اس کے ایگزامز ہونے والے تھے۔ اماں بھی صحن میں بنے چھوٹے سے چبوترے پر نمازِ عصر ادا کررہی تھیں۔ حمنہ نے موتیے اور گلاب کی کیاریوں میں پانی ڈالا اور پھر ہاتھ دھو کر باورچی خانے میں آ گئی۔ اماں نماز سے فارغ ہو کر رات کے کھانے کے لیے سبزی بنانے لگیں۔

"اماں! چائے۔" نگاہیں اٹھائیں تو حمنہ چائے کا کپ لیے کھڑی تھی۔

"واہ......!" اماں نے چھیلی ہوئی لوکی ٹوکری میں رکھتے ہوئے حیرت سے حمنہ کو دیکھا۔ "آج بنا بولے بنا شور اور تن فن کیے۔" وہ بڑی شرافت سے چائے لیے کھڑی تھی اور موڈ بھی قطعی چینج تھا۔

"آہم!" حوریہ نے پڑھتے پڑھتے کھنکارا تو حمنہ نے غصے سے اسے دیکھا حوریہ جلدی سے کتاب پر جھک گئی۔ حمنہ اپنا کپ لے کر وہیں اماں کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"خیریت تو ہے ناں آج؟" اماں نے چائے کا سپ لیتے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"ہاں اماں! مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ لاؤ اماں! سبزی بنا دوں۔" حمنہ نے اماں کے ہاتھ سے چھری لینی چاہی۔ یہ کیسا انقلاب تھا اماں تو حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگیں اور انہیں حمنہ کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔

"اے لڑکی! سچ بتا تیری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ مجھے تو پریشانی ہورہی ہے۔ کتنی بار کہا ہے مغرب کے وقت نہا کر پھولوں کے پاس مت جایا کر تُو...... ٹھیک تو ہے ہے ناں میری بچی!" اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پریشان لہجے میں پوچھا۔

"اماں! کیا ہوگیا ہے آپ کو؟ آپ سمجھ رہی ہیں مجھ پر سایہ ہوگیا۔ کچھ نہیں ہوا اچھی بھلی ہوں خوامخواہ آپ پریشان ہورہی ہیں۔ کیا میں گھر کے کام ہمیشہ چیخ پکار کر کے کرتی ہوں؟" حمنہ نے منہ بنا کر اماں سے گلہ کیا۔

"بس اتنی سی بات ہے اماں! مجھے کالج میں داخلہ لینا ہے۔" حمنہ نے جلدی سے مدعا بیان کردیا۔

"یہ کیا سمایا تیرے دل میں اچانک پاگل ہوگئی ہے کیا؟ میں ہوں کہ تیری شادی کی تیاریاں کررہی ہوں اور تُو کیا اول فول سوچ رہی ہے۔ ارے تجھے بیاہوں تو پھر مجھے حوریہ کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔" اماں کا ردعمل شدید تھا۔

"یہ کوئی اچانک نہیں ہوا اماں! میں تو ہمیشہ سے پڑھنا چاہتی تھی آپ کے منع کرنے پر خاموش ہوگئی تھی اس وقت ابا جی کی تنخواہ ابھی کم تھی کالج کے اخراجات اٹھانا مشکل تھا سو چپکی رہی مگر...... اب ابا جی کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ اماں صرف دو سال کی تو بات ہے ناں پیاری اماں! میں...... میں صرف بی اے کرلوں بس!" اب وہ عاجزی پر اتر آئی۔

"نہیں بالکل نہیں؟" اماں کا لہجہ حتمی تھا۔

"اماں کیا ہوگیا ہے تم کو زمانہ کہاں سے کہاں جارہا ہے بھلا آج کے زمانے میں انٹر کو کون پوچھتا ہے۔ لڑکیاں چاند پر جارہی ہیں جہاز اڑا رہی ہیں سائنسی ایجادات کررہی ہیں کمپیوٹر چلا رہی ہیں۔ زمانہ کتنا ترقی کرچکا ہے۔" اس نے دلائل دے کر اماں کو قائل کرنا چاہا۔

"ہاں ہاں بہت ترقی کررہا ہے بہت آگے جارہا ہے۔ لڑکیاں تو برائے نام لباس بھی پہن رہی ہیں آدھے جسم کی نمائش کررہی ہیں لڑکوں کے ساتھ پارکوں میں گھوم رہی ہیں۔ والدین کی عزتیں داؤ پر لگا رہی ہیں مگر ہمیں ان سے کچھ لینا دینا نہیں ہمیں اپنی حدوں میں اور اپنی مرضی اور حیثیت سے زندگی گزارنی ہے۔ تُو جہاں جائے گی ناں وہاں کے لیے تیرا انٹر ہی کافی ہے وہاں تیری پڑھائی نہیں تیرے گُن اور ہماری تربیت اثر کرے گی سمجھی تُو......" اماں کچھ لمحے کے لیے رکیں۔

"اماں! مجھے کچھ نہیں پتا جو ہوگا جیسے ہوگا سب کچھ اپنی جگہ پر بس مجھے بی اے کرنا ہے۔ تم خالہ سے کہہ دو وہ دو سال کے لیے صبر کرلیں۔" حمنہ نے بھی فیصلہ کن لہجہ اپنایا۔

"تُو تو سچ میں پاگل ہوگئی ہے تجھے پتا نہیں آج کل تیری سکینہ خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اسی وجہ سے اسے شادی کی جلدی ہے۔ ارے پگلی! وہ تجھے بہت پیار کرتی ہیں تیری بہت قدر کرتے ہیں۔ اس دنیا میں ایسا پیارا اور محبت کرنے والا سسرال نصیبوں سے ملتا ہے لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہوئی جارہی ہیں۔ تُو تو خوش نصیب ہے لڑکی! نکال دے ذہن سے یہ خناس اور چپ چاپ شادی کی تیاریوں میں میرا ہاتھ بٹا۔" اماں نے ناگواری سے کہتے خاموشی اختیار کرلی۔

"مگر اماں! میرا ابھی یہ فیصلہ ہے میں نے جو سوچا ہے وہ کر کے رہوں گی۔" حمنہ کا لہجہ یکلخت گستاخانہ ہوگیا۔

"تُو کون ہوتی ہے فیصلے کرنے والی...... تجھے اجازت کس نے دی فیصلہ کرنے کی...... میں نے بھی جو کہہ دیا سو کہہ دیا آگے سے بکواس کرتی ہے اچھی بھلی تو

تھی اچانک کیوں پگلا گئی ہے؟ کل بھی سکینہ کہہ رہی تھی اس عید پر شادی کرلو زین کی نوکری بھی پکی ہوگئی ہے۔ کمبخت! اسی لیے کہتی تھی موئے الٹے سیدھے قصے کہانیاں نہ پڑھا کر ان رسالوں میں خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگی۔ بھلا بتاؤ کہہ رہی ہے فیصلہ کرلیا...... اتنی ہمت آ گئی کہ فیصلے کرکے ہمیں بتارہی ہے۔" اماں کو پتنگے لگ گئے۔

"ٹھیک ہے تمہاری جو مرضی ہو وہ کرو۔" حمنہ غصے سے کہتی اٹھ کر تنتناتی ہوئی کمرے کی جانب جانے لگی۔

"اے رانی صاحبہ! زیادہ بھاؤ کھانے کی ضرورت نہیں' اپنا غصہ اپنی جھولی میں رکھو۔ اندر گھس کر موئے رسالوں میں منہ دینے کی بجائے یہ سبزی اٹھاؤ اور رات کا کھانا پکاؤ۔" اماں نے اسے جاتے دیکھ کر مزید صلواتیں سنائیں۔

"جب دیکھو دماغ ساتویں آسمان پر ہی رہتا ہے۔"

"رہنے دو اماں! میں پکادوں گی کھانا۔" حوریہ نے معاملے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے اماں کو ہاتھ کے اشارے سے چپ کرایا اور کھانا پکانے کی ذمہ داری بھی لے لی۔ اماں بڑبڑاتی ہوئیں پاندان گھسیٹ کر پان بنانے لگیں۔

حمنہ رات گئے تک منہ لپیٹے کمرے میں پڑی رہی' نہ کھانا نہ پینا۔ احتجاج کا نیا طریقہ نکالا تھا اس نے' اماں نے بھی اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی کہ کب تک بھوکی رہے گی جب پیٹ جلے گا تو دماغ ٹھکانے آجائیں گے۔ حوریہ نے بہت کوشش کی وہ رات کو تھوڑا سا کھالے مگر وہ نہ مانی' اسی طرح پوری رات بھوکے رہ کر گزار دی۔

"آپا! تھوڑا سا ناشتا کرلو' تم نے رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ کیوں دشمنی کرتی ہو خود سے' اس طرح اماں کا دماغ اور خراب ہوگا۔ دیکھو ناں وہ بھی پریشان ہیں کہ تم رات سے بھوکی ہو' پلیز جلدی سے منہ دھو کر آؤ میں تمہارا ناشتا لے کر آتی ہوں۔" حوریہ نے بہت عاجزی سے اسے سمجھایا تو وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کر منہ دھونے چل دی۔ وہ منہ دھو کر آئی تو حوریہ ایک پلیٹ میں پاپے اور چائے کا کپ لے آئی۔ اس نے خاموشی سے دو پاپے کھائے اور دوبارہ رسالہ لے کر لیٹ گئی۔ اماں نے جو یہ لچھن دیکھے تو پھر سے صلواتیں سنانے لگیں مگر حمنہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ باہر اماں کی صلواتیں اور اندر کمرے میں وہ آرام سے رسالے میں مگن رہی۔ حوریہ بے چاری بیچ میں پریشان تھی گھر کے کام بھی کرنے تھے' اماں کو بھی ہینڈل کرنا' ساتھ ہی ٹینشن بھی تھی کہ کیا ہوگا اب۔ اسی ماحول میں شام ہوگئی' شام کو زین آیا تو گھر کے ماحول کو خاصا مکدر محسوس کیا۔

"کیا ہوا گڑیا!" حوریہ خلافِ معمول سنجیدہ تھی ورنہ وہ تو چہکتی رہتی زین کو دیکھ کر گرم جوشی سے ملتی۔

"وہ...... زین بھائی!" حوریہ نے موقع غنیمت جانا' اماں غسل کھانے میں تھیں تب اس نے جلدی جلدی زین کو سارا معاملہ بتادیا کہ کس طرح حمنہ نے ضد کی' اماں نے لتاڑا اور اب حمنہ احتجاجاً چپ چاپ پڑی ہے۔

زین نے سب کچھ سن کر سر ہلایا اور اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ آ گیا' وہ کچھ لمحے کے لیے چپ ہوگیا۔ اماں بھی آ گئیں وہ اماں کے ساتھ بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا' جان بوجھ کر حمنہ کا ذکر تک نہ کیا کہ خالہ پھر سے شروع ہوجائیں گی۔ اماں نے بھی کوئی تذکرہ نہ کیا کیونکہ ان کو امید تھی کہ وہ آج یا کل یہ معاملہ ہینڈل کر ہی لیں گی اور حمنہ کو ہار ماننی ہوگی' زین کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ رات کو اماں نے سارا معاملہ ابا جی کے سامنے پیش کردیا کہ کس طرح تمہاری لاڈلی نے نیا شوشہ چھوڑا ہے اور اب ضد کی بھی حد کردی ہے۔ دوسری صبح چھٹی کا دن تھا ناشتے سے فارغ ہو کر ابا جی نے حمنہ کو بلوایا' وہ پھولے منہ کے ساتھ آئی' ابا جی نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"ارے بھئی ہماری گڑیا کو کیا ہوگیا ہے...... کیا طبیعت خراب ہے؟" انہوں نے بات شروع کی۔

"اماں نے بتایا نہیں کہ میری طبیعت کیوں خراب ہے؟" حمنہ کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی تھوڑا سا تیز تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹی! مگر تم کو تو پتا ہے ناں کہ سکینہ

نے شادی جلد کرنے کا کہا ہے' ٹھیک ہے تم شادی کے بعد پڑھ سکتی ہو' زین سمجھ دار بچہ ہے تمہارے شوق کو پورا کرسکتا ہے مگر ابھی ان کو تمہاری ضرورت ہے بیٹا! ابھی تم ضد چھوڑ دو۔"

"مگر ابا! صرف دو سال کی تو بات ہے ناں' یوں پل میں گزر جاتے ہیں دو سال......" اس کی وہی رٹ تھی۔

اسی وقت اتفاق سے زین بھی آ گیا۔

"السلام علیکم!" اس نے خوش دلی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" ابا جی بولے۔

"ارے بھئی کیا مسئلہ چل رہا ہے۔" وہ مسکراتا ہوا وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"نہیں نہیں بیٹا! ایسا کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے' بس آپس کی بات......" ابا جی بے چارے گڑبڑا کر کچھ بہانہ نہ بنا سکے تب ہی اماں بھی آ گئیں۔

"ارے بچے! کب آیا؟" اماں نے پیار سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے سوال کیا مگر اماں بھی تھوڑی سی پریشان ہوگئی تھیں۔

"ابھی آیا ہوں خالہ! دراصل اماں کا بھی ارادہ تھا آنے کا مگر گھٹنوں میں ذرا زیادہ تکلیف ہوگئی تھی اس لیے نا آ سکیں' میں نے کہا آپ فکر مت کرو آپ کا کام میں کر آتا ہوں۔ وہ خالہ دراصل اماں نے معذرت کی ہے اور بہت شرمندہ بھی ہیں......" زین نے آہستگی سے کہا تو سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"ہائے! خیر تو ہے ناں۔" اماں ہول گئیں۔

"جی جی خالہ! آپ پریشان نہ ہوں خدانخواستہ ایسی بات نہیں" دراصل اماں نے جہاں پہلی کمیٹی کی بات کی تھی وہ بات ختم ہوگئی ہے اس لیے اب ہمیں دوسری جگہ دیکھ کر معلوم کرکے کمیٹی کا پتا کرنا پڑا تو پتا چلا کہ ہماری کمیٹی ملنے میں کم از کم ڈیڑھ سال لگ سکتا ہے لازمی' اس لیے ظاہر ہے شادی ابھی نہیں کرسکتے کم از کم ڈیڑھ سے دو سال لگ سکتے ہیں۔ اماں بہت شرمندہ ہیں خالہ!" زین نے نگاہیں نیچی کرکے بات مکمل کی۔

"کیا......؟" سب سے پہلے حوریہ نے زین کو چونک کر دیکھا تو زین نے نگاہیں دوبارہ جھکالیں۔ ابھی کل ہی تو وہ کہہ کر گیا تھا کہ اماں کو شادی کی جلدی ہے اور آج...... کمیٹی بھی مل چکی تھی پھر زین بھائی...... حوریہ نے نم نم آنکھوں سے زین کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھا تو زین نے یہ سب کچھ حمنہ کے لیے کیا تھا' جھوٹ بولا تھا' صرف حمنہ کی خوشی کے لیے اتنا بڑا قدم اٹھایا اور...... اور...... خالہ کو نہ جانے کیا سمجھایا ہوگا؟

اف اللہ! کتنے پیارے' عظیم اور مصالحت پسند ہیں زین بھائی اور...... اور...... آپا کتنی ضدی' ہٹ دھرم اور بدتمیز۔ اسے زین پر بے تحاشا ترس آ گیا۔ حمنہ تو اس بات پر بہت خوش ہوگئی اور یہ خوشی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔

"اے ہے...... یہ تو بہت مشکل ہوگئی لیکن چلو سکینہ سے کہو خوامخواہ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں' اس میں اُس کا کیا قصور ہے' ابھی نیک گھڑی نہیں آئی۔ کوئی بات نہیں فکر کاہے کو کرتی ہے اللہ سب بہتر کرے گا۔" اماں کچھ دیر کے لیے پریشان ہوئیں پھر محبت سے زین کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔ زین سر ہلا کر رہ گیا' ابا جی بھی چپ سے ہوگئے۔

"خالو اب بتائیں کیا باتیں ہورہی تھیں؟" کچھ دیر بعد زین قدرے سنبھل کر خالو سے مخاطب ہوا۔ زین لہجے کو خوش گوار بنانے میں خاصا کامیاب ہوچکا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی بیٹا! دراصل حمنہ بی اے کرنا چاہ رہی ہے اور ہم سمجھا رہے تھے کہ شادی ہونے والی ہے ایسا ہی ہے تو شادی کے بعد پڑھ لینا۔ بس......" ابا جی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ارے تو یہ کون سا مسئلہ ہے بھلا...... اس میں کیا حرج ہے؟ یہ تو اچھی بات ہے میں تو خود پڑھائی کے حق میں تھا مگر صرف اماں اور خالہ کی وجہ سے چپ تھا۔ پڑھنا تو اچھی بات ہے خالو اور آج کی اہم ضرورت بھی اور ویسے بھی اب تو قدرت کی طرف سے ہمیں ٹائم بھی مل گیا

ہے تو...... پڑھنے دیں حمنہ کو۔" اس کی بات پر حمنہ نے حیرت اور خوشی سے زین کو دیکھا۔ زین مسکرادیا اتنے بڑے مسئلے کو زین نے چٹکیوں میں حل کردیا تھا۔ اماں بھی خوش ابا بھی چپ ہوگئے۔

"تھینکس......" حمنہ نے تشکر بھری نگاہیں زین پر ڈال کر دھیرے سے کہا زین مسکرادیا۔ پھیکی اور بے جان ہنسی...... جو صرف حوریہ نے محسوس کی تھی اب کسی کے کچھ کہنے سننے کی گنجائش کہاں تھی یوں حمنہ نے خوشی خوشی پڑھائی کی تیاریاں شروع کردیں۔

کچھ عرصہ میں حوریہ نے میٹرک کرلیا اور گھر داری میں لگ گئی اور حمنہ نے کالج میں داخلہ لے لیا اس کی بہت بڑی خواہش اور دلی تمنا پوری ہوچکی تھی کالج کا تصور ہی کتنا حسین اور دلفریب تھا اور اب تو وہ کالج کا حصہ بن چکی تھی۔ کالج آ کر حمنہ کو پتا چلا اصل زندگی کیا ہے خوب صورت چلبلی بنی سنوری لڑکیاں دل پھینک لڑکے افیئرز گاڑیوں میں گھومنا پھرنا پارٹیاں اور تو اور ٹیچرز اور اسٹوڈنٹ لڑکیوں کے بھی بڑے بڑے افیئرز چل رہے تھے۔ وہ جتنی دیر کالج میں رہتی وقت بہت حسین لگتا ورنہ گھر...... گھر میں تو وہی ماحول وہی اماں کی ڈکٹیٹر شپ خاموش کمرا اور باورچی خانہ بس...... چولہا ہانڈی سبزی اور اماں کی گھرکیاں۔ اب کالج کی پڑھائی کے بہانے وہ کام بھی نہ کرتی نت نئے فیشن میگزین اور رسالے کو اپنی کتابوں کے ساتھ رکھ کر پڑھتی رہتی اس کی دنیا ہی الگ ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀

اس روز بے حد گرمی تھی سورج پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ گرمی اور دھوپ سے انسان تو انسان جانور بھی اپنے گھونسلوں میں پناہ لینے پر مجبور تھے۔ حمنہ کالج سے نکلی سر پر دوپٹہ ڈالے وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اسٹاپ کی طرف چل دی۔ گرمی کی تپش سے اس کے سرخ وسفید گال دہک رہے تھے اسی لمحے ایک گاڑی پاس آ کر رکی اس نے چونک کر دیکھا۔

"آیئے میں آپ کو چھوڑ دوں کہاں جائیں گی؟" گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال کر اسمارٹ سے لڑکے نے کہا۔

"جی نہیں شکریہ!" کہہ کر وہ تیز تیز چلنے لگی۔

"ارے محترمہ! خوامخواہ نخرہ دکھانے کی ضرورت نہیں دیکھیں کتنی غضب کی گرمی ہے۔ آپ کا خوب صورت رنگ دھوپ اور گرمی کی شدت سے ماند پڑ گیا ہے۔" آہستہ آہستہ گاڑی چلاتا ہوا وہ پھر قریب آ گیا۔

وہ بنا کچھ کہے مزید تیز تیز چلنے لگی وہ بھی ڈھیٹ تھا برابر چلا آ رہا تھا۔

"بیٹھ جائیں محترمہ! کیوں ظلم کررہی ہیں خود پر۔" حمنہ نے دیکھا آس پاس کے لوگ بھی دیکھنے لگے تھے۔

"سوچیں نہیں دیکھیں لوگ بھی دیکھ رہے ہیں میں ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں سچ میں۔" تب ہی اچانک حمنہ کے ذہن میں تازہ پڑھا ہوا افسانہ آ گیا امیر ہیرو غریب ہیروئن اور پھر شادی...... ہیروئن کے عیش۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" آواز پر وہ خیالات سے چونکی۔ "سوچیں نہیں جناب! آپ کو جانتا ہوں میں روز آتا جاتا دیکھتا ہوں آپ کہاں سے آتی ہیں کہاں جاتی ہیں؟ سب خبر ہے مجھے۔ اب آ بھی جاؤ ناں؟" وہ دوبارہ گویا ہوا ساتھ ہی فرنٹ ڈور کھول دیا تو حمنہ جھجکتے ہوئے سیٹ پر آ بیٹھی۔

"میں جاذب ہوں میرا اپنا بزنس ہے میں یہاں سے گزرتا ہوں اکثر تم کو دیکھا ہے کئی بار۔ ایک دو بار تمہارے پیچھے بھی گیا تھا تم بہت خوب صورت اور منفرد لگی ہو مجھے۔" جاذب کی صاف گوئی پر اسے شرم سی آ گئی اسے تو خبر بھی نہ تھی کہ کوئی چپکے چپکے اس کا پیچھا بھی کرتا ہے۔ اسے جاذب کی یہ بات بری نہیں لگی وہ خجل سی ہونے لگی۔

"بس بس...... یہیں روک دیں۔" اس نے نگاہ اٹھا کر رستہ دیکھا تو جلدی سے بولی۔

"اچھا......" گاڑی رک گئی۔ "پلیز اپنا نام تو بتادو......

سیل نمبر؟ کچھ تو بتاؤں ناں؟" جاذب نے حمنہ پر گہری نظر ڈال کر کہا۔

"میرا نام حمنہ ہے اور میرے پاس موبائل نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ جلدی سے اتر گئی۔

"اوکے بائے! پھر ملیں گے ناں؟" جاذب نے سوالیہ نگاہیں ڈال کر سوال کیا۔

"پتا نہیں!" کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔" جاذب نے قہقہہ لگا کر قدرے زور سے کہا۔ حمنہ کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ کسی اجنبی نوجوان کے ساتھ اتنا سفر طے کرنا اس سے بات کرنا اس کے منہ سے اپنے لیے تعریفی کلمات سننا۔ ایسا تو زندگی میں پہلی بار ہوا تھا اور یہ سب کچھ اسے قطعی برا نہیں لگا بلکہ عجیب سا احساس اس کے اندر تک اترنے لگا۔ "تم بہت خوب صورت ہو" بار بار یہ بازگشت اسے پریشان کررہی تھی۔ سارا دن ہی وہ عجیب سے احساس میں گھری رہی رات کو بھی لیٹی تو جاذب کا ہی خیال آتا رہا۔

دوسرے دن وہ کالج کے گیٹ سے نکلی تو نہ جانے کیوں اس کی نگاہیں جاذب کی گاڑی تلاش کرنے لگیں نہ جانے کیوں اس کا دل اداس ہوگیا اسے سخت مایوسی ہوئی۔ وہ سست روی سے اسٹاپ کی جانب بڑھنے لگی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جاذب پھر سے آئے اس سے بات کرے وہ گاڑی میں بیٹھ کر سفر کرے مگر وہ نظر نہ آیا سخت مایوسی کے عالم میں وہ اسٹاپ پر پہنچی اور مطلوبہ بس میں چڑھ گئی۔

اگلے دن بھی نظر نہ آیا اب تو حمنہ کو جھنجلاہٹ ہونے لگی گھر میں بھی اس کا موڈ خاصا خراب رہا۔ کالج میں ایک لڑکی سے جھگڑا بھی ہوگیا لیکچر پر دھیان نہ دینے پر ٹیچر سے ڈانٹ بھی کھائی عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا۔ کالج آتے جاتے کافی وقت ہوگیا تھا لیکن یہ دو دن اس کے لیے عذاب بن گئے تھے۔ تیسرے دن وہ تھکے تھکے بے جان قدموں سے کالج کے گیٹ سے جیسے ہی باہر نکلی تو درخت کے نیچے موجود گاڑی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور دل بری طرح دھڑکنے لگا سامنے ہی جاذب کھڑا تھا۔ بلو جینز لائٹ گرے اسکن فٹ ٹی شرٹ آنکھوں پر سن گلاسز لگائے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے چہرے پر مخصوص مسکراہٹ لیے وہ بھی شاید حمنہ کی بے قراری محسوس کرچکا تھا آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ قریب آ گیا۔

"کہاں تھے تم؟" بے ساختہ لبوں سے نکلا۔

"ہائیں...... کیا تم نے مجھے یاد کیا؟ میرا نہ آنا تم کو ناگوار گزرا؟ کیا...... کیا تم کو میرا انتظار تھا؟" حیرت اور خوشی سے وہ کئی سوال کر بیٹھا۔

"نہیں...... نہیں......" وہ اپنی بے تابی پر خود ہی شرمندہ ہورہی تھی۔

"سچ بتاؤ......" جاذب اس کے پسینہ پسینہ چہرے پر گہری نظر ڈال کر مسکرا کر بولا۔ حمنہ نے نگاہیں جھکالیں اور خاموشی سے آگے کے کھلے دروازے سے گاڑی میں بیٹھ گئی اور رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ صاف کرنے لگی دوسری جانب سے جاذب بھی آ بیٹھا۔

"تم نے مجھے یاد کیا تھا ناں؟ انتظار تھا ناں تم کو میرا؟ دراصل میں اچانک ہی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر چلا گیا تھا۔ رابطہ ہوتا تو تمہیں بتاتا۔" وہ چپ رہی۔ "ویسے سچی بات ہے حمنہ! میں...... میں...... تو تم کو بہت پہلے سے پسند کرنے لگا ہوں جب سے تم کو دیکھا ہے تب سے ہی...... تم...... سے ایک بات پوچھوں پرسنل ہے اگر تم برا نہ مانو تو......؟" وہ سوالیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تم...... تم...... کہیں انگیجڈ...... میرا مطلب ہے کہ تمہاری منگنی وغیرہ تو نہیں ہوئی کہیں...... سوری یار! مگر تم اتنی پیاری ہو کہ ایسا ہوسکتا ہے ناں کہ تمہارا رشتہ طے ہوگیا ہو۔" دفعتاً حمنہ کی نگاہوں میں زین کا سراپا آ گیا۔ عام سے کپڑے پرانی موٹر سائیکل معمولی جاب اور معمولی سی شخصیت جب کہ جاذب...... جاذب...... جاذب نظر ہینڈسم اور بہترین پوزیشن اور حیثیت رکھنے والا امیر اور

خوب صورت بندہ جو اس کی خوب صورتی کو سراہ رہا تھا۔
"کیا ہوا جی؟" جاذب نے حمنہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکی۔
"کچھ..... کچھ نہیں....." وہ جلدی سے بولی۔
"میں نے کچھ پوچھا آپ سے محترمہ؟ آپ کی منگنی وغیرہ.....؟"
"نہ..... نہیں.....؟" حمنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"اوہ تھینک گاڈ!" وہ لمبی سانس لے کر بولا۔ اپنے سفید جھوٹ پر حمنہ ایک لمحے کو گڑبڑا گئی مگر دوسرے لمحے خود پر قابو پا چکی تھی۔ مطلوبہ اسٹاپ آچکا تھا جاذب نے گاڑی روکی حمنہ اترنے لگی۔
"سنو!" جاذب نے ہولے سے پکارا۔ "یہ رکھ لو۔" جاذب نے جیب سے موبائل سیٹ نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔
"نہ..... نہیں..... یہ..... میں نہیں لے سکتی۔" وہ یوں اچھلی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔
"کم آن یار! یہ تم سے بڑھ کر تھوڑا ہی ہے اور کوئی اتنا قیمتی بھی نہیں ہے۔ مجھے اچانک کہیں جانا پڑ جاتا ہے اور بھی وقت ہوتا ہے جب دل کرتا ہے تم سے بات کرنے کو میں کتنا یاد کرتا ہوں تمہیں، تم کو احساس بھی ہے کہ نہیں۔" وہ معصوم لہجے میں بول رہا تھا۔
"مگر..... مگر میں گھر میں..... کس طرح رکھ سکتی ہوں یہ..... کیا کہوں گی گھر والوں کو؟"
"تو ضرورت کیا ہے کسی کو بتانے کی، چھپا کر رکھنا وائبریشن پر رکھنا اپنے قریب، کسی کو کیا پتا چلے گا۔"
"مگر..... پھر بھی....." وہ ابھی بھی شش و پنج میں تھی۔
"یار! میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری پوزیشن، پلیز چھپا کر رکھنا اگر مگر کی ضرورت نہیں ہے ایڈجسٹ کر لینا کسی طرح پلیز....." اس نے زبردستی ہاتھ میں سیل پکڑا دیا اور حمنہ نے اسے تیزی کے ساتھ بیگ میں منتقل کر لیا۔

"تھینک یو سو مچ ڈیئر! رات کو کال کروں گا انتظار کرنا۔" قدرے جھک کر مخمور لہجے میں کہا۔ حمنہ رکے بغیر جلدی سے اتر گئی۔ دل تھا کہ عجیب بے ترتیب انداز میں دھڑکے جا رہا تھا، کچھ انجانی خوشیاں تھیں تو کہیں کوئی کھٹک بھی تھی۔ ایک خوب صورت سا احساس اس پر غالب آ رہا تھا، ایک خوب صورت امیر خوب صورت لڑکا اس کو چاہنے لگا تھا۔ اس سے بات کرنے اور اس کے ساتھ کا متمنی تھا۔ اس رات سب کے سونے کے بعد جاذب نے کال کی، حمنہ آہستگی سے اٹھ کر چھت پر چلی آئی۔ جاذب کی گمبھیر اور خوب صورت آواز اور لفظوں کے سحر میں ڈوبی رہی اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔
حمنہ اونچے اونچے خواب دیکھنے لگی، ایسے خواب جس میں وہ اور جاذب تھے زین کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔
گھر میں حمنہ کی شادی کے حوالے سے تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ اماں اور حوریہ تیاریاں کر رہی تھیں مگر حمنہ تو انجانے سفر کے خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ ہر دم مسکرانا، ہنسنا اور گنگنانا گویا اس کی عادت ہو گئی تھی۔ اماں تو اس کی حالت سے مطمئن تھیں جب کہ حوریہ کچھ شاکی تھی۔ اس روز حمنہ کالج سے لوٹی تو اماں گھر پر نہیں تھیں، سکینہ خالہ کے یہاں گئی ہوئی تھیں۔ حوریہ گھر پر اکیلی تھی، حمنہ جب تک چینج کر کے اور منہ ہاتھ دھو کر آئی حوریہ نے دسترخوان لگا دیا۔ آلو مٹر کا سالن سلاد رائتہ اور پودینے کی چٹنی دیکھ کر حمنہ خوش ہو گئی اور جلدی جلدی کھانا کھانے لگی۔
"آپا....." حوریہ نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔
"ہاں!" حمنہ نے نظریں اٹھا کر حوریہ کی جانب دیکھا۔
"آپا! تم..... تم خوش تو ہو ناں؟"
"ہاں!" حوریہ کے سوال پر بے ساختہ جواب دیا نہ جانے اس وقت بھی دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ وہ تو اپنے خیالوں میں مگن تھی۔
"ہاں واقعی آپا! تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں زین بھائی

جیسا پیارا انسان شریکِ سفر کی صورت میں مل رہا ہے، بہت گریٹ ہیں وہ دیکھو تمہارے لیے کتنا کچھ کرتے ہیں ابھی سے خیال رکھتے ہیں تمہارا اور..... اور سکینہ خالہ نے کہا ہے کہ وہ شادی اور ولیمے کو جوڑوں کے ساتھ ساری شاپنگ تمہاری مرضی اور پسند سے کریں گی۔ ایک ایک چیز تمہاری پسند کی ہوگی۔"
"کیا.....؟" حمنہ کو جیسے ہوش آ گیا۔
"کیوں آپا! تم کو اچھا نہیں لگا سن کر؟" حوریہ کو اس کے چونکنے پر تعجب ہوا۔
"نہیں ایسی بات نہیں، اچھی بات ہے یہ تو....." حمنہ نے جلدی سے کہا دفعتاً جاذب کا سراپا اس کی نگاہوں میں آ گیا۔ جاذب ہر دوسرے دن ملتا، بات کرتا، کال کرتا مگر ابھی تک اس نے شادی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ حمنہ سوچ میں پڑ گئی۔
"کیا ہوا آپا!" حوریہ نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔
"کچھ نہیں، تھکن ہو گئی ہے۔ آج بہت پڑھائی ہوئی کالج میں۔ میں ذرا آرام کر لوں۔" جلدی سے کہہ کر وہ اٹھی اور حوریہ دسترخوان سمیٹنے لگی، تھوڑی دیر بعد اماں بھی آ گئیں، حمنہ سو چکی تھی۔ اماں نے ظہر کی نماز ادا کی اور پھر حوریہ اور اماں بھی آرام کی غرض سے کچھ دیر لیٹ گئیں۔

❁.....❁.....❁

رات کے ایک بجے حوریہ کی آنکھ کھلی تو حمنہ بستر پر نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں حوریہ کو عجیب سا لگا، تھوڑی دیر تو اس نے انتظار کیا کہ شاید واش روم میں ہو مگر جب کافی دیر ہو گئی تو حوریہ کو تشویش ہوئی وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی، باہر نکل کر ادھر اُدھر دیکھا واش روم کھلا پڑا تھا۔ اماں اور ابا بھی سو رہے تھے، حوریہ حواس باختہ ہو گئی۔ "یا الٰہی خیر" دل سے دعا نکلی تب ہی صحن میں آئی تو ہلکی سی سرگوشی کی آواز آئی تب حوریہ نے محسوس کیا آواز چھت سے آ رہی تھی۔ حوریہ کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔
"یا اللہ! آپا اس وقت کس کے ساتھ ہیں؟" وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ دھڑکتے دل اور نپے تلے قدموں کے ساتھ وہ اوپر چھت پر چلی آئی تو یہ دیکھ کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی کہ حمنہ کانوں سے موبائل لگائے کسی سے بات کر رہی تھی۔
"آ..... آپا.....؟" وہ بہ مشکل کہہ سکی۔
"تم.....؟" حمنہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ یک دم ہی سراسیمہ ہو گئی۔ اس نے جلدی سے موبائل آف کر دیا۔
"تم..... تم..... اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ اور کب سے کھڑی ہو یہاں؟" حمنہ نے اپنی حالت پر کنٹرول کرتے ہوئے الٹا اس سے سوال کر ڈالا اس کے لہجے میں غصہ نمایاں تھا۔
"یہی سوال میں تم سے کر رہی ہوں آپا! تم اس وقت یہاں کیا اور کس سے بات کر رہی ہو؟ اور..... یہ..... موبائل کہاں سے آیا تمہارے پاس؟" حوریہ کا لہجہ اس سے کہیں زیادہ تلخ تھا۔
"تم کون ہوتی ہو مجھ سے سوال کرنے والی، تم جتنی ہو اتنی رہو۔ چھوٹی ہو اور میری اماں بننے کی ضرورت نہیں اور میں تمہیں کچھ بتاؤں میں یہ ضروری نہیں سمجھتی۔" حمنہ نے اسے گھورتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی۔
"رکو آپا! میں تمہیں اس طرح ہرگز نہیں جانے دوں گی۔" حوریہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر قدرے سخت انداز میں اسے آگے بڑھنے سے روکا۔
"بتاؤ مجھے یہ سب کیا ہے..... یہ کون تھا؟ کیا چکر ہے یہ سارا..... اور..... آپا تمہاری شادی ہونے والی ہے اور تم..... تم یہ کیسی حرکتیں کر رہی ہو؟ تم کو کیا ہو گیا ہے، تم کو شرم نہیں آ رہی یہ سب کرتے ہوئے۔ تمہیں کچھ خیال بھی نہیں گھر کا، اماں ابا جی اور اپنی عزت کا؟" دکھ سے حوریہ کی آواز بھیگنے لگی تھی۔
"بکواس بند کرو اپنی؟" حمنہ غصے سے پھنکاری۔ "تم اپنی حد میں رہو، میں کسی مناسب وقت کی تلاش میں تھی خود سے سب بتانے والی تھی، اچھا ہوا تم نے دیکھ لیا۔ میں ایک لڑکے سے محبت کرتی ہوں اور..... اور اسی سے باتیں

کررہی تھی‘ یہ موبائل اسی نے مجھے دیا ہے۔ وہ بہت امیر فیملی کا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے‘ سمجھیں تم۔“ وہ نہایت بدتمیزی سے کہہ کر ہاتھ چھڑا کر تیزی سے نیچے کی طرف چلی گئی اور...... حوریہ کو لگا جیسے چھت زمین بوس ہوگئی ہو۔ یہ...... یہ کیا کہہ گئی تھی حمنہ؟ کتنی بے حیائی اور ڈھٹائی سے تو کیا وہ زین بھائی سے شادی نہیں کرے گی؟

”اُف...... ہائے اللہ! ابا جی کا کیا ہوگا؟ اماں اور سکینہ خالہ بے چاری تو پاگل ہوجائیں گی وہ تو برسوں سے آپا کو بہو بنانے کے سپنے سجائے بیٹھی ہیں اور زین بھائی...... ان کا کیا ہوگا؟ وہ تو کتنا پیار کرتے ہیں آپا سے‘ کتنی بار آپا کے لیے جھوٹ بھی بولا۔ شادی بھی آگے بڑھوائی‘ ان کی وجہ سے کالج میں ایڈمیشن ملا اور آج آپا ان کو ہی سزا دینے جارہی ہیں۔ زین بھائی کو ان کی محبت کتنی مہنگی پڑ جائے گی اس کا تو انہوں نے خواب میں نہیں سوچا ہوگا کہ آپا ان کے ساتھ ایسا کرجائیں گی۔ یا اللہ! اب کیا ہوگا؟“ یہ سب سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ گومگو سی کیفیت میں تھی‘ خواب جیسی‘ یا اللہ! بہت جلد ہمارے گھر میں قیامت آنے والی ہے۔ آنے والی قیامت کا سوچ کر ہی حوریہ کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ حمنہ تنتناتی ہوئی جاکر بستر پر لیٹ بھی گئی تھی اور حوریہ کتنی دیر بُت بنی وہیں چھت پر کھڑی اس قیامت کا سوچ رہی تھی جو وقت سے پہلے آنے والی تھی اور دوسرے دن وہ قیامت آ ہی گئی۔

”پاگل ہوگئی ہے کیا؟“ اس جملے کے ساتھ اماں کا بھرپور تھپڑ اس کے سفید گال کو سرخ کرچکا تھا۔ ”نیچ‘ نامنجاز اس عمر میں ہماری ناک کٹوائے گی کیا؟ باپ کی کمر توڑے گی؟ تُو نے ایسا سوچا بھی کیسے ناخلف! تجھے پتا نہیں کیا جب سے ہوش سنبھالا ہے تجھے معلوم ہے ناں کہ تجھے سکینہ کی بہو بننا ہے۔ اب تک خاموش کیوں رہی بدذات؟ اب اس وقت جب کہ شادی بھی ہونے والی ہے۔ کون ہے وہ کمینہ جس نے تجھے بہکایا؟ جس کے دو دن کے عشق نے تجھے سارے رشتوں سے بیگانہ کردیا ہے تُو اپنی عزت کی پروا بھی نہیں کررہی ہے‘ تجھے بوڑھے ماں باپ کی عزت کا بھی خیال نہیں۔ اسی لیے منع کرتی تھی کہ مت پڑھ آگے۔“ اماں لگاتار تھپڑ مارتے ہوئے مسلسل بولے جارہی تھیں۔

”اماں...... اماں...... کیا ہوگیا ہے؟ خدا کے لیے بس بھی کریں؟“ حوریہ نے آگے بڑھ کر روتے ہوئے اماں کو روکنا چاہا۔

”پہلے اماں کو بھڑکایا اب بکواس کرتی ہو۔“ حمنہ نے اماں کا غصہ تھپڑ کی صورت میں حوریہ کے گال پر اتارا۔

”آ...... آپا......“ حوریہ نے گال پر ہاتھ رکھ کر ڈبڈبائی آنکھوں سے بہن کو دیکھا۔

”تاؤ دکھاتی ہے کمینی...... اری ناشکری شکر ادا کر کہ تجھے زین جیسا پیارا بچہ مل رہا ہے‘ بدتمیزیوں اور تیرے غرور کے باوجود تجھے پیار کرتا ہے‘ تجھے پانا چاہتا ہے۔“ اماں کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

”رہنے دو اماں! وہ زین سے لاکھ درجہ اچھا ہے‘ وہ بھی مجھے چاہتا ہے اور زین کی طرح ٹٹ پونجی نہیں ہے‘ بہت امیر ہے وہ بس مجھے اسی سے شادی کرنی ہے۔“ اتنی مار کھا کر بھی وہ نہایت ڈھٹائی اور بدتمیزی سے کہہ رہی تھی۔

”ذلیل...... ابھی بھی بکواس کررہی ہے۔“ اماں کا بس چلتا تو آج حمنہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتیں۔

”اماں تم مجھے آگ لگادو یا قتل کردو‘ مجھے زین سے شادی نہیں کرنی بس......“ وہ بھی بلا کی ڈھیٹ تھی۔ اماں کی برداشت کی حد ختم ہونے لگی۔ ان کا بلڈ پریشر بڑھنے لگا وہ چکرا گئیں۔ حوریہ نے بہ مشکل انہیں سنبھال کر پلنگ پر بٹھایا‘ جلدی سے پانی لے آئی حمنہ کمرے سے نکل گئی۔

”دیکھا حوریہ! اسی لیے منع کرتی تھی کہ اسے گھر سے نکلنے مت دو‘ منع کیا تھا تمہارے باپ کو کہ مت پڑھاؤ اسے۔ دیدہ ہوائی ہے یہ لڑکی! اسے بہت غرور ہے اپنے حسن پر‘ دیکھا ہماری غیرتوں کو لگادیا ناں داؤ پر۔“ اماں اٹھ کر اس کے بیگ کی تلاشی لینے لگی‘ اسی لمحے حمنہ بھی آگئی اور جلدی سے موبائل نکال لیا۔

”لا دے ادھر......“ اماں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے موبائل لیا قبل اس کے کہ وہ سنبھلتی جواباً احتجاج کرتی اماں نے موبائل پوری قوت سے فرش پر دے مارا۔

”اماں...... اماں......“ حمنہ دیوانوں کی طرح لپکی مگر اتنی دیر میں موبائل کے چار ٹکڑے ہوچکے تھے۔

”اماں یہ کیا کیا تم نے......؟“ حمنہ پاگلوں کی طرح موبائل کے ٹکڑے جمع کرنے لگی۔

”آج سے تیری پڑھائی وڑھائی ختم‘ سمجھی تُو...... گھر میں بیٹھے گی آج سے۔“ اماں کہتی ہوئی ہانپتی کانپتی کمرے سے نکل گئیں۔

”ہائے اللہ! زین سنے گا تو...... میں تو مر ہی جاؤں گی اس کا سامنا کرتے ہوئے۔“ وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں اور زمین پر بیٹھ کر موبائل کے ٹکڑے لیے سمٹنے لگی۔

بات ایسی تھی کہ ابا جی کو بھی خبر ہوگئی ابا جی نے اپنی محبت اور بڑھاپے کے واسطے دیئے‘ بہت پیار سے سمجھایا حمنہ بالکل خاموش ہوگئی تھی‘ نہ ہنستی نہ روتی‘ نہ کسی سے کوئی بات کرتی بس دن بھر کمرے میں پڑی رہتی‘ کالج جانا ختم ہوچکا تھا۔ جاذب سے کوئی رابطہ نہ تھا‘ اس کی چپ اور خاموشی بظاہر خطرہ نہیں لگتی تھی کیونکہ باہر سے کوئی رابطہ ہی نہیں تھا۔ رات کو بھی اماں بہت محتاط نیند سوتی تھیں‘ کافی دن گزر گئے تو یہ لوگ قدرے مطمئن ہوگئے حمنہ کی خاموشی اپنی جگہ تھی مگر کوئی احتجاج بھی نہیں کرتی۔ دل چاہتا تو کوئی کام کرلیتی ورنہ رسالے پڑھتے رہتی۔ اماں بھی اسے نہیں چھیڑتیں‘ ابا جی بہت پیار سے بات کرتے وہ بھی ہوں ہاں میں جواب دیتی۔ سب سمجھے کہ چار دن کا عشق تھا یقیناً بھوت اتر گیا۔ گھر کا ماحول قدرے بہتر ہوگیا‘ حوریہ حمنہ کے آگے پیچھے پھرتی رہتی‘ بہانے بہانے سے بات کرتی‘ اسے مخاطب کرتی۔ کبھی کبھی زین آجاتا جس کو دیکھ کر حمنہ کوئی غلط ری ایکٹ نہیں کرتی بلکہ کمرے میں چلی جاتی۔ اماں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی رہتیں کہ لڑکی کی عقل ٹھکانے آگئی۔ وہ مطمئن تھیں انہیں یقین تھا‘ شادی ہوجائے گی تو زین کی محبت کے آگے وہ سب کچھ بچپنا سمجھے گی۔ اماں اور حوریہ شادی کی تیاریاں کررہے تھے اس سے پوچھتے تو وہ سب کچھ حوریہ پر ڈال دیتی‘ ہر چیز سے دامن بچالیتی‘ یہ ہی غنیمت تھا کہ وہ خاموش تھی‘ اماں بھی زیادہ اصرار نہ کرتیں۔

اس روز نہ جانے حمنہ کے دل میں کیا سمایا کہ ناشتے کے بعد اس نے دوپہر کا کھانا خود سے پکایا آج اماں کی بڑی کمیٹی ملنے والی تھی وہ کمیٹی لینے گئیں اور حمنہ کھانا پکانے لگی۔ حوریہ کو اچھا لگا کہ آپا نے آج نارمل انداز میں بات کی وہ اور اماں خاصے مطمئن تھے۔ دوپہر تک اماں کمیٹی کے پیسے لے آئیں‘ تینوں نے مل کر کھانا کھایا‘ کھانے سے فارغ ہوکر حمنہ کمرے میں لیٹنے لگی تو حوریہ آ گئی۔

”آپا! اماں کہہ رہی ہیں شام کو بازار چلنا ہے آج زیور لینا ہے تمہارا۔“ حوریہ نے کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے لے جانے کی‘ کہہ دو اماں سے۔ جس طرح زندگی بھر کا ساتھی چن لیا تو محض زیور کی کیا اہمیت ہے؟ وہ بھی اپنی پسند سے لے آئیں۔“ زہرخند لہجے میں کہہ کر چادر اوڑھ کر وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ حوریہ تاسف سے حمنہ کو دیکھنے لگی اسے حمنہ پر ترس آرہا تھا تو دوسری طرف غصہ بھی تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر واپس پلٹ گئی۔ شام کو حوریہ اور اماں زیور کی خریداری کے لیے بازار جانے لگیں تو جاتے ہوئے حوریہ نے کمرے میں آکر حمنہ سے کہا۔

”آپا! کنڈی لگالو ہم لوگ جارہے ہیں ابھی تھوڑی دیر میں ابا جی آجائیں گے۔ تم بھی چلتیں ناں؟“ حوریہ نے ایک بار پھر کوشش کی۔ حمنہ نے بڑی بڑی آنکھوں سے اس طرح گھور کر دیکھا کہ حوریہ بوکھلا گئی۔

”اچھا اللہ حافظ!“ کہہ کر جلدی سے باہر نکل گئی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد حوریہ اور اماں بازار سے لوٹے تو باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

”دیکھا خاص طور پر کہا تھا کہ کنڈی لگالو یہ لڑکی تو......“ اماں گھر میں داخل ہوئیں اور بڑبڑاتی ہوئی صحن میں پلنگ پر بیٹھ گئیں اور چادر اتار کر سائیڈ میں رکھی‘ حوریہ نے بھی شاپر پلنگ پر رکھے اور حمنہ کو بلانے کمرے میں

چلی گئی مگر...... کمرے میں حمنہ نہیں تھی۔

"اماں...... اماں...... آپا کمرے میں نہیں ہیں۔" وہ زور سے چلائی۔

"ہائیں......! کیا کہہ رہی ہے؟" اماں کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تو وہ خود ہی کمرے کی طرف چلی آئیں۔ چھوٹے سے میز پر رسالے کے نیچے رکھے کاغذ پر حوریہ کی نظر پڑی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا اس نے ڈرتے ڈرتے کاغذ اٹھایا' کھولا تو لگا جیسے پیروں تلے زمین نکل گئی ہو حمنہ کی لکھائی تھی صاف اور واضح۔

"اماں' ابا جی! مجھے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا پورا پورا قانونی حق ہے' جو آپ لوگ مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں لیکن میں اپنی پسند سے جینا چاہتی ہوں' اپنی پسند کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں جاذب کے ساتھ۔ جاذب کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی ایک لڑکی کو خواہش ہوتی ہے اسی لیے میں اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے لیے بہتر راستہ منتخب کرنے جارہی ہوں' آپ لوگ پلیز مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ آپ لوگ خوشی سے راضی ہوجاتے مگر آپ لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردیں حمنہ!" حوریہ نے خط ختم کیا۔ اماں نے زور سے چیخ ماری اور دل تھامے ایک طرف لڑھکتی چلی گئیں۔

"اماں...... اماں......" کاغذ پھینک کر حوریہ اماں کو سنبھالنے بھاگی مگر اماں بے ہوش ہوچکی تھیں۔

"یا اللہ! میں کیا کروں۔" حوریہ گھبرا کر زور زور سے رونے لگی۔ اماں کو پکارنے لگی' اتفاق سے اسی وقت ابا جی گھر میں داخل ہوئے تو گویا قیامت ان کی منتظر تھی۔

"آپا...... آپا...... چلی گئیں ابا جی! اماں...... اماں کو پتا نہیں کیا ہوگیا؟" وہ مسلسل روتے ہوئے بولے جارہی تھی۔ ابا جی جیسے پتھر کے ہوگئے تھے یوں ہوجائے گا ایسا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ یقینی اور بے یقینی کی کیفیت میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

"شاکر علی!" اماں نے کچھ دیر بعد آنکھ کھولی تو شوہر کو دیکھ کر وہ بلک اٹھیں۔

"شاکر علی! مجھے زہر لادو کہیں سے' تمہاری بیٹی نے مجھے جیتے جی ماردیا۔ میں زندہ نہیں رہ سکتی' مجھے ماردو۔" وہ خود کو بری طرح پیٹنے لگیں۔ شاکر علی اور حوریہ دوڑ کر قریب آئے۔

"حمیدہ...... حمیدہ! خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ اگر تم کو کچھ ہوگیا تو...... تو ہمارا کیا بنے گا؟" انہوں نے روتے ہوئے بیوی کو سنبھالا۔

"میں...... میں کیا کروں شاکر علی! سکینہ کا سامنا کیسے کروں گی۔"

"اماں...... اماں...... پانی پی لیں۔" حوریہ دوڑ کر پانی لے آئی۔

"حمیدہ! ہم...... ہم کس طرح دنیا کا سامنا کریں گے؟ تم ہی نہیں ہم سب مظلوم ہیں حمیدہ! میں کہاں سے لاؤں گا ہمت کہ زین کا سامنا کرسکوں۔ اس بات کا اثر حوریہ پر بھی پڑے گا ہم سب برباد ہوگئے حمیدہ! اس نے ہم سب پر ظلم کیا ہے' ہمیں مار ڈالا جیتے جی۔" ابا جی کی آواز کے ساتھ ساتھ پورے بدن میں لرزہ طاری تھا۔

اچانک اماں کا بی پی شوٹ کرگیا وہ بے دم سی ہوکر گر پڑیں' حوریہ بُری طرح رونے لگی دونوں باپ بیٹی ان کو لے کر قریبی اسپتال بھاگے۔ سکینہ اور زین کو پتا چلا تو وہ دوڑے آئے۔ اسی وقت وہ لوگ اسپتال سے واپس آکر بیٹھے تھے' گھر میں عجیب قسم کی سوگواری چھائی ہوئی تھی ہر طرف اداسی تھی۔ حوریہ' ابا جی اور اماں کے غمگین اور مضمحل چہرے دیکھ کر سکینہ پریشان ہوگئیں۔

"آپا کیوں اچانک تمہارا بی پی بڑھ گیا' کیا تم نے حمنہ کی شادی کی فکر خود پر سوار کرلی ہے۔" سکینہ نے بہن کو محبت سے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "تم کیوں فکر کرتی ہو وہ میری بیٹی بن کر جائے گی۔" سکینہ مسکرائیں۔ "ویسے وہ ہے کہاں؟" ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے سکینہ نے سوال کیا۔ ابا جی سر جھکائے کمرے سے نکل گئے' حوریہ پلنگ کی چادر درست کرنے لگی۔ اماں کا پژمردہ چہرہ دیکھ کر

زین ٹھٹکا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے ماں کی جانب دیکھا' سکینہ ایک دم ہی سنجیدہ ہوگئیں۔ انہیں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی۔

"آپا...... آپا...... خیریت تو ہے ناں...... سب ٹھیک ہے ناں؟" سکینہ نے بہن کے ہاتھ تھام کر ملائمت سے پوچھا تو اماں کی برداشت سے باہر ہوگیا وہ سکینہ سے لپٹ کر زارو قطار رونے لگیں۔ سکینہ بیگم حواس باختہ ہورہی تھیں۔ زین بھی بے اختیار ہوکر خالہ کے قریب آگیا۔

"حوریہ! یہ سب کیا ہے بتاؤ......" زین حوریہ کی طرف پلٹا۔

"زین بھائی...... زین بھائی...... آپا...... آپا پتا نہیں کہاں چلی گئیں گھر چھوڑ کر۔" وہ سسکتے ہوئے بمشکل کہہ سکی۔

"کیا......؟" دونوں ماں بیٹا بُری طرح اچھل پڑے۔

"ہاں میرے بچے! میری بہن مجھے معاف کردینا' نہ جانے ہم سے کہاں غلطی ہوگئی' ہماری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی تھی کہ اس کمبخت نے ہمیں جیتے جی مار ڈالا۔ ہمیں تم سے نظر ملانے کے قابل نہ چھوڑا' اس نانہجار نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔" اماں بُری طرح بکھر رہی تھیں۔

"خالہ سنبھالیں خود کو۔" زین نے آگے بڑھ کر خالہ کو سینے سے لگایا۔ سکینہ تو ہونق بنی بیٹھی تھیں پھر بہن کا ہاتھ تھام کر وہ بھی بُری طرح رودیں۔

"آپا! اس نے ایسا کیوں کیا؟" زین بھی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے نڈھال سا بیٹھا تھا۔ گھر کا ماحول میت کے گھر جیسا ہوگیا تھا۔ سسکیوں اور آہوں بھرا سوگوار اور غمگین۔ جہاں سے بیٹی کا جنازہ نکلا تھا مگر ماں باپ کے گلے میں ذلت اور رسوائی کا طوق ڈال کر۔

"سکینہ مجھے معاف کردے میری بہن! شاید میری پرورش ہی کھوٹی تھی شاید میرا قصور ہے' میری بدنصیبی ہے کہ مجھے خدا نے ایسی اولاد دی کہ جس نے مجھ سے جینے کی خواہش ہی چھین لی۔ میں کیسے معافی مانگوں تم لوگوں سے۔"

"خدا کے لیے آپا ایسا مت کہو۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے' تم کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ حوریہ بھی تو تمہاری اولاد ہے ناں۔" سکینہ نے آگے بڑھ کر بہن کو تسلی دی۔

"اللہ کو یہی منظور تھا تو ہم آپ کیا کرسکتے ہیں آپا اور تم کو شرمندگی کا سامنا کرنے کی کیا ضرورت ہے اگر مناسب سمجھو تو ایک بات کہوں؟" سکینہ قدرے سنبھل کر بولیں۔

"کیا......؟" اماں نے بہن کو دیکھا۔

"آپا اگر تم اور شاکر بھائی مناسب سمجھو تو حوریہ کو مجھے دے دو۔" سکینہ نے جملہ مکمل کیا تو اماں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر حیرت سے بہن کو دیکھا جیسے کہ اس کی دماغی حالت پر شبہ تھا۔ انہیں اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا' اتنا سب کچھ ہونے کے بعد سکینہ کیا کہہ رہی تھی' حوریہ نے بھی حیرت سے خالہ کو دیکھا۔

"یہ...... کیا کہہ رہی ہے سکینہ؟" اماں نے تصدیق چاہی۔ زین نے بھی پہلے اماں اور پھر خالہ کی جانب دیکھا۔

"ہاں آپا! کیا حوریہ میری بچی نہیں ہے' کیا مجھے اس کی فکر نہیں ہوگی ایسے حالات میں۔" سکینہ کے لہجے میں بے پناہ اپنائیت کے ساتھ خلوص بھی تھا۔ مگر مگر...... زین؟ اماں نے زین کی طرف اشارہ کیا۔

"خالہ! مجھے اماں کا فیصلہ منظور ہے مجھے کوئی پرابلم نہیں۔" زین نے دھیرے سے کہا۔ اسی لمحے ابا جی بھی

> ہائیکو
>
> جس دن میں اپنے ربّ کو منالوں
>
> سن لے اے زندگی!
>
> اس دن تو روٹھ جانا مجھ سے
>
> شگفتہ خان...... بھلوال

کمرے میں داخل ہوئے۔

"بھائی صاحب! ہمیں خالی ہاتھ نہ لوٹائیں' مجھے حوریہ بھی اتنی ہی عزیز ہے۔" سکینہ نے بہنوئی کو دیکھ کر سوال دہرایا۔

"سکینہ! تم نے ہمیں خرید لیا ہے۔" ابا جی نڈھال سے پلنگ پر ڈھے سے گئے انہیں سکینہ سے اتنی بڑی اور فی الفور بات کی امید ہرگز نہ تھی۔ کتنے اعلیٰ ظرف اور بڑے دل کا مظاہرہ کیا تھا' ماں بیٹے نے دونوں میاں بیوی کی آنکھیں ان کے خلوص اور محبت پر نم ہوگئیں۔

"سکینہ! تم اور تمہارا بیٹا دونوں بہت عظیم ہو۔ تم نے تو ہماری جھکی ہوئی کمر کو سہارا دے دیا۔" شاکر علی بھیگے لہجے میں بولے۔

"پلیز خالو! ایسا مت کہیں۔" زین نے آگے بڑھ کر خالو کے ہاتھ محبت سے تھامے۔ حوریہ کمرے سے نکل گئی عجیب گومگو سی کیفیت تھی' اس کی اچانک سے یہ کیا ہوگیا حیرت اور خوشی کے ساتھ دکھ بھی تھا' یہ کیسے فیصلے ہوتے ہیں قدرت کے ہم سب بے بس ہیں رب کی رضا کے آگے۔ وہ باورچی خانے میں بیٹھی آنسو بہاتے ہوئے سوچ رہی تھی' یہ کیسا پلٹا کھایا تھا نصیب نے جو وہم وگمان میں بھی نہ تھا وہ ہونے جا رہا تھا۔ سوگ والے ماحول میں ذرا سا بدلاؤ آیا تھا۔

"بس آپا! ہم صبر کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتے ناں' اللہ تعالیٰ جانے والی کو ہمیں' تمہیں دکھ دینے والی کو بُرے وقت سے محفوظ رکھے۔ بس تم اب خود کو سنبھالو ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے آپا۔" سکینہ کے جملوں نے جیسے ابا جی اور اماں کے زخموں کو کسی حد تک مرہم بخشا تھا مگر حمنہ کی فکر اب بھی دامن گیر تھی' وہ گھر کی محفوظ چار دیواری کو چھوڑ کر نہ جانے کہاں بھٹک رہی ہوگی' ایک بار پھر اماں کی آنکھیں برسنے لگیں اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کی دعاؤں کے ساتھ۔

❁......❁......❁

حمنہ خود کو چادر میں اچھی طرح لپیٹ کر گھر سے نکلی اور تیز تیز چلتی ہوئی جلدی جلدی گھر سے دور ہوتی گئی۔ وہ تو شکر تھا کہ اسے جاذب کا سیل نمبر زبانی یاد تھا۔ کافی دیر چلنے کے بعد وہ ایک ٹیلی فون بوتھ تک پہنچی۔

"کہاں ہو یار تم؟ کتنے دن ہوگئے کوئی کال نہیں' کوئی رابطہ نہیں' میں تو تھک گیا ٹرائی کرتے کرتے' سیل کیوں بند ہے تمہارا؟" آواز سن کر جاذب نے بے تابی سے کئی سوال کر ڈالے۔

"جاذب میں...... میں بہت پریشان ہوں پلیز مجھے فوراً ملو۔" حمنہ نے کہا۔

"کیوں جان! کیا ہوا...... تم کہاں ہو اس وقت؟ مجھے بتاؤ کہاں ملنا ہے میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔" دوسری جانب بے تابی عروج پر تھی' حمنہ نے جگہ کا بتایا۔

"او کے! میں آ رہا ہوں بس۔"

خود کو چادر میں چھپائے وہ پارک کے قدرے سنسان گوشے میں آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد اسے جاذب آتا دکھائی دیا۔

"کیا ہوا یار! تم کہاں تھیں؟ اندازہ بھی ہے تم کو میں کتنا ڈسٹرب رہا ہوں ایک ایک لمحہ عذاب کی طرح گزارا میں نے۔" آتے ہی بے تابی سے جاذب اس کے ہاتھ تھام کر گلہ کر بیٹھا۔

"جاذب سنو پلیز! میں نے...... میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے اور میں گھر سے آ گئی ہوں تمہارے لیے کیونکہ میرے گھر والے میری شادی میری مرضی کے بنا کر رہے تھے۔" جملہ مکمل ہوا ادھر جاذب نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا' یوں جیسے اچانک سے کرنٹ لگ گیا ہو۔

"کیا......؟ تم نے گھر چھوڑ دیا؟ کیوں مگر...... تم نے ایسا کیوں کیا؟" جاذب ایک لمحے کے لیے بُری طرح گڑبڑا گیا اور اس سے سوال کر بیٹھا۔

"جاذب میں نے بہت چاہا کہ اماں ابا ایک بار تم سے مل لیں' تم کو دیکھ لیں مگر...... مگر وہ نہ مانے' اماں نے مجھے بہت مارا۔ میرا کالج چھڑوا دیا' میرا سیل توڑ دیا اور گھر

میں قید کر دیا۔ میں بہت روئی' بہت تڑپی ہوں تمہارے لیے۔ جاذب! مجھے اپنے گھر لے چلو' ہم...... ہم شادی کرلیں گے۔" وہ بھی رونے لگی اور جاذب سے شادی کا کہا تو جاذب بوکھلا گیا۔

"پ...... پ...... پاگل ہو گیا تم؟ ہم اچانک سے ایسا کیسے کر سکتے ہیں' تم ایک بار مجھ سے پوچھتیں' بات تو کرتیں۔" جاذب کو اس قدر سنگین صورتِ حال کا قطعی علم نہ تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ اتنا آسان ہے کیا جیسے تم کہہ رہی ہو۔"

"کیوں! کیا مشکل ہے اس میں؟ کیا تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟" حمنہ کو اس کے ردعمل سے جھٹکا سا لگا تھا۔

"ہے محبت لیکن...... لیکن اس طرح شادی کیسے یار؟ شادی کے لیے انسان مائنڈ بناتا ہے' پلاننگ ہوتی ہے پہلے سے طے ہوتا ہے۔" جاذب نے سنبھل کر لہجے کو نارمل بنا کر کہا۔

"کیسے بتاتی؟ جب رابطے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا' نہ کالج نہ فون میں کیا کرتی پھر؟ آج تو قدرت کی طرف سے موقع نصیب ہوا اور میں گھر سے نکل آئی صرف تمہاری خاطر' میرا ذہن تو بے کار ہو گیا تھا سوچ سوچ کر' خود کو کتنا کنٹرول کیا میں نے۔ تم...... تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے جاذب۔" وہ جاذب کے ہاتھ تھام کر سسک پڑی۔

"وہ سب کچھ ٹھیک ہے حمنہ ڈیئر! مگر تم...... تم نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا یہ سوچو کہ پیچھے تمہارے گھر والوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ کتنا دکھ اور تکلیف ہوئی ہوگی ان سب کو تمہاری اس حرکت کی وجہ سے' تمہارے سسرال والے کتنا ذلیل کریں گے ان لوگوں۔" جاذب نے ملائمت سے سمجھایا۔

"میں نے تمہارے لیے سب کچھ چھوڑ دیا ہے جاذب! کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟" اس کے لہجے میں غیر یقینی تھی۔

"بھروسہ ہے ناں تم کو مجھ پر؟" جاذب نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا' بھروسہ نہ ہوتا تو کیا میں انتہائی قدم اٹھاتی؟ یہ قدم اٹھانا ہی تم پر مکمل اعتماد اور بھروسے کی مکمل دلیل ہے اور بس تم پلیز جاذب! تم میرے اعتماد کو قائم رکھنا' میرے بھروسے کو توڑنا نہیں۔" حمنہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" جاذب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے یقین دلایا وہ اٹھ کر جاذب کے ساتھ ساتھ چل پڑی' وہ دونوں پارک سے باہر نکل آئے۔ دور دور تک جاذب کی گاڑی نظر نہیں آئی۔

"تمہاری گاڑی......؟" حمنہ نے جاذب کو دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں ہے' آج ہم رکشے سے چلیں گے۔" جاذب نے ہاتھ کے اشارے سے رکشہ روکتے ہوئے کہا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" رکشہ میں بیٹھ کر حمنہ نے آہستہ سے کہا۔

"میرے گھر اور کہاں؟" جاذب نے دھیرے سے جواب دیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے حمنہ کے ذہن میں عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔ جاذب کی فیملی باہر تھی وہ

کچھ لمحے

یادوں کی راہ گزر پر
آ کر ٹھہر گئے ہیں
یہ زادِ راہ کی صورت
میرے ساتھ رہتے ہیں
میری راہوں میں
سنگ میل بن کر
مجھے رستہ بتاتے ہیں
جب تک بدن میں
سانس دل میں کوئی آس باقی ہے
یہ لمحے تب تلک میرے دل کی سرزمین پر کھلے ہیں گے

نگینہ نورین...... کوٹ قیصرانی

گھر میں اکیلا ہوتا ہے' الٰہی رحم کرنا' دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی۔ بظاہر جاذب ایسا تو نہیں لگتا تھا۔ ایک بار اس کا دل چاہا رکشہ سے چھلانگ لگا دے' اتر کر بھاگ جائے مگر کہاں؟ کہاں جاتی پیچھے کے راستے تو وہ خود بند کر کے آئی تھی جب اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اتنا بڑا قدم اٹھا ہی لیا تھا تو اب جو تھا' جیسا تھا اسے بھگتنا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے جاذب کو دیکھا' جاذب کے چہرے پر بھی عجیب سی بے چینی اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

عجیب سے علاقے میں داخل ہو کر جاذب نے رکشہ رکوایا۔ حمنہ حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی' یہ بہت عجیب اور پسماندہ سا ایریا تھا۔ نہ جانے کون سی جگہ تھی۔ حمنہ حیران نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی' کچے کچے گھر' جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر اور ٹوٹے پھوٹے سے مکانات' آس پاس میلے کچیلے بچے' عجیب میلی اور غریب خواتین' یہ عجیب سی بستی لگ رہی تھی۔

"اترو۔" جاذب کی آواز پر وہ بُری طرح چونکی۔

"تم...... تم...... یہاں کیوں لائے ہو؟" اس کے خیال میں جاذب اس کو کہیں بیچنے لایا تھا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں بولی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ فائیو اسٹار جاؤں کیا؟" جاذب نے قدرے تیکھے لہجے میں طنزاً پوچھا۔

"نہیں مم...... مم...... میرا مطلب تم نے کہا تھا ناں اپنے گھر جا رہے ہو تو یہاں؟ تم یہاں رہتے ہو؟" وہ ہکلا رہی تھی اور رکشہ سے اتر کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔

"کیوں؟ یہاں جو رہتے ہیں' یہ انسان نہیں دکھائی دے رہے۔" وہ جھنجلا کر بولا وہ روہانسی ہو گئی۔

الٰہی میرے گناہوں کو معاف کر دینا پروردگار! وہ دل ہی دل میں آیۃ الکرسی پڑھتی ہوئی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ ایک چھوٹے سے بوسیدہ سے مکان کے آگے وہ رک گیا۔ حمنہ نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ جاذب نے دروازے پر دستک دی' دروازہ کھلا' سامنے سترہ' اٹھارہ سال کی لڑکی کھڑی تھی۔

"کون ہے؟" اندر سے کرخت آواز آئی۔

"بھائی ہے اماں!" لڑکی نے جاذب کو اور پھر اس کے پیچھے کھڑی حمنہ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ جاذب راستہ بنا کر آگے آیا۔

"بھائی! یہ کون ہے؟" حمنہ کو آتا دیکھ کر لڑکی نے آنکھیں پھیلا کر سوال کیا۔

"اندر تو آنے دو ناں۔" جاذب نے کہا تو لڑکی بھاگتی ہوئی اندر کی طرف واپس چلی گئی۔

"بیٹھو یہاں۔" صحن میں بچھے پلنگ کی طرف اشارہ کیا' حمنہ حیرت واستعجاب کے عالم میں تھی۔ یہ گھر' یہ لڑکی' اماں' بھائی...... اُف! یہ سب کیا تھا؟ کیا جاذب وہ نہیں جو نظر آتا تھا۔ اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ وہ عجیب سی سوالیہ نظروں سے جاذب کو دیکھنے لگی ان نظروں میں نہ جانے کیا تھا' جاذب گڑبڑا گیا۔ وہ سراپا سوال تھی اور ایک تلخ حقیقت اس کے سامنے تھی۔

"ہاں! یہی سچ ہے' یہی حقیقت ہے جو تم دیکھ رہی ہو' میں وہ نہیں جو نظر آیا' میں یہ ہوں جو اس وقت تمہیں نظر آ رہا ہوں۔ یہی تلخ سچائی ہے جس کا اب تمہیں سامنا کرنا ہے۔" جاذب نے نگاہیں چراتے ہوئے قدرے شرمندہ سے لہجے میں کہا' وہ ابھی حیرتوں کے سمندر میں تھی کہ کمرے سے لڑکی کے ساتھ ایک پکی عمر کی عورت نکل آئی' جو انتہائی غصے میں لگ رہی تھی۔

"ہائے ہائے لڑکے! یہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے تُو کیوں اٹھا لایا ہے اسے...... کہاں ملی تجھے؟" وہ عورت ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئی۔

"بتاتا ہوں اماں! مہمان ہے ذرا چائے پانی کا تو پوچھ لو اس سے۔" جاذب نے اماں کو کاندھے سے پکڑ کر پلنگ پر بٹھاتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"جا چھوٹی! چائے تو بنا لے۔" جاذب نے پلٹ کر لڑکی سے کہا تو لڑکی واپس مڑ گئی۔ حمنہ حیران پریشان مجرم سی بنی کھڑی تھی۔ اماں نے حمنہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو حمنہ جھجکتی ہوئی کونے پر ٹک گئی۔

"اماں! یہ حمنہ ہے میں اس کو پسند کرتا ہوں۔"

"کیا......؟" اماں نے آنکھیں پھاڑ کر قدرے زور سے کہا تو جاذب نے نظریں جھکا لیں' حمنہ بے حد شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

"اگر پسند تھی تو...... کیا ایسے ہوتا ہے تو ہمیں بتاتا' ہم خود جاتے تیرا رشتہ لے کر' کیا ایسے ہوتی ہے پسند کی شادی؟ کیا لاوارث ہے یہ؟" اماں کی بات پر حمنہ نے تڑپ کر نگاہ اٹھائی۔

"نہیں اماں! میں کرنے والا تھا بات تم سے مگر...... مگر اس کے گھر والے نہیں مانے تو......"

"تو اس کا مطلب یہ بھاگ کر آئی ہے۔" اماں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ان کے لہجے میں حقارت تھی' حمنہ کو لگا جیسے اسے گالی دی گئی ہو' اس نے تڑپ کر پہلے جاذب کو پھر اماں کو دیکھا۔

"واہ جی واہ! گھر والے راضی نہ تھے تو انہیں راضی کرتی' سمجھاتی' نہ کہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ آئی۔ یہ شریف لڑکیوں کے لچھن نہیں ہوتے۔ وہ لڑکیاں بھلا کیا اچھی ہوں گی جو ماں باپ کی عزت کا خیال نہ کریں' جن سے پیدا ہوئیں' جنہوں نے پالا پوسا ان کی غیرتوں کو پامال کر کے چلی جانے والی لڑکیاں دوسروں کی عزتوں کا کیا خیال کریں گی۔ جاذب! اسے چھوڑ آ فوراً...... تجھے شرم نہ آئی اپنے گھر میں جوان جہان بہن ہے اور تُو ایک بھاگی ہوئی لڑکی کو کتنی ڈھٹائی سے لے کر آ گیا' ہم غریب ہیں مگر شریف لوگ ہیں' ہم سے یہ برداشت نہیں ہوگا۔"

اماں کے لہجے میں انگارے بول رہے تھے ان کی آواز شدت جذبات سے لرزنے لگی تھی۔ حمنہ کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے' اس کا وجود جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

اتنی ہتک' اتنی تذلیل' اتنی بے عزتی تو کبھی نہ ہوئی تھی۔ جاذب کی ماں نے کچھ غلط بھی تو نہیں کہا تھا' اس کی حرکت ہی ایسی تھی بلا سوچے سمجھے انتہائی غلط قدم اٹھا لیا۔ ابا جی اور اماں تو لعنت بھیج چکے ہوں گے' اب میرے ساتھ کیا ہوگا؟ جاذب کی ماں کا فیصلہ جاذب کو ماننا ہوگا یا......؟ اب اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ وہ نگاہیں زمین پر گاڑے مسلسل الٹی سیدھی سوچوں میں گھری تھی۔ آنکھوں سے گرتے ٹپ ٹپ آنسو اس کا دامن بھگو رہے تھے۔

ابا' اماں اور حوریہ کی عزتوں کو جس طرح داؤ پر وہ لگا کر نکلی تھی اس کی اتنی بھاری قیمت دینی پڑ رہی تھی۔ اسے نہ جانے کیا کیا برداشت کرنا تھا' پہلا شاک جاذب کی دہری شخصیت کا لگا تھا' وہ تو جاذب کو لکھ پتی سمجھ کر آئی تھی۔ اسی شاک میں تھی کہ پے در پے اس کی دھجیاں بکھیری جا رہی تھیں۔ اس کے کردار کو مشکوک بنایا جا رہا تھا' آوارہ' بدچلن اور ننگ خاندان جیسے القابات سے نواز جا رہا تھا۔

"اٹھ لڑکی!" اماں نے آگے بڑھ کر اسے جھنجوڑا۔ وہ چونکی گھبرا کر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"اماں! ذرا صبر کرو ناں' دیکھو بے چاری کتنا رو رہی ہے۔" چھوٹی کے لہجے میں اس کے لیے ہمدردی نمایاں تھی جس نے درمیان میں آ کر اماں کو روکا۔

اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے ایک لفظ بھی نہ تھا جو اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر آتا' جس سے وہ اپنا بچاؤ کر سکتی۔ جس سے وہ یقین دلاتی کہ وہ بھی نیک اور شریف لڑکی ہے کیونکہ وہ راستے تو وہ خود اپنے ہاتھ سے بند کر آئی تھی کچھ کہتی تو کس منہ سے؟

"اماں!" جاذب نے آگے بڑھ کر اماں کو کاندھے سے تھاما۔ "اماں تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ایک بار میری بات سن لو۔" جاذب نے بہت نرمی سے عاجزانہ انداز میں کہا تو اماں نے خونخوار نظریں حمنہ پر ڈالیں اور جاذب کے ساتھ اندر کمرے کی طرف چلی گئیں۔ حمنہ دم سادھے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کرنے لگی۔

"یہ لو...... پانی پی لو۔" چھوٹی کی آواز پر حمنہ نے نگاہیں اٹھائیں' ٹھنڈے پانی کا گلاس لیے وہ سامنے کھڑی تھی۔ حمنہ کی نظروں میں تشکر ابھر آیا۔

"تم فکر مت کرو اماں مان جائیں گی۔ تھوڑی سی غصے

کی تیز ہیں اچانک سے تمہیں دیکھا تو شاید اس لیے غصہ آ گیا ہے۔ بھائی کو بہت پیار کرتی ہیں مان جائیں گی وہ۔" اماں اور جاذب جب تک اندر رہے وہ امید وبیم کی کیفیت میں تھی۔ اماں کے ساتھ جاذب کمرے سے نکلا تو اس نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھائی' جاذب کا چہرہ مطمئن تھا اور اماں کے چہرے پر بھی کچھ دیر پہلے والی چٹانوں جیسی سختی نہیں تھی۔ اماں قریب آئیں تو وہ ان کے بولنے کی منتظر تھی۔

"سن لڑکی!" اماں گویا ہوئیں' وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"ہم ابھی کچھ دن پہلے ہی اس محلے میں آئے ہیں' اس لیے یہاں کے لوگوں سے ہماری اتنی واقفیت نہیں ہے' میں سب سے کہہ دوں گی کہ تُو میری یتیم بھانجی ہے' ماں بھی نہیں ہے تو یہاں آئی ہے۔ ابھی تو نہیں میں کچھ دن بعد تیرا نکاح کروادوں گی جاذب سے مگر یاد رکھنا گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والی لڑکیوں کی سسرال میں کوئی عزت' کوئی حیثیت نہیں ہوگی اگر جاذب میرا اکلوتا بیٹا اور میری کمزوری نہ ہوتا تو میں کبھی بھی تجھے برداشت نہ کرتی۔ تیری شکل بھی دیکھنے کی روادار نہ ہوتی' تجھی۔" اتنا کہہ کر وہ دوسرے پلنگ پر بیٹھ گئیں اور پاندان گھسیٹ کر پان بنانے لگیں۔

"یتیم' بن ماں کی....." یہ دونوں لفظ نشتر بن کر حمنہ کی سماعتوں میں جا کر لگے تھے۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اماں' ابا جی آپ دونوں کو میری عمر لگ جائے' کیسی کیسی منحوس اور دل چیرنے والی باتیں سننے کو مل رہی تھیں جس کا گمان بھی نہ تھا اسے اماں اور ابا جی کی بے تحاشا یاد آئی۔ وہ تو بنگلہ گاڑی عیش اور ٹھاٹ باٹ کے تصور میں اپنی حیثیت کو چھوڑ کر نکلی تھی اپنے باپ کی کمر توڑ کر چلی آئی تھی مگر...... مگر یہاں آ کر سارے خواب' ساری خواہشیں' خیالات اور سوچیں سب مٹی کے ڈھیر کی طرح بہہ گئی تھیں' یہاں تو عزت کا ایک لفظ نہ ملا۔ بدنامی' رسوائی' غلط خطابات......

اماں کے فیصلے سے چھوٹی ایک دم خوش تھی۔ اسے حمنہ بہت اچھی لگی تھی معصوم اپنی اپنی سی اور اسے کتنا ارمان تھا کہ اس کی کوئی بہن ہو اور آج اسے بہن مل گئی تھی۔

❀......❀......❀

حمنہ کے سارے خواب چکنا چور ہوگئے جاذب جس کو وہ لکھ پتی بزنس مین سمجھتی تھی جس کی امارت' ٹھاٹ باٹ سے مرعوب ہو کر وہ اپنے عام سے گھر ہونے والے سسرال کو چھوڑ کر آئی تھی وہ سب تو محض ایک جھوٹ تھا ایک بہت بڑا جھوٹ جو تب کھلا جب حمنہ کے پاس واپس کی کوئی راہ نہ رہی تھی۔ ساری کشتیاں جلا کر وہ یہاں پہنچی تھی۔ جاذب تو ایک ورکشاپ پر مکینک تھا اور گاڑیاں لے کر گھومتا پھرتا تھا اچھا خوبرو اور صحت مند نوجوان تھا اچھے کپڑے پہن کر جب گاڑی لے کر نکلتا تو ہر کوئی اس کو گاڑی کا مالک' کھاتا پیتا نوجوان سمجھتا اور وہ اسی بات کا فائدہ اٹھاتا' اسی طرح حمنہ کو بھی اس نے جھوٹ بول کر اپنی محبت کا یقین دلایا' یوں تو وہ واقعی حمنہ کو پسند کرنے لگا تھا۔ اس کا ارادہ تھا مناسب وقت دیکھ کر اس کو سچ بتادے گا مگر یہاں تو سب کچھ ایسے اچانک ہوگیا کہ وہ خود ہی بوکھلا گیا۔ حمنہ جو رسالے اور ناولز پڑھ کر خود کو ہیروئن سمجھنے لگی تھی اور جب اس کو اس کی سہیلیاں بھی یقین دلاتیں کہ تم تو اتنی حسین ہو کہ کوئی امیر شہزادہ آ کر تمہیں بیاہ لے جائے گا بس وہ بھی امیر شہزادے کے خوابوں میں رہنے لگی ایسے میں اسے معمولی تنخواہ والا زین اور عام سے گھر والی خالہ سکینہ بھی بری لگنے لگیں۔ اسے جاذب کی شکل میں وہ شہزادہ نظر آ گیا جس کی وہ منتظر تھی اسے سکینہ خالہ کا دو کمروں کا گھر ڈربہ لگنے لگا' اس کی نظروں میں جاذب کا بنگلہ جو بس گیا تھا۔ سب کچھ ختم ہوگیا' جاذب تو زین سے بھی کم حیثیت نکلا تھا سب سے بڑا کڑوا سچ تو یہ تھا کہ اس نے حمنہ سے جھوٹ بولا تھا اس سے چیٹنگ کی تھی' اس کے جذبات کی توہین کی تھی۔ اُف کتنا بھیانک اور تلخ سچ سامنے تھا' جسے ہر صورت برداشت کرنا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی سوچ رہی تھی۔

رات کو کمرے میں اس کی چارپائی بھی ڈال دی گئی۔

اب کمرے میں تین چارپائیاں تھیں' اماں' حمنہ اور چھوٹی۔ دوسرا کمرا جاذب کا تھا۔

رات کو وہ سونے کے لیے لیٹی تو ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں میں اتر آئے' اس سے اچھا تو سکینہ خالہ کا گھر ہی تھا کم از کم عزت کی زندگی تو نصیب ہوتی۔ یہاں تو ساری زندگی طعنوں کے ساتھ گزارنی ہے' ساتھ ہی ابا جی اور حوریہ یاد آ گئے وہ چپکے چپکے رونے لگی کچھ دیر کے لیے آنکھ لگی کہ نیند تو کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔

"سنو بیگم صاحبہ!" اماں کی تیز آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔

آنکھ کھلی تو احساس ہوا کہ وہ اپنے گھر کے کمرے میں نہیں۔

"اٹھو! منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی تیاری میں چھوٹی کی مدد کرو۔" وہ بستر چھوڑ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ جاذب کام پر جانے کے لیے تیار تھا۔ وہ چپ چاپ منہ دھو کر باورچی خانے میں آ گئی اور پراٹھے بنانے میں چھوٹی کی مدد کرنے لگی۔ چھوٹی اماں کا ناشتہ لے کر کمرے میں گئی تو جاذب باورچی خانے میں چلا آیا۔

"سوری حمنہ! میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں' تمہیں میری وجہ سے یہ سب کچھ سہنا پڑ رہا ہے مگر قسم سے میں تم کو بتانے......"

"پلیز جاذب!" اس نے مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"یہ سب میرے نصیب میں تھا جو مجھے ملا ہے' تم ایسا مت کہو مجھے تم سے گلہ نہیں ہے۔" وہ ایک لمحے کو رکی اور بے چارگی سے اسے دیکھا۔

"بس تم ہر حال میں میرا ساتھ دینا پلیز! کیونکہ اللہ کے بعد مجھے صرف اور صرف تمہارے سہارے اور تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔"

"ہاں ہاں حمنہ! میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں' میرا اعتبار کرنا۔" جاذب نے اسے مطمئن کردیا تھا۔

"سنو! دوپہر میں دال چاول اور مرچی کی چٹنی بنا لینا۔" وہ منہ دھو کر اٹھی تو اماں نے کہا۔

"آتا ہے کھانا بنانا کہ نہیں صورت کی حسین ہو تو گن بھی ایسے ہی ہوں گے ناں۔" اماں نے طنز کا تیر چھوڑا۔

وہ بنا کچھ کہے سر جھکا کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

حمنہ کو یہاں آئے دو ماہ ہو چکے تھے' اماں کا وہی رویہ تھا وہی طعنے' قدم قدم پر تذلیل' چھوٹی کی ہمدردی اور جاذب کی کبھی کبھی دینے والی تسلیوں اور محبت بھرے جملوں کے ساتھ وقت گزرتا رہا۔ ابھی تک اماں نے نکاح کا دوبارہ تذکرہ نہ کیا تھا' وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ جاذب سے بات کرے کہ اماں اس کا نکاح کیوں نہیں کرواتیں۔ کبھی وہ سوچتی اگر اماں نے جاذب کی شادی کہیں اور کردی تو......؟ اور وہ جھرجھری لے کر رہ جاتی "اللہ نہ کرے۔" بے ساختہ لبوں سے نکلتا۔

❀......❀......❀

"کیا سوچ رہی ہو اماں؟" حوریہ نے آواز دی تو اماں چونکیں۔

"کچھ نہیں وہ سکینہ نے کہا ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کے ساتھ بازار چلی جانا۔"

"کیوں اماں...... کیا لینا ہے انہیں؟" حوریہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کہہ رہی تھی کچھ بیلیں لینی ہیں تیرے دوپٹوں کے لیے۔"

"تو اماں تم چلی جاؤ ذرا دل بھی بہل جائے گا کب سے گھر سے نہیں نکلی؟" حوریہ نے کہا۔

"نہیں میرے پیروں میں درد ہے تُو چلی جا۔" اماں نے پان منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو میں چلی جاؤں گی اماں! تم اکیلی ہو جاؤ گی ناں میرے جانے کے بعد۔" حوریہ آبدیدہ ہونے لگی۔

"ارے پگلی! وہ تو ہونا ہی ہے' بس تُو خوش رہنا اللہ تجھے خوشیاں دے۔ اب تو تُو ہی ہماری دعاؤں کا مرکز......" اماں کا لہجہ بھیگنے لگا۔ دفعتاً انہیں حمنہ کی یاد آ گئی۔

"اماں! آپا مجھے بھی بہت یاد آتی ہے پتا نہیں کہاں اور

"کس حال میں ہوگی؟" حوریہ رونے لگی۔

"چپ کر جا اگر تیرے ابا نے سن لیا تو تیرے ساتھ ساتھ مجھے بھی سننی پڑے گی۔ وہ جتنا پیار کرتے تھے حمنہ سے اب اس سے زیادہ نفرت کرتے ہیں' اس کمبخت نے کیا ہی ایسا۔" اماں نے دوپٹے سے آنکھوں کی نمی کو صاف کیا تب ہی سکینہ آگئی۔

"السلام علیکم آپا!" اماں اور حوریہ نے جلدی سے چہرہ صاف کیا اور ماں نے سلام کا جواب دیا' حوریہ نے آگے بڑھ کر خالہ کو سلام کیا۔

"جیتی رہ بچی! ہمیشہ خوش رہے۔" سکینہ نے خوش دلی سے دعا دی۔ دونوں بہنیں باتیں کرنے لگیں اور حوریہ باورچی خانے میں چائے بنانے آگئی۔

"یا اللہ میری آپا جہاں بھی ہوں انہیں اپنی امان میں رکھنا میرے مالک!" اس کے لبوں سے حمنہ کے لیے دعائیں نکلیں۔

سکینہ جلدی شادی چاہ رہی تھیں۔ اماں' ابا کو بھی اعتراض نہ تھا کیونکہ زین کو کمپنی کی طرف سے اچھی کارکردگی کی وجہ سے ترقی بھی ملی تھی اور ساتھ ہی سعودی عرب بھیجنے کے بھی امکانات تھے اس لیے سکینہ کا خیال تھا کہ شادی کردی جائے۔ یوں اماں ابا جی بھی راضی ہوگئے گو کہ شادی کی تیاریاں جاری تھیں۔ زین بھی بظاہر مطمئن لگتا تھا لیکن حوریہ کی حالت کچھ عجیب سی تھی ویسے تو اسے زین بہت اچھا لگتا تھا' دھیمے انداز میں بات کرنے والا' سوفٹ اور کیئرنگ ہر لحاظ سے اچھا تھا لیکن اچانک سے اسے جیون ساتھی کے روپ میں قبول کرنا عجیب سا لگ رہا تھا مگر وہ قدرت کے فیصلے پر مطمئن تھی کہ اللہ نے اس کے لیے جو کیا بہتر کیا۔ آپا نے زین کی قدر نہ کی جب کہ زین کتنا پیار کرتا تھا' کتنا خیال رکھتا تھا یقیناً زین ایک اچھا اور پیار کرنے والا شوہر ثابت ہوگا۔ حوریہ کو اطمینان ضرور تھا۔

اور پھر کچھ دن بعد ہی حوریہ اماں' ابا جی کی ڈھیروں دعائیں لے کر اپنے گھر سے سکینہ خالہ کے گھر میں منتقل ہوگئی جہاں زین بہت سا پیار' کھلے دل اور بھرپور محبتوں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ اسے یہاں آکر سوچ سے بھی زیادہ پیار محبت' توجہ اور سکون ملا تھا کہ وہ رب کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔ گھر کیا تھا چھوٹی سی جنت تھی جس کا وہ اہم حصہ بن گئی تھی وہ خود کو بہت خوش نصیب تصور کرتی کہ جسے زین جیسا شوہر ملا' جو انسان کے روپ میں فرشتہ صفت تھا۔ دن بہت خوب صورت اور مطمئن انداز میں گزر رہے تھے۔ اماں اور ابا جی بھی اسے دیکھ دیکھ کر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے' اماں اکثر راتوں کو حمنہ کو یاد کرکے اس کے نصیبوں کو روتی ضرور تھیں جو اپنے ہاتھوں سے اپنی جنت کو ٹھکرا کر نہ جانے کہاں اور کیسی تھی۔

❀......❀......❀
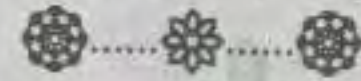
چھوٹی سے یہ سن کر کہ اماں' بہت جلد جاذب کا اور اس کا نکاح کررہی ہیں وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"اوہ خدا تیرا شکر ہے کم از کم یہاں رہنے کا معقول جواز تو بنے گا۔" اسے اس خبر نے کسی حد تک مطمئن کردیا تھا' وہ خود کو محفوظ محسوس کررہی تھی ورنہ اب تک تو یہاں رہنے کا تصور بھی کچھ بے معنی سا لگتا تھا۔ اب بہو کی حیثیت سے رہنے کا جواز ملنے جارہا تھا۔

اگلے ہفتے کچھ رشتے داروں کی موجودگی میں حمنہ اور جاذب کا نکاح ہوگیا۔ اپنی سیج' شادی اور سہاگ رات کے کیسے کیسے سپنے دیکھے تھے اس نے' بڑا سا عالیشان بیڈ روم بیش قیمت اور امپورٹڈ بیڈ شیٹ' معطر ماحول' خوب صورت مہک جس سے ماحول میں عجیب طرح کی سرشاری سی بس جائے۔ موتیا سے سجی سیج جس پر خوب صورت بڑے بڑے سرخ گلابوں سے اس کا اور جاذب کا نام لکھا تھا۔ بھاری بھرکم جوڑا جو شہر کے سب سے مہنگے ترین بوتیک سے اس نے لیا ہو جس پر خوب صورت اور امپورٹڈ بھاری جیولری جس سے اس کے حسن میں چار چاند لگ جائیں اور پھر ہولے سے بیڈ روم کا دروازہ کھلے اور وہ شہزادہ جو مدت سے خیالوں میں آتا رہا تھا وہ جاذب کی شکل میں کمرے میں داخل ہو جس کے آنے سے بیڈ

روم کا خوابناک اور رومینٹک ماحول مزید حسین ہوجائے اور بھی نجانے کیا کیا.....

"سنو! اس کو سمجھا دینا اگر اس گھر کی بہو بن گئی ہے تو مالکن بننے کا خواب نہیں دیکھنا کیونکہ جو مالکن بننے والی لڑکیاں ہوتی ہیں ناں ان کی شادی یوں نہیں ہوا کرتی۔" اماں کی باہر سے آنے والی کرخت آواز نے ایک لمحے میں اسے خیالات سے حقیقی دنیا میں لا پھینکا۔

چھوٹا سا کمرا' جگہ جگہ پلستر اکھڑا' بدرنگ سا کمرا' ایک پلنگ جس پر کاٹن کی پرنٹڈ چادر' نہ پھول نہ گلدستہ' نہ سیج نہ کلیاں' نہ گلابوں کی مہک' کچھ بھی تو نہ تھا۔ عام سا ہلکے کام کا گلابی جوڑا' کانوں اور گلے میں سستا سا موتیوں کا زیور' ہاتھوں میں لال کانچ کی چوڑیاں' چہرے پر پاؤڈر اور ہلکی لپ اسٹک' بنا مہندی کے ہاتھ' آنے والا خوب صورت ضرور تھا مگر بھاری شیروانی اور امپورٹڈ پرفیوم سے مہکتا وجود نہ تھا۔ عام سے شلوار قمیص میں یہ وہ جاذب تو نہ تھا جس کا تصور لے کر وہ یہاں آئی تھی۔ اس کا سر جھک گیا گویا تقدیر کے ہر فیصلے کے آگے اسی طرح سر جھکا کر جینا تھا' تقدیر کا فیصلہ اور اس گھر میں رہنے کی قیمت تو دینی تھی اماں کے ہر فیصلے' ہر حکم پر سر جھکا کر عمل کرنا تھا۔

جاذب پلنگ پر بیٹھ چکا تھا اور وہ مزید سمٹ گئی تھی یوں خاموشی سے وہ حسین رات بھی گزر گئی جس کے خواب ہر لڑکی نے دیکھے ہوتے ہیں اور حمنہ نے تو کچھ زیادہ اونچے خواب دیکھ رکھے تھے مگر حقیقت کا سامنا تو کرنا ہی تھا خواب تو خواب تھے۔

اب وہ جاذب کی بیوی بن کر رہ رہی تھی ایک جائز مقام اور رتبہ مل گیا تھا مگر وہ عزت نہ مل سکی جس کی وہ تمنائی تھی۔ جاذب اس کا بہت خیال رکھتا' اسے پیار کرتا' چھوٹی اس سے ہمدردی کرتی' اس کا خیال کرتی اسے بھابی کہتی' ایک اماں تھیں جو اس سے ابھی تک نالاں تھیں۔ بے حساب دن گزرتے گئے۔ حمنہ کو کبھی کبھی گھر کی بہت شدت سے یاد آتی' اماں ابا جی اور حوریہ' زین سب لوگ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتی۔ عید بقر عید اور تہوار آتے جاتے رہتے' وقت کے ساتھ ساتھ چھوٹی کی شادی ہوگئی۔ جاذب نے ایک فیکٹری میں جاب کرلی' حمنہ کی گود میں اقصیٰ اور نومی کی شکل میں دو بچے آگئے۔

ان گزرتے سالوں میں رہن سہن اور گھر میں کوئی تبدیلی نہ آئی' جاذب ایک کاہل اور محنت سے جی چرانے

اقصیٰ انصاری

پیارے آنچل اور اس کے تمام اسٹاف کو محبت بھرا سلام۔ جی جناب تو مابدولت کو اقصیٰ انصاری کہتے ہیں۔ 14 اگست جیسے شاندار اور تاریخی دن کو منانے کے لیے آزادی کا پروانہ لے کر اس دنیا میں حاضر ہوگئی۔ ہمارے گاؤں کا نام مراڑیہ ہے اور یہاں پر ماشاء اللہ سے ہر قسم کی سہولت میسر ہے (سوائے چھ گھنٹے بجلی اور گیس کے باقی سارا وقت اللہ ہی حافظ ہے) ہم ماشاء اللہ سے چھ بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر تیسرا ہے اور میں میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں اور 6th کلاس سے آنچل کی قاریہ ہوں جی تو اب بات ہوجائے پسند نہ پسند کی کھانوں میں الحمد اللہ سب کچھ کھالیتی ہوں (سوائے شلجم کے) اور میٹھے میں کسٹرڈ اور چم چم میری فیورٹ ہے۔ خوبیاں تو نام کی نہیں البتہ خامیاں بغیر ڈھونڈے ہی منتظر ہوتی ہیں۔ غصہ بہت جلدی آتا ہے لیکن اتنی ہی تیزی سے اتر بھی جاتا ہے' اقراء کہتی ہے موڈی ہوں' حاجرہ کے خیال میں منہ پھٹ ہوں لیکن اپنی غلطی کا احساس جلدی ہوجاتا ہے (یہ اور بات ہے کہ سوری پھر بھی نہیں بولتی) اس کے علاوہ کیئرنگ بہت ہوں' اپنا راز کسی کو نہیں بتاتی سوائے اقراء اور حاجرہ کے۔ البتہ نماز ریگولر پڑھتی ہوں' دوستیں بہت کم بناتی ہوں' فیورٹ شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کے علاوہ اپنے ابو بہت فیورٹ ہیں' فیورٹ کلر میرون' پنک اور وائٹ ہیں۔ جیولری بالکل پسند نہیں' ڈائجسٹ جو بھی ہو پڑھ لیتی ہوں (دیوانوں کی طرح)۔ قارئین مجھے لگ رہا ہے آپ سب بور ہونا شروع ہوگئے ہیں سو اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

والا انسان تھا۔ بس جتنا کماتا اس پر ہی مطمئن رہتا' زمانہ کہاں سے کہاں جارہا ہے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ تو اماں کا دم تھا اور حمنہ کا کہ وہ اتنے کم پیسوں میں گھر اور اخراجات گھسیٹ رہے تھے۔ معمولی کھانا' معمولی پہننا اور چھوٹے سے اسکول میں بچے تعلیم حاصل کررہے تھے۔ حمنہ نے گویا اب صبر کرنا اور ایسے ہی جینا اور اکتفا کرنا سیکھ لیا تھا۔ حمنہ کی چپ اور دن رات کی خدمتوں نے اماں کو تھوڑا سا نرم کردیا تھا کیونکہ پچھلے دنوں اماں پر فالج کا اٹیک ہوا تو وہ بستر سے لگ گئیں۔ حمنہ نے اماں کی دل سے خدمت کی' اماں کو سرکاری اسپتال سے دوا دلانا' ان کا خیال رکھنا' ورزش پابندی سے کروانا۔ اماں کو بھی اس پر رحم آہی گیا' کہتے ہیں اگر پتھر پر مسلسل پانی بوند بوند گرے تو اس میں بھی سوراخ ہوجاتا ہے' اماں تو گوشت پوست کی بنی عورت تھیں' آخر کار وہ بھی حمنہ کی خدمتوں اور خاموشی کے آگے ہار گئیں۔

اس روز حمنہ نے صبح صبح جاذب اور بچوں کو بھیج کر گھر کی صفائی کی۔ اماں کو ناشتہ دیا' ان کو دوا دے کر گھر کی صفائی کی۔ دوپہر کے لیے کھانا پکایا' اماں کو نہلایا ان کے بالوں میں کنگھا کیا بستر صاف کیا۔ اماں خاموشی سے دیکھ رہی تھیں' وہ تمام کاموں سے فارغ ہوئی بچوں کے اسکول سے آنے میں تھوڑا وقت تھا' اماں کے بال سوکھ گئے تھے اب روکھے ہونے کی وجہ سے وہ بکھر رہے تھے۔

''لاؤ اماں! میں تیل لگا کر چوٹی بنادوں۔'' وہ تیل کی شیشی لیے کھڑی تھی۔

''جیتی رہ!'' اماں نے دل سے دعا دی تو اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اماں کے رویے میں بدلاؤ دیکھ کر وہ بہت خوش تھی۔ جاذب کو بھی بتایا وہ بھی خوش ہوگیا کہ چلو شکر ہے کہ اماں کا رویہ تم سے اچھا ہورہا ہے مگر یہ خوشی بھی چند روزہ تھی کیوں کہ دو دن بعد ہی سوتے سوتے اماں چل بسیں۔ حمنہ بہت روئی' اماں اس کے لیے سہارا تھیں' ایک ڈھارس تھیں حمنہ کافی دن اداس رہی۔ چھوٹی اماں کے انتقال پر آئی کچھ دن رہ کر چلی گئی اس کے بھی دو چھوٹے بچے تھے وہ اندرون سندھ رہتی تھی پھر رفتہ رفتہ اماں کے بغیر رہنے کی عادت پڑ گئی۔ کچھ دنوں سے جاذب بہت پریشان تھا حمنہ نے پوچھا تو بتایا کہ شاید ہماری فیکٹری بند ہوجائے خسارے میں جارہی ہے۔

''ہائے اللہ! پھر کیا ہوگا؟'' حمنہ نے سینے پر ہاتھ مارا۔

''اللہ بہتر کرے گا۔'' جاذب بھی پریشان تھا۔

''ہاں مگر مہنگائی دیکھو دو بچے' ان کے اسکول کے اخراجات' کھانا پینا' سب کیسے ہوگا جاذب!'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ہوجائے گا کچھ نہ کچھ' تم نحوست مت پھیلاؤ۔'' جاذب نے سختی سے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔

''یا اللہ رحم کردے ہم پر' ہم بہت گناہ گار ہیں یارب مگر ہیں تو تیرے بندے' معاف کردے ہمارے گناہوں کو۔'' وہ سربسجود ہو کر خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی۔ مگر شاید ابھی اس کے لیے اور امتحان تھے کہ دو دن بعد جاذب یہ خبر لے کر وقت سے پہلے لوٹ آیا کہ فیکٹری بند ہوگئی ہے اور کل سے وہ فارغ ہے۔

''یا اللہ! ہمیں ہر امتحان میں پورا اترنے کی توفیق عطا کر میرے مولا!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی' جاذب کو بھی سمجھایا۔

''جاذب! آپ کیوں فکر کرتے ہیں آپ تو مجھے سمجھاتے تھے ناں' اللہ کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا۔ آپ ایسا کریں کہ پڑوس میں صدیق بھائی سے کہہ دیں وہ آپ کو کہیں سیلز مین رکھوا دیں گے' کافی عرصے سے وہ مارکیٹ میں کام کررہے ہیں ناں۔'' نہ جانے کہاں سے معقول بات حمنہ کے ذہن میں آئی۔

''آں ہاں......'' جاذب اس کی بات پر چونکا۔ ''تم نے ٹھیک کہا' بات کروں گا رات کو صدیق بھائی سے۔'' جاذب فوراً راضی ہوگیا۔

''چلیں اٹھیں بچے آنے والے ہیں' منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوجائیں ورنہ بچے پریشان ہوں گے ہمیں دیکھ کر۔'' حمنہ نے کہا تو جاذب سر ہلا کر غسل خانے کی طرف چلا گیا اور حمنہ باورچی خانے میں آگئی' جہاں کھچڑی دم پر رکھی تھی۔

جاذب نے ادھر اُدھر کہہ دیا تھا' صدیق بھائی سے بھی بات کرلی تھی مگر کہیں سے کوئی بات نہیں بن رہی تھی۔ حمنہ بہت صبر اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس کی ہمت بندھاتی' اس نے جو کچھ پس پشت ڈال کر رکھا تھا' آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا تھا۔ اس روز نومی اور اقصیٰ اسکول سے آئے تو نومی کی طبیعت خراب تھی اسکول میں اس کو بخار ہوگیا تھا وہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ جاذب بھی صبح سے کہیں گیا ہوا تھا کسی نے نوکری کے سلسلے میں بلوایا تھا۔ حمنہ چار سالہ نومی کو دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

جلدی سے اسے ٹھنڈے پانی سے نہلایا تھوڑی دیر میں بخار اترا تو نومی کی آنکھ لگ گئی۔ حمنہ نے خدا کا شکر ادا کیا' نماز ظہر ادا کی اقصیٰ کھانا کھا کر سوگئی تھی۔ وہ بھی لیٹ گئی تھوڑی دیر بعد نومی جاگا' حمنہ جلدی سے اس کے لیے چائے اور پاپے لے آئی۔ نومی کا بخار بڑھتا جارہا تھا۔ شام ہونے لگی تھی جاذب بھی نہیں آیا تھا' حمنہ نے سوچا اس سے پہلے کہ بخار زیادہ تیز ہو وہ دوا لے آئے۔ وہ نومی کو گود میں اٹھائے اپنا پرس لے کر باہر آگئی' پرس میں دیکھا بمشکل پچاس' ساٹھ روپے تھے۔ سرکاری اسپتال گھر سے کچھ دور تھا' رکشے کا کرایہ ہی ہوجاتا جلدی سے صدیق بھائی کے گھر گئی' ان کی بیوی اچھی عورت تھیں نومی کی حالت دیکھ کر انہوں نے دو سو روپے دیئے' وہ شکریہ ادا کرکے نومی کو گود میں لیے اسٹاپ پر آگئی۔ شکر ہے اسپتال میں زیادہ رش نہیں تھا وہ جلدی فارغ ہوگئی۔ نومی کو گود میں اٹھائے دوسرے ہاتھ میں چھوٹا سا دوائیوں کا شاپر لٹکائے وہ اسپتال سے باہر آئی اور رکشے کی تلاش میں وہیں روڈ کے کنارے کھڑی ہوگئی۔ آس پاس سے بے نیاز رکشے کی منتظر تھی کہ قریب ہی ایک گاڑی آکر رکی۔ حمنہ نے جلدی سے نگاہ اٹھا کر دیکھا اس سے پہلے کہ وہ گاڑی والے کو برا بھلا کہتی گاڑی کا دروازہ کھلا اور......

حوریہ نیچے اتری۔

''حور...... حوریہ...... ت...... تم......؟'' وہ آنکھیں پھاڑ کر بمشکل کہہ سکی۔ حوریہ جدید اور قیمتی سوٹ میں تھی' کھلی کھلی رنگت' قابلِ رشک صحت اور پُروقار سی حوریہ وقت نے اس کو خاصا اسمارٹ اور خوب صورت بنادیا تھا۔ دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور زین اترا۔ بااعتماد پُروقار سا زین جو کافی اسمارٹ اور اچھی پوزیشن کا مالک لگ رہا تھا۔

''آپا...... آپا...... تم...... اس حال میں؟'' حوریہ اس سے لپٹ کر رودی۔

''آپا...... تم...... کو کیا ہوگیا ہے...... کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ معمولی سے کاٹن کے ملگجے سے کپڑوں پر الگ رنگ کی گھسی ہوئی چادر' پیروں میں معمولی چپل' ایک ہاتھ میں بچہ دوسرے ہاتھ میں چھوٹا سا دوائیوں والا شاپر۔ مٹھی میں چمڑے کا ننھا سا بٹوہ' تر و تازہ' نکھرے نکھرے چہرے کی جگہ کملایا ہوا زرد اور لاغر سا چہرا' اداس اور ویران آنکھیں' وہ آنکھیں جن میں کبھی چمک ہوتی تھی' کتنی اجڑی اور خالی خالی لگ رہی تھیں۔ کس قدر لاغر اور مضمحل لگ رہی تھی حمنہ۔

''آپا...... آپا......'' حوریہ اس سے لپٹ کر رودی۔ ''یہ......؟'' حوریہ نے روتے روتے گود کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹا ہے میرا' بخار ہے اسے۔'' حمنہ نے آہستگی سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ زین نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر اس کی گود سے نومی کو لے لیا۔

''ادھر آؤ' یہاں بیٹھو۔'' حوریہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا' وہ خاموشی سے اندر بیٹھ گئی' حوریہ بھی اسکے برابر میں بیٹھ گئی۔ ٹشو سے آنسو صاف کیے۔ زین نومی کو لیے جوس لینے چلا گیا۔ حمنہ بالکل چپ بیٹھی تھی یہاں تک کہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا تھا۔

''آپا تم کہاں گئی تھیں اب کہاں ہو؟ کیسی ہو...... اور یہ حالت...... بس تم میرے ساتھ چلو۔'' حوریہ بے تابی

سے کہتی ہوئی پھر رو پڑی۔

"یہ بتاؤ تم خوش ہو اماں! ابا جی' سکینہ خالہ؟" وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپا...... تمہارے جانے کے بعد زین اور میری شادی ہوگئی۔ زین باہر چلے گئے' ہمارے دو بچے ہیں اور اماں' ابا جی اور سکینہ خالہ...... آپا...... سب ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک کے بعد ایک سب کا انتقال ہوگیا۔" حوریہ نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا...... اماں' ابا جی......؟" حمنہ نے زور سے چیخ ماری اور زاروقطار رونے لگی۔ "یا اللہ! تُو نے کتنی بڑی سزا دی مجھے میں...... میں کتنی بدنصیب ہوں کہ ان کے قدموں میں سر رکھ کر اپنے گناہوں کی معافی بھی نہ مانگ سکی۔"

"ہاں ہاں میں ہوں ہی اس قابل...... میرے لیے ایسی ہی سزا ہونی چاہیے تھی۔" وہ ہذیانی انداز میں کہتی جارہی تھی اور بے تحاشا روئے جارہی تھی' اسی وقت زین بھی آ گیا تھا۔

"آپا...... آپا...... بس کرو پلیز......" حوریہ بھی بُری طرح رو دی۔

"چلو ہم تمہیں گھر چھوڑ دیں اور بُرا مت مانو یہ رکھ لو پلیز......" حوریہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کچھ ہزار ہزار کے نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"نہیں......" حمنہ یوں اچھلی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"نہیں...... حوریہ...... کچھ نہیں! میں نے اپنے لیے جو راستہ خود چنا ہے میں اس میں کسی کو بھی شامل نہیں ہونے دوں گی۔ میں نے اپنا گھر بار' ماں باپ کو جس طرح بے عزت کیا' نعمتوں کو ٹھکرا کر جو مشکل اور کٹھن راہ کا انتخاب خود اپنے لیے کیا ہے مجھے اس پر تنہا ہی چلنے دو۔ مجھے وہ کاٹنے دو جو میں نے بویا ہے' میں نے وہ غلطی کی ہے جس کا ازالہ مجھے ہی کرنا ہے۔ میں عبرت ہوں ان کے لیے جو ناعاقبت اندیشی میں غلط قدم اٹھاتی ہیں اور ان کے نصیب میں پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا۔ میں نے اپنے سکھ دے کر دکھوں کا سودا کیا ہے' یہ خسارہ مجھے بھگتنے دو' مجھے سزا ملنی چاہیے شاید یہ سزا میرے قصور سے کم ہے۔" حمنہ نے ایک نظر زین کے چہرے پر ڈالتے ہوئے دکھی لہجے میں کہا۔ "میں کسی کی کوئی مدد نہیں لوں گی' اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے نصیب کا دیا اور مجھے میرے نصیب کا۔ میں نے جو راستہ چنا ہے مجھے اکیلے ہی چلنے دو' تم لوگ سدا خوش رہو ہاں پلیز! مجھ گناہ گار اور بدنصیب کے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق دے۔" یہ کہہ کر حمنہ نے نومی کو گود میں لیا' دوا کا شاپر سنبھالا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

"آپا...... سنو تو......" حوریہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"اللہ حافظ!" حمنہ نے ہاتھ اٹھایا اسے کچھ کہنے سے روکا۔ حوریہ کی آنکھیں برسنے لگیں' زین بھی ٹھنڈی سانس لے کر اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کٹھن اور مشکل راستوں کی مسافر تھی جو اس کی اپنی چوائس تھا آگے بھی نہ جانے کتنی کٹھنائیاں اور پریشانیاں اس کی منتظر تھیں' حوریہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ نڈھال اور شکستہ قدموں سے اپنی منزل کی طرف جارہی تھی۔ اس کی لڑکھڑاتی اور نقاہت بھری چال میں' پچھتاوے' دکھ اور نہ جانے کیسا کرب تھا کہ حوریہ کچھ لمحے اسے جاتا دیکھتی رہی پھر زین کے کاندھے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔ زین نے سرد آہ بھر کر اس کو تھپتھپایا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھا دی۔

نیم شب کی خاموشی

طلعت نظامی

رنگوں میں ایک رنگ تیری سادگی کا رنگ
ایسی ہَوا چلی کہ وہ رنگت نہیں رہی
باتوں میں ایک بات تیری چاہت کی بات
اور اب یہ اتفاق کہ چاہت نہیں رہی

آج فیض صاحب بہت خوش تھے بہت دنوں بعد محسوس ہوا تھا زندگی کا سکون کسے کہتے ہیں۔ آج شادی کے پچیس سالوں بعد اتنا ہلکا پھلکا خود کو محسوس کر رہے تھے۔ ایک سرشاری کی سی کیفیت عود کر طبیعت میں بشاشت کا سامان بن رہی تھی۔

بہت دنوں بعد آسمان کی نیلاہٹ کو بھی نظروں میں سمویا اور گھاس کی تازگی کو بھی قدموں تلے محسوس کیا تھا ورنہ فطرت کی ان نیرنگیوں سے کتنے دور ہوگئے تھے یہ آج سمجھ میں آئی تھی۔ آفس جاتے ہوئے قدموں میں کس قدر سبک روی تھی یہ وہ خود ہی جانتے تھے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کل ہی رات وہ اپنی چوتھی اور آخری بیٹی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوگئے تھے ایک اطمینان کی سانس کے ساتھ انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے تھے جو بیٹی کی رخصتی کے وقت آنکھوں سے خود بخود جاری ہوگئے تھے۔

کسی زمانے میں صرف بیٹیوں کی جدائی کا صدمہ دل کو سوختہ کر جاتا تھا پر آج کے مادیت پرست دور میں ان کا عزت و آبرو سے نبھ جانا وجہ اطمینان ہوتا ہے۔ مایوں مہندی جیسی تقاریب میں ایک بارات کا کھانا کھلایا جاتا ہے اور سجاوٹ و دیگر انتظام میں سفید پوشی کے پرخچے اڑائے جاتے ہیں اور ان فضول تقاریب کو منعقد کرانے سے انکار کا مطلب ہے اپنے آپ کو کسی اور دنیا کی مخلوق قرار دے دینا یا تھرڈ کلاس طبقہ میں شمولیت کی منظوری دے دینا ہے۔ تو آج فیض صاحب کے سینے سے جیسے کوئی بھاری سِل کھسک گئی تھی باقی بیٹی کے اچھے نصیب کے لیے تو رواں رواں دعا گو تھا ہی۔

زندگی کے نئے پن کو محسوس کرنے کے لیے اور خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے جس دھج سے وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے وہ سرشاری صرف چند مہینوں تک تھی یہ نہیں تھا کہ رخشندہ خوب صورت نہیں تھی یا ان کے پاس سلیقے اور قرینے کی کمی تھی وہ بھی متوسط طبقے کی خاتون تھیں اور سفید پوشی کی چادر اوڑھ کر ہی ان کی زندگی میں آئی تھیں

بس کمی تھی تو آسائشات کی جو نہ رخشندہ کے بیک گراؤنڈ میں پائی جاتی تھی اور نہ فیض صاحب جیسے ریلوے کے شریف اور ایماندار ملازم کے پاس جو کڑے سے کڑے وقت میں بھی کبھی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر نہ ہوئے۔ آفس آنے والے ملازموں میں سے سب سے پہلی حاضری ان ہی کی ہوتی۔ رشوت، سود کے مال سے کوسوں دور رہے اور اسی سادگی میں لپٹی زندگی کی ڈور پکڑے رخشندہ بھی چلی آئیں۔

خانگی زندگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جن سے نہ چاہ کر بھی بے پروائی برتی نہیں جاسکتی تھی قدم قدم پر ایک نئی ضرورت سر اٹھائے کھڑی رہتی۔ ان کی کنواری دو بہنیں بھی تھیں تین شادی شدہ تھیں جو والد صاحب کی زندگی میں اپنے اپنے گھر کی ہوچکی تھیں اب ان دو چھوٹی بہنوں کی ذمہ داری فیض صاحب کے ہی سر تھی اس کے ساتھ ایک اور فرد کا اضافہ زندگی میں بے پناہ ذمہ داریوں کو بڑھا گیا۔ انہی حالات کے پیش نظر رخشندہ نے انہیں یہ احساس نہیں دلایا کہ ان کی زندگی میں صرف وہ ہی ان کی توجہ کا مرکز بن کر آئی ہیں بلکہ اپنی دونوں نندوں کی ضروریات اور خواہشات بھی ان کے آگے ایسے ہی پیش کرتیں جیسے ان کی اپنی بہنیں ہوں اور بے حد منکسر المزاج فیض صاحب اپنی بہنوں کی آرزوؤں کو اس طرح بجالاتے کہ ان کے کسی بھی مان کو ٹھیس نہ پہنچ جائے۔

اسی دوران وہ دو بیٹیوں کے باپ بھی بن گئے۔ دونوں بہنوں کی شادیاں ہونے تک زندگی کے دھندے میں یوں الجھے کہ اپنا ہوش نہ رہا نہ اپنی نازک سی اجلی سی، صبر کی پیکر سادہ مزاج بیگم کا کہ سب کی طلب پوری کرتے کرتے وہ دست بے طلب ہوچکی ہیں جنہیں کبھی پیچھے مڑ کر دیکھا ہی نہیں کہ ان کے اپنے دل کے بھی کچھ تقاضے ہوں گے۔ کبھی دنیا کے جھمیلے سے نکل کر اپنی لامتناہی مصروفیات سے وقت نکال کر دو پیار بھری بات بھی کرلیتے۔ جن کی کوئی تعبیر نہیں تھی وہ خواب تو ان کے ساتھ مل کر بن لیتے۔ چند حرف تسلی کے یا محبت بھرا جملہ ہی آنچل سے باندھ دیتے جن کی سیرابی تک وہ خود کو تسلی سے ہی دل کو تھپک لیتیں۔ جس قدر ذمہ داری اور مسائل کا شکار فیض صاحب ہوئے تھے اسی قدر رخشندہ بھی تھیں۔

دونوں زندگی کے گاڑی کے دو پہیے تھے الگ راہ کے مسافر تو نہ تھے۔ وہ جہتوں سے کما کر لاتے اور رخشندہ سلیقے سے سب کی ضروریات کو پورا کرنے کے چکر میں ہلکان رہتیں زندگی کے ارمانوں پر ان کا بھی حق تھا آخر۔ ایک تسلسل بے کراں سے سر ٹکراتے ٹکراتے آرزوؤں کی کوئی کونپل بھی دھیرے سے سر اٹھاتی کہ کبھی ان کی تعریف میں ایک جملہ ہی بول دیں کسی محبت بھرے فقرے سے ان کی ساری جدوجہد کو خراج تحسین ہی پیش کردیں تو شاید تھکن کا احساس اس قدر نہ ہو۔

شروع میں تو اپنی دو بہنوں کا بوجھ اتارنے میں اس قدر ہلکان رہے کہ نئی نویلی دلہن کی آنکھوں میں چمکتے آرزوؤں کے جگنو نظر ہی نہ آئے پھر یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں کی پیدائش نے جہاں انہیں مشین بننے پر مجبور کردیا وہاں رخشندہ کی آنکھوں کے دیے بھی سمجھوتے کی ہوا سے بجھنے لگے۔ جسمانی تھکن میں اضافہ ہوا۔ بچوں کی مصروفیات بڑھیں۔ ضروریات زندگی میں اضافہ ہوا تو قلیل آمدنی بحث و مباحثہ پر آمادہ کرگئی۔ شروع میں تو رخشندہ کے ہر مطالبے کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہے پھر مزید دو بیٹیوں کی پیدائش نے ذہنی طور پر اس قدر چڑچڑا کردیا کہ بحث و مباحثہ جھگڑے کی صورت اختیار کرتا گیا۔ جہاں ان کی تھکن بجا تھی وہاں رخشندہ کے مطالبات اپنی جگہ اٹل تھے۔ گھر کا خرچہ، بجلی پانی، گیس کے بل کے اخراجات بچوں کے اسکول کالج کی رقم، رشتہ داریوں کو نبھانا ان قلیل آمدنی میں ناکافی تھے پر فیض صاحب نے صاف کہہ دیا۔

"گزراوقات کرنی ہے تو انہی اخراجات میں کرو میں پھانسی نہیں چڑھ سکتا نہ دیگر مطالبات کے لیے ڈاکہ ڈال سکتا ہوں نہ کوئی اور چور دروازہ تلاش کرسکتا ہوں عیاشی کے لیے۔"

"یہ عیاشی نہیں فیض صاحب نہ میں کوئی غلط طریقہ اپنانے کا مشورہ دے رہی ہوں لیکن گھر کی ضروریات کو آپ نہیں سمجھیں گے تو کون انہیں حل کرانے آئے گا۔ میں کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گی۔"

"تمہیں ہاتھ پھیلانے کو کون کہہ رہا ہے۔ اپنی ضروریات کو ہی اتنا نہ بڑھاؤ کہ سنبھالنا مشکل ہوجائے جتنی چادر دیکھو اتنے پاؤں پھیلاؤ، دیکھتی نہیں صبح سے شام تک میں مسلسل جدوجہد میں رہتا ہوں اب میری تنخواہ ہی اتنی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ ان مردوں کو بھی دیکھو جن کی فیملی اتنی بڑی ہے اور آمدنی کچھ بھی نہیں وہ کیسے گزارا کرتے ہیں۔"

"ایک تو خدا نے مجھے ایک بیٹے کے لائق بھی نہیں سمجھا کہ آج اس مقام پر میرا کچھ سہارا بن پاتا۔" سب باتیں تو ٹھیک تھیں پر آخری جملے پر شکوہ کناں نظریں اٹھیں تو دل کی ساری آوازوں کو سلیلے جملوں کی گند میں قید کرگئیں۔

اب صرف وہاں دل کی بڑھی ہوئی دھڑکنیں رہتیں اور ایک ہاتھ سے وہ دل کی طنابیوں کو مسلتی رہتیں جوان ہوتی بیٹیوں کو بھی کچھ نہیں بتایا کہ اندر کس قسم کے روگ نے بسیرا کرلیا ہے۔ آرزوؤں اور تمناؤں کی طلب کو سہتے سہتے۔ جسمانی تھکن، ٹینشن کو برداشت کرنے کا یارا نہ رہا تو دل نے بھی ساتھ دینے سے انکار کردیا جو ایک واحد سہارا تھا ہر بات کرنے اور سننے کا۔ ایک روز جو بے چینی حد سے بڑھی تو فیض صاحب کا ہاتھ پکڑلیا۔

"بہت گھبراہٹ محسوس ہورہی ہے لگ رہا ہے کہ دل نے کام کرنا بند کردیا ہے۔" پسینے میں شرابور وجود، بے خود ہوتی سانسوں کا زیروبم بھی انہوں نے محسوس کیا تھا۔

"ابھی چند دنوں قبل شہلا رخصت ہوئی ہے اس لیے تمہیں گھبراہٹ ہورہی ہے سنبھالو خود کو ایسا کرو ڈاکٹر شاہد سے دوائی لے آؤ کچھ بے چینی میں کمی ہوجائے گی۔ مجھے داؤد صاحب نے بلایا ہے۔" انہوں نے قریبی کلینک کا نام لیا اور نکل گئے۔

ارادہ تھا جلد ہی بڑے اسپتال لے جائیں گے بس پیسوں کا انتظام نہیں ہو پارہا تھا آج کل تو ڈاکٹرز کی فیس اور دوائیوں کا خرچہ ہی اتنا ہوتا ہے کہ پورے مہینے کا راشن ڈلوائیں یا بڑے ڈاکٹر کے پاس اپنی تکلیف لے کر جائیں۔ ابھی تو شہلا کی شادی پر لیا گیا قرضہ سر سے اترا نہیں تھا کہ غزل کے لیے ایک مناسب اور اچھے رشتے نے در پر دستک دے دی۔ بیٹیاں تو سادہ لوحی میں بھی شکل و صورت میں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ انہوں نے اس رشتے کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا کہ سنبھالنے والی خدا کی ذات تھی۔ اسی بھروسے نے آگے بڑھنے پر مجبور کردیا۔

رخشندہ کی روز بروز پیلی پڑتی رنگت نظروں سے اوجھل نہیں تھی بس وہ مناسب وقت کے انتظار میں تھے کہ کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں گے۔ سترہ سال کی عمر میں وہ بیاہ کر ان کے گھر آئی تھیں۔ آج شادی کے پچیس سال گزر جانے کے باوجود لوگ انہیں ان کی بیٹیوں کی بڑی بہن ہی سمجھا کرتے تھے اور کچھ رخشندہ کی نازک مزاجی اور خوب صورتی انہیں اور بھی کم عمر بناتی۔ جیسے تیسے طبیعت بھی سنبھل گئی۔ قریبی ڈاکٹر نے جلد ہی انہیں اسپیشلسٹ سے رجوع کرنے کا کہا۔ ان کی دی گئی دوائی کے ساتھ ہدایت بھی نگل گئیں۔ سب سے بڑا روگ تو فیض صاحب کی عدم توجہی تھی کہ کاش فیض صاحب کبھی تو یہ کہہ دیتے کہ "تمہارا رنگ و روپ ماند کیوں پڑ رہا ہے۔"

"آج بہت تھک گئی ہوں گی تھوڑا سا آرام کرلو۔"

"کبھی میرے پاس بھی تو بیٹھو تم سے بات کرنے کو تو میں ترس گیا ہوں۔"

یا کبھی اپنی ہی جدوجہد کے ساتھ ان کی تھکن کو منسلک کردیتے کہ یہ کام ہم دونوں کے نصیب میں گھن لگا گیا ہے۔

عیاشی نہ تھی تو ضروریات زندگی کی تکمیل بھی نہ تھی۔ اور آخری بحث کے بعد تو انہوں نے سب امیدوں اور تمناؤں کو بہت بڑے سمجھوتے کی سل تلے دفن کردیا تھا۔ اگر جوانی میں انہیں تازہ پھولوں کے گجرے لانے کی یا ان کے پسندیدہ فلیور کی ایک کپ آئسکریم لانے کی چاہت

خدا نے نہ دی تھی تو کیا میٹھے جملوں کا بھی فقدان ہو گیا تھا دل میں۔

آنکھوں کے اندر جمع ہونے والے پانی نے دل پر بھی کائی جمانا شروع کردیا تھا اور فیض صاحب تو جانے کس مناسب وقت کے انتظار میں تھے کہ کب وہ وقت آئے کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں ان سے۔ کہیں وقت سے پہلے کوئی محبت بھرا جملہ رخشندہ کی آرزوؤں کو بڑھا نہ دے۔ کہیں اشک شوئی اشکوں کی روانی بڑھانے کا موجب نہ بن جائے ایسی احتیاط کا دامن تھامے چوتھی بیٹی کو بھی رخصت کردیا اب وہ آزاد تھے۔

ایک نوجوان کی سی طاقت خود میں محسوس کر رہے تھے آج رخشندہ کو ضرور ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں گے کچھ رقم احتیاطاً انہوں نے پاس رکھ لی تھی اور ہاں انہیں آئس کریم بہت پسند تھی انہوں نے چار پیک لیا۔ آج خوب باتیں کریں گے ترنگ میں آکر گلاب کی ایک کلی بھی خرید لی۔ کیا تھا جو زندگی کی آزمائشوں کے بوجھ تلے دب گئے تھے خواہش تو نہیں مری تھی۔

"رخشندہ.....!" محبت سے لبریز لہجے میں انہیں پکارا جس کی منتظر کبھی رخشندہ جوانی میں رہتی تھیں کہ وہ اسی طرح آواز دیتے ہوئے ان کا نام لیتے ہوئے داخل ہوں۔

"شاید سو رہی ہوں بہت دنوں بعد وہ بھی تو ذمہ داری اور تھکن سے آزاد ہوئی تھیں نا اس لیے گہری نیند تھی۔

خیر آج میں سونے نہیں دوں گا آج بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ جوانی کے کچھ خواب سنانے ہیں جن کی تعبیریں نہ مل سکیں۔ اپنے جذبوں کا حال سنانا ہے جو حالات کی نذر ہو گئے ان کے دل کی تکلیف کا حال سننا ہے کہ کیسی بے چینی وہ محسوس کرتی ہیں اور آج ہی انہیں ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر جانا ہے۔

"رخشندہ" وہ کمبل میں لپٹی کروٹ لیے پڑی تھیں۔

یہ کیا تھا کہ آج ان کی آواز سے بھی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ وہ تو اتنی کچی نیند سوتی تھیں کہ بچے کی آواز کے ساتھ ان کی آنکھ بھی کھل جاتی اور اتنی جلدی بچے کی ضروریات پوری کر کے دوبارہ سلا دیتی تھیں کہ کبھی ایک تسلسل سے انہوں نے اپنے بچوں کے رونے کی آواز نہ سنی تھی اس بات کے وہ دل ہی دل میں معترف تھے۔ لیکن آج یہ کیسی نیند تھی کہ ان کے جھنجوڑنے پر بھی وہ اٹھ نہیں رہی تھیں۔

کیا اپنے سب ارمانوں کو سلا کر خود بھی سو گئی تھیں یہ کیسی تھکن تھی کہ خمیدہ پلکیں وا نہیں ہو رہی تھیں فیض صاحب کے آنسو بھی ان کی آنکھیں کھول نہ سکے۔

دل کا درد جو علاج کے لیے مناسب وقت کی تلاش میں تھا آج خود ہی رفع ہو گیا تھا ان کی جان لے کر۔

محبتوں کے اظہار کا یہ لمحہ کبھی آیا تو دل درد سہارتے سہارتے تھک چکا تھا۔ کاش اس وقت سے پہلے وہ دو محبت بھرے جملوں کا امرت کان میں گھول دیتے جو دل کی دوا بن جاتا۔ حالات کی سنگدلی تو سب کے ساتھ ہے۔ لیکن جذبات پر قفل لگا لینا زبان پر حالات کے پہرے بٹھا لینے سے روگ بڑھ جاتا ہے۔

جو نازک وجود کو اپنے گھر ارمانوں سے لے کر آئے تھے اور اسے حالات کی نذر کر کے وہ سبکدوش ہو گئے تھے اور آج وہ انہیں سارے فرائض و ذمہ داری سے آزاد کر کے منہ موڑ گئی تھیں۔

کبھی ان کی بھری جوانی کو انہوں نے تنہا کیا تھا اور آج وہ ان کے محبت بھرے دل کو ٹھکرا کر منوں مٹی تلے جا سوئی تھیں جو غلط موقع پر بیدار ہوا تھا۔

گلاب کی کلی ان کی نم تازہ قبر پر فیض صاحب کی بے جان انگلیوں سے چھوٹ کر جا گری تھی۔ اپنے اصلی مقام پر۔

ترک تعلق بلا سبب نہیں

ناہید چوہدری

ستارہ خوب صورت ہے کہ ذرہ خوب صورت ہے
ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے' کیا خوب صورت ہے
یہ مانا عشق کی تقدیر میں اُجرت نہیں کوئی
مگر یہ بھی تو دیکھو' کام کتنا خوب صورت ہے

"کاشف او کاشف......" باپ کی ہر آواز پر وہ کروٹ بدل لیتا' کھلتی ہوئی آنکھیں ماں کی دبی دبی ہمدردی آواز پر دوبارہ بند ہوجاتیں۔

"اٹھ جاتا ہے ناں...... رات کو پڑھائی بھی کررہا تھا۔" ماں کے کسی حد تک مبالغہ پر کاشف نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر بیٹھ گیا آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا اٹھنے کو عجیب سی سستی چھارہی تھی۔ کام پر جانے کو تو اس کا دل کبھی بھی نہیں چاہتا تھا۔ صبح سے لے کر رات تک مرغیاں ذبح کرو اور ان کی گندگی صاف کرو کبھی کبھی تو دل اتنا اوب جاتا کہ بھوک کے باوجود کھانا کھانے کو دل نہ چاہتا۔ پہلے اسکول سے واپسی کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوجاتا تھا اور اب کالج کے بعد...... پڑھنے کو دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر پڑھ لکھ کر وہ یہ کام چھوڑ سکتا ہے لیکن کالج کے بعد باپ کی مدد کے لیے دکان پر پہنچ جاتا کہ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا' باپ کا ساتھ تو دینا ہی تھا۔ کچھ ماں بہنوں کے لاڈ دلار سے مجبور ہوجاتا۔

"میں جارہا ہوں اسے ناشتا کروا کے جلدی بھیج دینا۔" ظہیر نے ناشتے سے فارغ ہوکر سخت لہجے میں کہا اور سائیکل لے کر باہر نکل گیا۔

"یہ کیا آج پھر ابا سائیکل لے گئے اب میں کس پر جاؤں گا۔" کاشف ناشتے کے لیے باورچی خانے میں آ کر موڑھے پر بیٹھتے ہوئے ناگواری سے بولا۔

"بیٹا دو قدموں پر تو دکان ہے۔" ساجدہ نے پراٹھا اور فرائی انڈہ اس کے سامنے رکھی چھوٹی سی میز پر رکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا' مجھے موٹر سائیکل چاہیے' مجھ سے نہیں اتنی گرمی میں پیدل چلا جاتا۔ موٹر سائیکل ملے گی تو کام کروں گا ورنہ......" نوالہ توڑتے ہوئے غصے سے بھری دھمکی دی۔

"اچھا ٹھیک ہے تمہارے ابو آئیں گے تو میں ان سے بات کروں گی۔" ساجدہ نے جھٹ حامی بھری۔

"مجھے یقین ہے یہ ابو سے اپنی بات منوا کے چھوڑے گا۔" کاشف سے چھوٹی ثمینہ نے ہنس کر کہا۔

"اور تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہے سمجھیں۔" کاشف نے آخری نوالہ منہ میں ڈالا اور ثمینہ کے دوپٹے سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"اوہوں...... بھائی اب تو مشکل ہے۔" ثمینہ نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

"تمہارے تو فرشتے بھی کریں گے۔" کاشف نے اس کے بال کھینچے اور اس نئے خوش کن خیال کے ساتھ اپنے حلیے پر نظر ڈالی' ملگجا سا کریم کلر کا شلوار سوٹ بدلنے کو دل نہ چاہا' کنگھی کا تکلف بھی نہ کیا اور باہر نکل گیا۔

چند گلیوں کے گھماؤ پھراؤ کے بعد دکان پر پہنچ گیا' بڑے سے پرانے برگد کے سائے میں مرغیوں کے

ڈربوں سے پھڑپھڑانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ گرم ہوا کے ساتھ ناگوار بدبو کا بھپکا مزید کوفت میں مبتلا کرگیا' فرار مشکل تھا دکان کے اندر قدم رکھنا ہی پڑا۔

"آ گیا بیٹا! چل تو ذرا گدی سنبھال میں ابھی آتا ہوں۔" ظہیر نے اسے دیکھتے ہی چھری ہاتھ سے رکھ دی' پہلے گاہک بھگت چکے تھے اور نئے کے لیے کاشف باپ کی جگہ پر آ بیٹھا۔

گوشت کے مقابلے میں مرغی بھی سستی تھی لہٰذا لوگ خوب کھاتے' چاہے برڈ فلو کی افواہ ہی کیوں نہ پھیل جائے بلکہ اب تو مرغی والے بھی سیانے ہوگئے تھے برڈ فلو کی افواہ کے باوجود مرغی سستی نہ کرتے۔ رش ہی لگا رہتا تھا اور ناغہ بھی نہیں ہوتا' کاشف کی نظریں تو صفائی کرتے چھوٹو پر تھیں لیکن دماغ میں اوٹ پٹانگ سوچیں آرہی تھیں کہ......

"دو کلو کی دو مرغیاں دے دیں۔" مترنم سی آواز پر کاشف حواسوں میں لوٹ آیا' چھوٹو جلدی سے مرغیاں نکال لایا۔ مرغیاں اس بُری طرح پھڑپھڑائیں کہ چھوٹو کی گرفت سے آزاد ہوکر ان لڑکیوں کے قدموں میں جا پڑیں۔ دونوں لڑکیاں چیخیں مارتی ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ کاشف بے ساختہ قہقہہ مار کے ہنس پڑا۔ چھوٹو نے جھٹ سے مرغیاں قابو کیں اور ترازو پر رکھ دیں۔ لڑکیاں بھی سنبھل کر سائیڈ پر دیوار کے ساتھ لگے بنچ پر بیٹھ گئیں۔ ایک نے ناک پر دوپٹہ رکھ لیا تو کاشف نے مسکراہٹ کا گلہ گھونٹتے ہوئے مرغی پر چھری پھیر دی۔ ان سے چند لمحوں کے لیے بدبو برداشت نہیں ہوتی اور ہم لوگ سارا سارا دن یہاں گزار دیتے ہیں۔ بے بسی سے سوچتے ہوئے کاشف نے بلا ارادہ ہی لڑکیوں کی سمت دیکھا' وہ لڑکی شاید پہلی مرتبہ آئی تھی' چاروں سمت اس کی نظریں گھوم رہی تھیں اور یہی وہ لمحہ تھا جب چاروں اور گھومتی اس کی نظریں کاشف کی نظروں سے ٹکرا گئیں۔

لڑکی نے بے تاثر انداز میں جھٹ سے نظریں پھیر لیں۔ لڑکی کی آنکھیں تھیں یا...... کاشف بلامقصد کتنی دیر دیکھے گیا' گندمی رنگت والی لڑکی اچھی خاصی پُرکشش تھی۔ یہ ایسی کوئی خاص اچنبھے کی بات نہیں تھی اس کا تو سارے دن میں طرح طرح کے انسانوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ جوان بوڑھے مرد' عورت ہر طرح کی مخلوق اس کی مرغیوں کی طلب گار بن کے آتی تھی مگر یہ لڑکی...... کاشف اپنا کام روک کر ایک بار پھر اسی طرف دیکھنے لگا۔ اب دونوں لڑکیاں دبی دبی آواز میں باتیں کررہی تھیں۔

دوسری پھر تیسری...... ہر نظر میں اسے دیکھنے کی طلب بڑھ رہی تھی' تقریباً بغیر دیکھے ہی اس نے مرغیوں کے پر کھال سمیت اتارے' بوٹیاں بنانے کا مرحلہ آیا۔

"بوٹیاں کیسی بنانی ہیں جی۔" سوال کے ساتھ ہی نظریں بھی اُدھر جم گئیں' دونوں نے چونک کر دیکھا۔

"بس نارمل سی بنا دیں۔" آرڈر دینے والی لڑکی بے پروائی سے بول کر پھر سے باتوں میں لگ گئی اور کاشف نظر بھر کر مطلوبہ لڑکی کو دیکھنے کے بعد اپنے کام میں لگ گیا۔

کاشف جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا دوستوں کے ساتھ فلموں کا شوق اور ہیرو بننے کی خواہش کہیں نہ کہیں سے ابھرتی ہی رہتی۔ بوٹیاں بنانے کے بعد گوشت شاپر میں ڈالتے ہوئے اپنے کپڑوں پر نظر گئی تو خود پر غصہ آ گیا کہ آج ہی اس نے بھی خراب حلیے میں آنا تھا۔ ہیرو اسٹائل میں آتا تو وہ نظر بھی ڈالتی...... اونہہ!

"کتنے پیسے؟" دل تو چاہا کہہ دے "تحفہ سمجھ کر لے جائیں" مگر پھر ابا کے جوتے نے قیمت بتانے پر مجبور کردیا۔

"اب نجانے کب ملاقات ہو......" "نہیں دکان سے۔ جاتے دیکھ کر اک حسرت بھرا خیال آیا۔ "ہو بھی یا نہیں"

دماغ کی دخل اندازی دل کو پسند نہ آئی۔

"ہوگی ضرور ہوگی۔" دل کی یقین دہانی پر سارا دن کام کرتے ہوئے یوں گزر گیا کہ کسی ناگواری کا احساس بھی نہ ہوا۔ رات کو گھر آ کر موڈ بھی خوشگوار رہا اور موٹر سائیکل کا مطالبہ بھی پس پشت چلا گیا۔

آج گھر آ کر اس کا معمول بھی بدل گیا' نہا کر اچھی سی جینز اور میرون کلر کی ٹی شرٹ پہن کر ٹی وی کے آگے بیٹھ گیا۔ بلامقصد چینل پر چینل بدلے جا رہا تھا۔ پھر ایک ویڈیو چینل پر اپنی پسندیدہ فلم دیکھ کر خوش ہوگیا اور پورے انہماک سے ڈائیلاگ سننے لگا۔

"بھائی کھانا کھالو ابو تمہیں بلا رہے ہیں۔" ایسے میں ثمینہ کی بے وقت آمد زہر لگی۔

"کیا ہے بھئی مجھے ابھی بھوک نہیں' تم جاؤ یہاں سے۔" نظریں ہٹائے بغیر رکھائی سے کہا۔

"تمہیں پتا ہے ناں کہ رات میں ہم سب اکٹھے کھانا کھاتے ہیں' سچی بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔" ثمینہ نے بے چارگی سے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

"تم تو ہو ہی سدا کی بھوکی۔" کاشف نے بے پروائی سے کہا۔

"تم چلو تو امی نے وہ والی بات بھی کرلی ہے۔" ثمینہ نے اسے لالچ دینا چاہا۔

"کون سی؟" کاشف نے چونک کر نظریں پھیریں۔

"وہی......" ثمینہ شوخ ہونے لگی۔

"ثمینہ کی بچی! زندہ رہنا ہے کہ نہیں۔" اب کاشف کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا' لپک کر ثمینہ کی چٹیا پکڑلی۔

"ہائے اللہ......! اتنی جلدی بھول بھی گئے اور امی بے چاری ابو کی منتوں میں لگی ہوئی ہیں۔" ثمینہ تکلیف کے باوجود بولے گئی۔

"اوہ......" کاشف کے دماغ میں جھماکا سا ہوا' موٹر سائیکل کی خواہش نے جوش مارا اور وہ پسندیدہ فلم بھول کر ثمینہ سے پہلے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ ظہیر اور ساجدہ کھانا شروع کرچکے تھے۔

"امی! کبھی تو دال یا سبزی پکالیا کریں۔" شوربے والی مرغی دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

"بڑا ناشکرا ہے انسان کسی حال میں خوش نہیں' ان سے پوچھو جو روز دال سبزی کھاتے ہیں اور ماں سے کہتے ہیں کبھی تو مرغی پکالیا کریں۔" ظہیر نے غصے میں آتے ہوئے سرزنش بھرے لہجے میں بیٹے کو لتاڑا۔ باپ کو مزید غصہ کرنے سے روکنے کے لیے کاشف اور ثمینہ چپ چاپ کھانے بیٹھ گئے۔

"عابدہ اور رضیہ کی کوئی خیر خبر ہے۔" ظہیر کو اچانک شادی شدہ بیٹیاں یاد آگئیں۔

"جی ابو بالکل ٹھیک ہیں روز ہی دونوں گھنٹوں امی کا دماغ کھاتی ہیں۔" ثمینہ بنا سوچے جھٹ بول پڑی' ماں نے تنبیہی نظروں سے گھورا' وہ زبان دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

"ہوں اچھی بات ہے اللہ انہیں اپنے گھروں میں آباد رکھے۔" کھانا ختم کرتے ہوئے ظہیر نے دعا دی۔

"آمین" تینوں ایک آواز ہوکر بولے۔

"اچھا بھئی میں اب ذرا تھوڑی سی چہل قدمی کرکے آتا ہوں۔"

"ابا وہ......" کاشف نے تذبذب سے ماں کو دیکھا۔

"صبر......" ماں نے ہاتھ اٹھا کر بے آواز صبر کی تلقین کی تو وہ جلدی جلدی نوالے منہ میں ڈالنے لگا۔

صبح کا آغاز معمول سے کافی ہٹ کر ہوا تھا' آج کاشف ماں کی ایک ہی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ظہیر ناشتے کے لیے آئے تو کاشف کو پہلے سے ہی باورچی خانے میں بیٹھے دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"کاشی بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے۔" باپ اس تبدیلی پر بھی پریشان ہوگیا۔

"جی ابو! بالکل ٹھیک ہوں' کالج بھی تو جانا ہے۔" بنا سوچے بہانہ بھی ایسا بتایا جس پر عمل کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا' اکثر نیند کے چکر میں چھٹی ہوجاتی۔

"اچھا پھر کالج سے واپسی پر سیدھے دکان پر آجانا۔" کالج سے واپسی پر برائے نام کھانا کھایا اور دکان پر پہنچ گیا۔

"ہاں بھئی چھوٹو آج کی رپورٹ دے' کتنی عورتیں' کتنے مرد اور کتنی لڑکیاں مرغی لینے آئیں۔" برگد کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے چھوٹو سے پوچھا جو مرغیوں کے دڑبوں میں پانی رکھ رہا تھا اور اب اس انوکھے سوال پر حیرت سے کاشف کو دیکھ رہا تھا۔

"ابے دیدے پھاڑے کیا دیکھ رہا ہے؟" کاشف کو غصہ آگیا۔

"بھیا جی آپ خود ہی اپنے سوال پر غور کریں۔" چھوٹو کی بات سے کاشف کو اندازہ ہوا کہ چھوٹو صرف قد کا چھوٹا ہے اندر سے پکا آدمی ہے۔

کاشف نے ناگواری سے سوچا اور اپنے بے تکے سوال کو نہ دہرایا' شام تک ڈیوٹی نبھاتے ہوئے کافی بور ہوچکا تھا۔ گرمی کا زور بھی قدرے ٹوٹ چکا تھا' تیز ہوا میں کچھ ٹھنڈا پینے کو دل چاہا۔

اس چھوٹی سی مارکیٹ میں کافی ساری دکانیں تھیں' جوس کی دکان پر تو کافی رش رہتا۔ جب سے فالودہ ملنے لگا تھا زیادہ تر بچے اور خواتین ہی نظر آتے یہاں چونکہ دکاندار گزرتے وقت کے ساتھ دوستی و بھائی چارے کے بندھن میں بھی بندھ چکے تھے لہٰذا کاشف دکان کے اندر تک پہنچ گیا۔ جہاں ایک طرف آئس کریم کی مشین چل رہی تھی' کاؤنٹر پر فالودے کے گلاس رکھے ہوئے تھے۔

"اے کاشف! اچھا ہوا تُو آگیا یہ ذرا فالودے کے گلاس باہر لڑکیاں بیٹھی ہیں انہیں دے آ۔ ریاض برف کوٹ رہا ہے جا میرا بیٹا!" دکان کے مالک نے ٹرے کاشف کے ہاتھ میں تھمادی۔

"اچھا چاچا...... میرے لیے بھی ایک گلاس بنادے۔" کاشف خوش دلی سے ٹرے لے کر باہر آگیا' جہاں پلاسٹک کی کرسیاں اور میز لگے ہوئے تھے رش سے ذرا ہٹ کر آخری میز پر دو لڑکیاں باتوں میں مصروف نظر آئیں۔

"میڈم جی اپنے بیگ سائیڈ پر رکھ لیں۔" کاشف نے میز پر ٹرے کی جگہ بناتے ہوئے اچٹتی سی نظر ڈالی اور کل والی لڑکی دیکھ کر چونک گیا۔ کاشف کو اتنی جلدی اس اتفاق کی توقع نہیں تھی۔

"لگتا ہے یہ لڑکی ٹپ ٹاپ والی کی ملازمہ ہوگی حالانکہ شکل تو میڈم سے بھی بہتر ہے اگر یہ بات سچ ہو تو بہت آسانی ہوجائے گی۔ اماں ابا بھی مان جائیں گے۔" کاشف کے سر پر فلمی جادو چل چکا تھا' اب کہاں کی تعلیم اور کہاں کم عمری اب تو وہ جلد از جلد کسی نہ کسی کو اپنا رازدار بنالینا چاہتا تھا۔

ان دونوں لڑکیوں سے اتفاقیہ اتنی مرتبہ ٹکراؤ ہوچکا تھا کہ کاشف نے جان لیا کہ یہ سارے اتفاقات قدرت کی طرف سے ہو رہے ہیں اور وہ سیدھی سادھی لڑکی اسی کی خاطر بار بار اس سے آ کر ٹکراتی ہے' اب اسے پہل کر ہی لینی چاہیے۔

آج کام سے واپس آ کر ٹریک سوٹ کا ٹراؤزر اور میرون ٹی شرٹ پہن کر آئینے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ قد کے لحاظ سے تو وہ کافی مطمئن تھا کہ چھ فٹ تک پہنچ گیا تھا' سانولا رنگ ابھی وہ موٹے ناک پر ناگواری سے انگلی پھیر ہی رہا تھا کہ اپنے پیچھے ثمینہ کا عکس نظر آیا اور بہن کو اپنا ہم خیال بنانے کے خیال نے اسے ثمینہ کو مسکرا کر دیکھنے پر مجبور کردیا۔

"کیا بات ہے بھائی! آج آئینے پر کیوں ستم ڈھا رہے ہو...... خیر تو ہے۔" ثمینہ کے معنی خیز لہجے نے مزید ہمت بندھائی۔

"کیوں میں روز نہیں دیکھتا۔" کاشف نے بے پروائی برتی۔

"یہ تو ہے لیکن ویسے کل صغریٰ خالہ بھی تمہاری بہت تعریف کررہی تھیں۔" ثمینہ نے اطلاع دینے میں دیر نہ لگائی کیونکہ خالہ کی بیٹی عالیہ کے ساتھ کاشف کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔

"خالہ بیچ میں کہاں سے آ گئیں۔" کاشف نے چڑ کر کنگھی پٹخی۔

"وہ تو میں نے جان بوجھ کے کہا تھا تاکہ...... "دال میں کالا کالا مجھے بھی نظر آجائے۔" ثمینہ نے چالاکی سے مسکراتے ہوئے کہا تو کاشف گہری سانس بھر کے مسکرانے لگا۔

"یہ کیا پھر مسکرانے لگے...... میں بھلا کیسے سمجھوں۔" ثمینہ نے کوفت بھرے لہجے میں کہا تب کاشف بھی سنبھل گیا۔

"یار بہنا! ایک لڑکی ہے بہت اچھی، بہت پیاری سیدھی سادھی۔"

"ایک منٹ بھائی۔" ثمینہ نے کاشف کو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"کیا ہے بھئی، تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" کاشف بے مزہ سا ہوگیا، ٹیمپو جو ٹوٹ گیا تھا۔

"ارے بھائی جو باریکیاں میں نوٹ کروں گی وہ تم تھوڑی کرو گے، اگر لڑکی کسی بڑے گھر کی ہوئی تو کیا تمہیں گھاس ڈالے گی۔" ثمینہ نے بے جھجک اعتراض کیا۔

"مجھے گھاس کھانی بھی نہیں۔" کاشف کو اس کی گھاس والی بات پر غصہ آ گیا۔

"اوہو ناراض مت ہو، وہ تو میں نے محاورتاً کہا تھا کہ اگر......"

"بس بس...... بڑی بی مجھے بھی پتا ہے سب باتوں کا، وہ ہمیشہ بڑے سادہ سے کپڑوں میں آتی ہے جبکہ ساتھ والی یقیناً اس کی مالکن ہوگی بڑی تیار شیار، مہنگے کپڑوں میں ہوتی ہے۔" کاشف نے اسے تصور میں رکھتے ہوئے بتایا۔

"پھر تو ٹھیک ہے، کیا تم نے اس سے بات کی ہے کبھی۔" ثمینہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کہاں...... اس کی مالکن ہی پیچھا نہیں چھوڑتی، ساتھ ساتھ رکھتی ہے اس کو۔" کاشف نے جل کر بتایا۔

"تو پھر کیسے پتا چلے گا کہ وہ بھی تم کو پسند کرتی ہے۔" ثمینہ کو فکر ہوئی۔

"اس سے آگے کا کام تم کرو، اسی لیے تو تمہیں رازدار بنایا ہے۔" کاشف نے چاپلوسی سے کہا۔

"اور صغریٰ خالہ......" ثمینہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"میرے علاوہ خاندان میں اور بھی لڑکے ہیں۔" کاشف نے "میرے علاوہ" پر خصوصی زور دیا۔

"اچھا پھر کل اگر وہ آتی ہے تو چھوٹو کو بھیج کر مجھے بلوا لینا میں خود ہی بات آگے بڑھانے کی کوشش کروں گی۔" ثمینہ نے پروگرام بنایا۔

"بڑی آئی بی اماں، بات اماں ہی آگے بڑھائیں گی۔" کاشف نے اس کے سر پر طبلہ بجایا۔

"اچھا تو ابھی جا کے اماں سے کہتی ہوں بھائی کا رشتہ لے کر چلیں۔" ثمینہ نے بھی بدلہ چکانے میں وقت نہ لگایا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"معاف کردے بہن! اگر ابھی اماں کو پتا چلا تو ہاتھوں سے ماز پڑے گی، ابا تک بات گئی تو دس نمبر کے جوتے پڑیں گے اور اگر تو اوقات میں رہے گی تو تیرا ہی فائدہ ہے۔" کاشف نے ثمینہ کے کندھے دباتے

ہوئے آخر میں للچایا۔

"اچھا مثلاً کیا......" ثمینہ نے رازدار بننے کی قیمت جاننی چاہی۔

کاشف نے دانت پیسے اور گردن دبانے کے لیے بڑھتے ہاتھوں کو بمشکل روکا۔

"جو کہے گی دلاؤں گا۔" ناچاہتے ہوئے کھلی آفر کرنی پڑی۔

اگلے دن کاشف کالج سے واپسی پر سیدھا دکان پر چلا گیا۔

"کیا بات ہے کاشف بھائی! کسی کا انتظار ہے کیا؟" چھوٹو نے چھیڑا اور وہ بھی ابا کی موجودگی میں کاشف کا دل چاہا مرغی ذبح کرنے والی تیز چھری اس کی گردن پر رکھ دے، وہ تو شکر ہوا کہ ابا گاہکوں کے ساتھ مصروف تھے ورنہ...... اس نے جاتے جاتے چھوٹو کے پاؤں کے آگے ٹانگ کر کے اسے گرنے پر مجبور کردیا۔

"دیکھ لوں گا بھیا جی!" چھوٹو نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

ثمینہ نے جب سے کاشف کے خیالات سنے تھے عجیب سی الجھن میں پڑ گئی تھی دماغ کاشف کا ساتھ دینے سے انکاری تھا اور دل بھائی کی محبت میں بے قرار۔

"ویسے بھائی کی عمر کہاں ہے شادی کی، نہ پڑھائی کے لحاظ سے اور نہ کمائی کے لحاظ سے۔" ثمینہ سارا کام بھلائے اونچ نیچ سوچے جارہی تھی۔

دوپہر ڈھلنے کو تھی گرمیوں کی لہر میں مزید کمی ہورہی تھی، تیز ہوا میں قدرے ٹھنڈک محسوس ہونے لگی تھی۔ کاشف گاہکوں کے رش سے نجات پانے کے لیے برگد کی چھاؤں میں بچھی چارپائی پر آ کر لیٹ گیا۔ آج کل دن بڑے مزے میں گزر رہے تھے، وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں خوابوں کی نگری سجتی جارہی تھی اور کاشف میاں آگے بڑھتے جارہے تھے۔

"بھیا جی!" چھوٹو کی پاٹ دار آواز نے رنگ میں ایسا بھنگ ڈالا کہ دل چاہا آج اسی کو قربان کردے۔

"کیا ہے میرے خوابوں کے دشمن، ایسے ہی وقت میں آفت آئی ہے تمہیں۔" کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے زہر اگلا۔

"مجھے کیا پتا آپ جاگتے میں خواب دیکھ رہے ہو، وہ بھی مزے مزے کے اسی لیے تو غصہ آرہا تھا۔" چھوٹو کی بدمعاشی عروج پر پہنچتی دیکھ کر کاشف نے لپک کر اس کی گردن دبوچ لی۔

"ہائے بھیا جی...... یہ میں ہوں مرغی نہیں۔" چھوٹو نے واویلا مچایا۔

"تجھے تو میں کند چھری سے ذبح کروں گا۔" کاشف نے زور لگایا ہی تھا کہ......

"کاشف......" ابا کی کڑک دار آواز پر جھٹکے سے اسے پٹخا۔

"بلانے ہی تو آیا تھا۔" چھوٹو گردن مسلتا ہوا غائب ہوگیا۔

"جی ابا۔" کاشف فرماں برداری سے جا کھڑا ہوا۔

"بیٹا یہ لے ایڈریس کی پرچی اور یہ گوشت کے شاپر فٹافٹ پہنچا کے آجا۔" ظہیر کے لہجے میں دلار کے ساتھ حکم بھی تھا۔

"ابا میں...... چھوٹو کو بھیجیں ناں، میں یہاں دکان پر کام دیکھتا ہوں۔" کاشف نے بڑے سلیقے سے انکار کرنا چاہا۔

"بیٹا چھوٹو کہاں ایڈریس پڑھ سکے گا، وقت پر جاؤ بیٹا! دیر ہورہی ہے انہوں نے جلدی بولا تھا۔" ظہیر کے اصرار پر کاشف کو ناچار ایڈریس کی پرچی اور چکن کا بڑا سا شاپر پکڑنا پڑا۔

"کام چور چھوٹو! ویسے ساری باتوں کی خبر ہے، نکمہ،

میں ابا کی جگہ ہوتا تو آج ہی نوکری سے نکال دیتا۔" کاشف نے چھوٹو کو گھورتے اور کوستے ہوئے دانت کچکچائے۔ صاف ستھری سڑکوں پر بائیک دوڑاتے ہوئے کاشف سخت کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔

چوڑی سڑکوں کی سائیڈ پر بنے پہلے ہی بنگلے پر مطلوبہ ایڈریس دیکھ کر کسی قدر سکون ملا۔ بیل بجا کر بنگلے کا جائزہ لیا' بہت ہی خوب صورت اور جدید ڈیزائن کا بنگلہ تھا۔ اندر شاید بیل کی آواز ہی نہیں گئی تھی' کاشف نے غصے سے دوبارہ بٹن پر انگلی رکھ دی' ڈنگ ڈانگ کی آواز دور تک سنائی دی۔

"آ رہے ہیں بھئی۔" جھنجلائی سی آواز پر کاشف کا منہ پھر بن گیا۔

"میں تو گویا شوقیہ کھڑا ہوں......اونہہ۔"

"جی بولیے...... کس سے ملنا ہے؟" گیٹ کے اندر سے ہی آواز آئی۔

"مجھے نہیں آپ کو ملنا تھا مجھ سے۔" کاشف نے جھنجلاہٹ میں بے تکا سا جواب دے دیا جسے سن کر بولنے والی نے جوابی کارروائی کے لیے غصے سے گیٹ کھولا۔

"اوہ......" کاشف کو پہچان کر لڑکی نے جلدی سے سر پر دوپٹہ سجایا۔

"لائیے۔" کاشف سر جھکائے زمین کو گھور رہا تھا جب ایک نازک سے ہاتھ کو اپنی آنکھوں کے سامنے پایا تو جھٹ سے شاپر ہاتھ میں دے کر سر اٹھایا۔

"ہت تیرے کی۔" آنکھوں کی چکا چوند میں اپنے خوابوں کی ساتھی کو دیکھ کر گویا سکتہ سا ہو گیا لیکن......

"یہ لیجیے پیسے۔" پیسے پکڑنے کے لیے ہوش میں آنا ضروری تھا اچھا تو نہیں لگ رہا تھا لیکن لینا مجبوری تھی۔

"کیا یہ...... اتنا بڑا گھر اس خاموش حسینہ کا ہے؟" گم صم سے انداز میں بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے مایوسی سے سوچا جیسے جیسے اس گھر سے دور ہو رہا تھا ویسے ویسے لگ رہا تھا کہ وہ لڑکی اس کی دسترس سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ حسرت بھرے خیالات کا گنجلک گچھا سارے دماغ میں پھیل گیا اور کاشف کی تیز رفتار سواری سلو موشن میں دکان کی طرف روانہ ہوئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ لڑکی اتنے امیر گھرانے سے تعلق رکھ سکتی ہے۔ اچھی شکل اور حلیے کے باوجود اتنی امیر نہیں لگتی تھی پھر آخر...... باقی سارا وقت سوچوں میں ڈوبے ہوئے بہت جلد گزر گیا' باپ کے بتائے ہوئے کام روبوٹ کے سے انداز میں کرتا گیا البتہ چھوٹو چونک چونک کر اسے بغور دیکھنے لگتا۔

"کاشی بھائی...... کچھ نہ کچھ تو گڑبڑ ہے۔" رات کے آٹھ بجے دکان کی صفائی کرتے ہوئے چھوٹو نے کاشف کی طرف دیکھا۔ مرغی کی بوٹیاں بناتے ہوئے بغیر دیکھے تیز دھار چھری چلا رہا تھا۔

"آہ......" چھری پھینک کر اس نے دوسرے ہاتھ سے خون اگلتے ہاتھ کو دبایا مگر خون تھا کہ ابلا رہا تھا۔

"ہائے بھیا جی کو چھری لگ گئی۔" چھوٹو نے واویلا مچا دیا گاہک بھی پریشان ہو گیا۔

"اوئے چپ چھوٹو! آواز نہ نکلے ابا کو پتا چلا ناں تو دیکھنا۔ آ...... فکر نہ کریں جی قصائیوں کے ساتھ تو واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔" کاشف نے زخمی ہاتھ کو نلکے کے نیچے رکھتے ہوئے چھوٹو کو دھمکی دینے کے گاہک کو تسلی دی۔ وقتی طور پر خون بہنا بند ہو گیا اور گاہک اپنی چیز لے کر روانہ ہو گیا۔

"چھوٹو! میں گھر جا رہا ہوں' ابا کو بتا دینا۔" کاشف نے ایک میلا سا کپڑا ہاتھ پر لپیٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور چھوٹو کو حیران پریشان چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

تیز روشنیوں سے سجی مارکیٹ سے باہر نکلا تو گھر کی سمت جانے والے اندھیرے کی طرف بڑھ گیا۔ ہاتھ کا درد بھی بڑھتا جا رہا تھا میڈیکل اسٹور نظر آیا تو سنی پلاسٹ لینے چلا گیا' سیلز مین دوست ہی تھا۔

"لاؤ میں لگا دوں' تم تو بڑی احتیاط سے کام کرتے ہو' کٹ کیسے لگ گیا؟ اوئے...... بہت بڑا گھاؤ ہے ٹانکہ لگے گے سنی پلاسٹ والا زخم نہیں ہے۔" صدیق نے ہمدردی سے کہتے ہوئے زخم دیکھا تو گھبرا گیا۔ کاشف نے بھی نظریں پھیر لیں۔

"چلو میں تمہیں بائیک پر لے چلتا ہوں۔" صدیق نے جلدی جلدی مالک سے اجازت لی اور کاشف کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر بائیک دوڑا دی۔

ساجدہ اور ثمینہ کھانا تیار کر کے ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھ گئیں کہ پسندیدہ ڈرامے شروع ہو چکے تھے' ایک چینل پر وقفہ آتا تو دوسرا چینل لگ جاتا۔ کبھی کبھی ماں بیٹی میں تنازع ہو جاتا ایک ہی ڈرامے پر کم ہی اتفاق ہوتا تھا۔

"آج باپ بیٹے نے بہت دیر کر دی' مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے۔" ساجدہ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بے صبری سے کہا۔

"تو آپ کھا لیں ناں تاکہ میں ڈرامہ سکون سے دیکھ سکوں۔" ثمینہ نے چالاکی سے کہا ساجدہ نے بیٹی کو گھورا۔

تبھی گھر کے باہر بائیک رکنے کی آواز آئی دونوں نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"نجانے کون ہے؟" ساجدہ خود کلامی کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ اسی پل کاشف نے اندر قدم رکھا' ہاتھ پر سفید پٹی بندھی چہرے پر تکلیف کے آثار۔

"ہائے میرے اللہ...... یہ کیا ہوا؟" ساجدہ نے تڑپ کر کاشف کو بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"ثمینہ...... او ثمینہ! کیسے بے ہوش ہو کر بیٹھی ہے ادھر آ۔" ساجدہ نے اتنی اونچی آواز میں واویلا مچایا کہ ثمینہ گھبرا کر دوڑی آئی۔

"کیا ہوا اماں' ارے بھائی یہ کیا......؟"

"یار تھوڑا سانس لینے دیں' بتانے کی مہلت تو دیں ویسے پریشانی کی بات نہیں' کبھی کبھی بندہ مرغی کاٹتے کاٹتے ہاتھ بھی کاٹ لیتا ہے۔" کاشف نے صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کمزوری آواز میں کہا۔

"جب فضول سوچوں میں ڈوب کر کام کرو گے تو ایسا ہی ہوگا۔" ثمینہ نے اس کے کان میں معنی خیز سرگوشی کی' کاشف بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا کہ بات سچی تھی۔

"میرا بچہ! کتنی تکلیف میں ہے چل دفع ہو کھانا لے کر آ۔ بس باتیں بنوا لو اس سے۔" ساجدہ نے غصے سے ثمینہ کو ٹوکا۔

"نہیں اماں! ابھی نہیں صدیق نے آتے ہوئے شیک پلا دیا تھا' نیند آ رہی ہے۔" کاشف نقاہت سے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"تو کدھر جا رہی ہے اسے سونے دے سکون سے۔" ثمینہ کو کاشف کے پیچھے جاتے دیکھ کر ساجدہ نے اسے بلایا۔

"اماں! آپ کھانا نکالو میں ابھی آتی ہوں۔" ثمینہ عجلت میں کہہ کر کاشف کے پیچھے دوڑی کہ کہیں وہ کنڈی نہ چڑھا لے۔

"بھائی...... بھائی......" بولتی اندر جا کھڑی ہوئی۔

"اب کیا ہے یار! سونے دو۔" کاشف بری طرح تھکان اور اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

"میں تو ہمدردی کرنے آئی تھی۔" ثمینہ کے لہجے میں نجانے کیا تھا کہ کاشف کو غصہ آ گیا۔

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے' بڑی آئی ہمدرد...... کس بات کی ہمدردی نکلو یہاں سے۔" کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر دھکیل دیا اور کنڈی چڑھا لی۔

"اونہہ! میرا کون سا اس کے ساتھ عشق چل رہا تھا اس بے چاری کو تو پتا بھی نہیں بس اچھی لگی تھی۔ کلاس میں فرق ہے بس ٹھیک ہے مجھے بھی اتنا زیادہ سوگ نہیں منانا چاہیے اس نے کون سا میرا ساتھ وعدہ کیا تھا مرنے جینے کا۔" خود کلامی کرتے کرتے کاشف نے لائٹ بند کی اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ تکیہ سر کے نیچے رکھتے ہوئے ہاتھ دکھ گیا اور وہ درد سے بے بس ہوگیا۔

"ویسے وہ شکل سے لگتی نہیں تھی اتنی امیر۔" سوتے ذہن میں آخری سوچ یہی آئی تھی۔

......☆☆☆......

زخم کاشف کے لیے غنیمت ثابت ہوا کہ اگلے بہت سارے دن آرام کرنے کے لیے مل گئے ویسے اچھا ہی ہوا کام کرنے کا موڈ جو وقتی طور پر طاری ہوا تھا پھر سے ختم ہوگیا مگر ساری حقیقت ابا تو جاننے سے رہے انہیں بتا کر جوتے تھوڑی کھانے تھے شکر ہوا کہ چوٹ لگ گئی مگر آخر کب تک وہ بہانہ بنا کر گھر میں ماں اور بہن سے خدمت کرواتا رہتا ابھی ہفتے سے ایک دن ہی اوپر ہوا تھا کہ صبح آنکھ کھلتے ہی ابا کی آواز سنائی دی۔

"ناشتے کے بعد کاشف کو دکان پر بھیج دینا کام بے شک نہ کرے لیکن دکان میں موجود رہے۔" باپ کا نادر شاہی سن کر کاشف کا منہ بن گیا۔

"چلو یہ بھی بہت ہے کام سے تو گویا دوبارہ نفرت عود کر آرہی تھی۔" ثمینہ شاید گھر پر نہیں تھی ورنہ اسے چڑانے کے لیے پہنچ جاتی۔ کاشف منہ بناتے ہوئے اٹھا بے دلی سے ناشتا کر کے گھر سے نکل گیا۔ آف وائٹ شلوار قمیص کافی میلا لگ رہا تھا لیکن اس کے پاس پروا کرنے کے لیے کوئی وجہ نہیں تھی۔

موسم کافی بدل چکا تھا تیز دھوپ چبھ نہیں رہی تھی چونکہ کافی دن بعد آیا تھا۔ جاننے والے حال پوچھ رہے تھے پوری مارکیٹ میں بڑی رونق ہو رہی تھی۔ باہر کی تازہ ہوا نے دل و دماغ پر کافی اچھا اثر کیا اور کاشف کے ماتھے کی شکنیں کم ہونا شروع ہوگئیں دکان تک پہنچتے پہنچتے وہ سیٹ ہو چکا تھا۔

"واہ بھئی آج تو ہمارے بھیا جی آگئے کیسے ہو بھیا جی؟" چھوٹو بڑے تپاک سے آگے بڑھا۔ کاشف نے بھی خوش دلی کا مظاہرہ کیا اور چھوٹو کا ہاتھ جوش سے دبایا لیکن ہاتھ جدا کرتے ہوئے چپکنے کا احساس ہوا۔

"اوہ......" یہ چھوٹو بھی ناں اپنے ہاتھ کو دیکھا تو وہ مرغی کے خون سے چپچپا ہو رہا تھا اس نے گھور کر چھوٹو کو دیکھا۔ زیادہ دیر وہ درگزر سے کام نہ لے سکا۔

"معاف کردو بھیا جی۔" چھوٹو نے مسکراتے ہوئے کہنے کو معافی مانگی تھی لیکن اس کے لہجے میں ندامت سے زیادہ تفاخر تھا جیسے کاشف کی زیادتوں کا بدلہ لے لیا ہو۔

"اب ذرا بچ کے رہنا بچو۔" کاشف نے بھی پرانی جون میں آتے ہوئے دھمکی دی اور منہ چڑاتا ہوا دکان میں داخل ہوا۔

ارے آج تو بغیر خواہش کے ہی بے نام حسینہ نظر آگئی تھی ہمیشہ کی طرح سادہ کپڑوں میں بھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"لے بیٹا کاشی! ذرا یہ شاپر گاڑی میں رکھوادے۔" اسے دیکھتے ہی ظہیر کو کام یاد آگیا کوئی اور وقت ہوتا تو کاشف خوشی سے پھولا نہ سماتا مگر اس وقت خدمت خلق کرنے کو دل نہ چاہا۔

"ابا میرے ہاتھ میں ابھی تک درد ہے۔" دھیمی آواز میں کہتے ہوئے بہانہ تراشا۔

"اچھا ٹھیک ہے ذرا چھوٹو سے کہو۔" ظہیر نے نرمی کا مظاہرہ کیا۔

"اونہہ! اتنا زیادہ وزن بھی نہیں ہے ان امیر زادیوں کے نخرے بھی تو بہت ہوتے ہیں ابھی یہاں ثمینہ ہوتی تو

جھٹ سے اٹھا لیتی۔" کاشف نے ترچھی نظروں سے لڑکی کو دیکھتے ہوئے بیزاری سے سوچا۔

ناچاہتے ہوئے بھی چھوٹو کے پیچھے جاتی لڑکی کو دیکھے گیا۔ پارکنگ میں ہی سامنے سے ثمینہ کو آتے دیکھا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ جھٹ ثمینہ کو لڑکی دکھاتا مگر یہ کیا...... ثمینہ تو اس لڑکی سے گلے مل رہی تھی تو کیا وہ پہلے سے ایک دوسرے کو جانتی ہیں پر کیا فائدہ کاشف نے دلی سے نظریں پھیر لیں۔

سارا دن جان بوجھ کے کام نہ کیا لیکن ابا کو اکیلے سب کچھ سنبھالتے دیکھ کر شرمندگی ہونے لگی تو وہ کمر کس کے مرغیوں کے اکھاڑے میں اتر گیا۔ رات کو ابا کے ساتھ ہی گھر میں داخل ہوا دل میں کہیں سکون کی اک لہر سی تھی ابا بھی بہت خوش تھے کہ آج ہمیشہ سے زیادہ ذمہ داری سے بیٹا ان کا ہاتھ بٹاتا رہا تھا۔ باپ بیٹے کے آتے ہی ساجدہ نے بیٹی کے ساتھ مل کر کھانا لگایا کاشف نے جلدی سے ڈونگے کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ بھنا ہوا قیمہ دیکھ کر خوش ہوگیا وہ دلجمعی سے پسندیدہ کھانے میں مصروف ہوگیا اور ثمینہ کو اچانک ہی یاد آگیا۔

"اماں! آج مارکیٹ میں نادیہ مل گئی ہائے اماں مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ کیا بتاؤں۔" ثمینہ اپنے مخصوص انداز میں شروع ہوگئی۔ کاشف کا ہاتھ رک گیا اور ظہیر نے تنبیہی انداز میں بیٹی کو گھورا۔

"بیٹا کھانے کے بعد۔" ثمینہ تو باپ سے خائف ہو کر چپ ہوگئی اور کاشف کے منتظر کان معلومات کے انتظار میں کھڑے ہوگئے پر ثمینہ تو اب ایسے کھانا ٹھونس رہی تھی جیسے سالوں کی فاقہ زدہ ہو۔ یقیناً اب اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا خدا خدا کر کے ظہیر کھانے کے بعد اٹھ گیا۔ کاشف بھی ہاتھ دھونے کے لیے صحن کے دوسرے کنارے پر لگے واش بیسن کی طرف بڑھ گیا۔

"ہاں تو اچانک کہاں چلی گئی تھی وہ؟" ساجدہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ کاشف کے کان وہیں تھے۔

"اس کی اماں آغا صاحب کے گھر میں کام کرتی تھیں ناں بے چاری اتنی بیمار ہوئیں کہ نادیہ کو میٹرک ادھورا چھوڑنا پڑا اور پھر......" ثمینہ نجانے کیوں چپ ہوگئی تھی کاشف کو اپنی پہچان پر فخر ہونے لگا کہ وہ بڑے گھر میں رہنے کے باوجود اتنی امیر لگتی نہیں تھی دور جاتی پسند ایک بار پھر اپنے معمول کے قریب نظر آئی۔ دل ایک بار پھر خوشگوار لے پر دھڑکنے لگا تھا وہ جان بوجھ کر ٹہلنے لگا۔

"پھر کیا ہوا؟ ہاتھ بھی چلا اور برتن سمیٹ لے۔" ساجدہ نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

"پھر اماں اس کی شادی ہوگئی۔" نجانے کون سی چیز سے پاؤں ٹکرایا تھا کہ کاشف کو زور سے ٹھوکر لگی۔ عشق میں نامرادی شاید اس کا مقدر تھی۔

"اچھا یہ تو بڑی اچھی بات ہے تو منہ کیوں بسور رہی ہے۔" ساجدہ نے بیٹی کو حیرت سے دیکھا۔

"اس لیے کہ بیٹی کی پیدائش سے پہلے ہی وہ بیوہ ہو چکی تھی۔" ثمینہ نے بھیگی پلکوں کے ساتھ اداس لہجے میں بتایا۔

"ہائے میرے اللہ! مظلوم بچی اتنی سی تو اس کی عمر ہے اور اتنا بڑا دکھ۔ اللہ کسی بچی کے ساتھ ایسا ظلم نہ ہو۔" ساجدہ بھی آبدیدہ ہوگئی اور کاشف گہری سانس بھرتے ہوئے سیاہ آسمان پر سجے روشن ستاروں میں نجانے کیا ڈھونڈنے لگا۔ بڑی عجیب صورت حال تھی توقع کے خلاف۔

"بیوہ ہے تو کیا ہوا؟" یہ آواز کہاں سے آئی تھی اس نے چونک کر چاروں اور دیکھا ماں اور بہن کچن میں سامان سمیٹ رہی تھیں پھر یہ آواز شاید...... شاید اس کے اندر سے آئی تھی۔

"ہاں ٹھیک تو ہے کیا بیوہ ہونے کے بعد لڑکی کی زندگی رک جاتی ہے اس پر خوشیوں کے سارے در بند ہوجاتے ہیں۔" یہ اسے کیا ہوگیا تھا کہ اس جیسا بے شعور انسان ایسی باتیں سوچنے لگ پڑا تھا' یہ کون سی کیفیت ہے۔

"کیا بات ہے بھیا! آسمان کو کیوں گھورے جارہے ہو کہیں تمہاری لیلیٰ کا چہرہ تو نظر نہیں آرہا۔" ثمینہ نجانے کب اس کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی' شرارت سے بھائی کو چھیڑا۔

"تو اماں کو کیا بتا رہی تھی؟" کاشف نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہائے بہت آزمائش کا وقت ہے نادیہ پر بے چاری جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی۔ ابھی دیکھا کیا تھا زندگی میں' اوپر سے چھوٹی سی بچی۔" ثمینہ پھر سے افسردہ ہوگئی۔

"تو کیا وہ دوسری شادی نہیں کرسکتی۔" کاشف نے بہت رک رک کر دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"کیوں نہیں کرسکتی پر اب بے چاری سے کون شادی کرے گا۔" ثمینہ نے مایوسی سے کہا۔

"میں...... میں ڈھونڈوں کوئی۔" کاشف نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہائے یہ تو بڑی نیکی کا کام ہوگا۔ بھیا ضرور دیکھنا' بڑی اچھی لڑکی ہے' اتنی پیاری بھی ہے لیکن اب اس کی بیٹی کی وجہ سے مشکل ہوجائے گی۔ کنوارہ تو ناممکن ہے۔" ثمینہ ایک سانس میں بول گئی۔

"ہوسکتا ہے کوئی نہ کوئی مل ہی جائے۔" کاشف نے سوچتے لہجے میں کہا۔

"نہیں بھیا آج کے دور میں تو ایسا مشکل ہے' ملے گا بھی تو طلاق یافتہ اور بچوں والا۔" ثمینہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو' تمہیں کیا پتا لوگوں کا۔" کاشف نے خفیف سا مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔ ثمینہ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نادیہ کو بہت پسند کرتی ہے اور اگر میں اپنے آپ کو پیش کروں گا تو خوش ہوجائے گی۔ کاشف نے قدرے مطمئن ہوکر سوچا۔

"کاشف! ثمینہ اندر آجاؤ' موسم بدل رہا ہے رات میں کافی ٹھنڈ ہوجاتی ہے۔ کمرے میں جاکے باتیں کرو۔" ماں کی ہدایت سن کر دونوں اندر چلے گئے۔

"آجا...... میرے کمرے میں بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" کاشف نے مطلبی فراخ دلی سے کہا۔

"اچھا میں پھر اماں سے کہہ کر آتی ہوں کہ اچھی سی دودھ پتی بنادیں۔" ثمینہ نے اسے للچاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"چائے......" کاشف نے پل بھر کو سوچا۔ "اچھا چل جلدی سے کہہ کر آنا' پر کہیں اماں تجھے کسی کام سے نہ لگادیں۔" کاشف کو اچانک خیال آیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" ثمینہ نے منہ لٹکایا' کاشف نے مسکراتے ہوئے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا۔

"اچھا تو ہم کس ٹاپک پر بات کر رہے تھے۔" کاشف نے چینل بدلتے ہوئے انجان بن کر سوال کیا۔

"نادیہ...... نادیہ کی شادی خانہ آبادی کے سلسلے میں۔" ثمینہ پھر سے پُرجوش ہوگئی۔

"اچھا...... لڑکا کیسا ہونا چاہیے؟" کاشف نے دلچسپی سے پوچھا۔

"لڑکا...... لڑکا کہاں بھیا؟ آدمی ہی ڈھونڈو وہ بھی بچوں والا اور......"

"اچھا بس بس' آگے مجھے پتا ہے۔" کاشف نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔

"سمجھ گئے ناں' اچھا اب میں چلی۔" ثمینہ جمائی روکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے رک' بھئی تھوڑی دیر تو۔" کاشف جھجکتے ہوئے اٹھا۔

"کیا بات ہے بھیا!" ثمینہ کو بھائی کا انداز چونکا سا گیا۔

"وہ اگر......" کاشف نے ثمینہ کی طرف سے رخ پھیرا۔ "اگر میں...... میں...... نادیہ سے شادی......"

"کیا......" ابھی کاشف کی بات بھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ ثمینہ حیرت وخوف سے چیخ پڑی۔

"کیا کہا تم نے بھیا! شش...... شاید میں نے غلط سنا۔" ثمینہ لرزتے لہجے اور کپکپاتی ٹانگوں کے ساتھ کرسی پر گرسی گئی۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تمہیں خوشی ہوگی سن کر۔" کاشف بہن کی حالت پر پریشان سا ہوکر دھیمے سے بولا۔

"خوشی......" ثمینہ نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے غصیلی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

"اس میں خوشی کی کیا بات ہے' تمہیں میری بھابی بنانے کے لیے بیوہ ہی ملی ہے باقی کنواری لڑکیاں مرگئی ہیں کیا۔" ثمینہ غصے میں ہر لحاظ وادب بھول گئی۔

"ابھی...... ابھی تو تمہیں نادیہ میں ساری خوبیاں نظر آرہی تھیں۔" کاشف نے طنز کیا۔

"تو میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کوئی بھی کنوارہ لڑکا اسے قبول نہیں کرے گا' میں بھلا اپنے بھائی کے لیے اسے کیسے پسند کرسکتی ہوں۔" ثمینہ کی آواز روہانسی ہوگئی۔

"کیوں تمہارے بھائی میں کون سے ہیرے جڑے ہیں۔" کاشف نے ناگواری سے کہا۔

"تو نادیہ میں ایسے کون سے ہیرے جڑے نظر آگئے تمہیں۔" ثمینہ نے بدلحاظی سے پوچھا۔

"اس کی خوبیاں تو تم نے ہی گنوائی تھیں' میں نے کہا اتنی اچھی ہے تو میں ہی اس سے شادی کرلیتا ہوں۔" کاشف نے ثمینہ کو اسی کے الفاظ یاد دلائے۔

"اس کی سو خوبیوں پر ایک ہی خامی بہت ہے کہ وہ ایک بچی کی ماں ہے' تم کیسے پرائی اولاد کو قبول کرو گے۔" ثمینہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"بچی بے چاری تو بے قصور ہے اور یتیم بھی ہے ثواب ہی ثواب۔" کاشف نے گویا قیمتی نکتہ اٹھایا۔

"تمہیں مردوں کا فادر ٹریسا بننے کی ضرورت نہیں' ہم نے کوئی ٹھیکہ نہیں لیا نیکیاں کمانے کا۔" ثمینہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"اب اللہ تعالیٰ ہمیں موقع دے رہا ہے تو۔" کاشف نے صلح جو لہجے میں کہہ کر ملتجی نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"ارے تم اپنی لیلیٰ کو بالکل ہی بھول گئے' کیا واقعی نیکی کے لیے ہی کہہ رہے ہو۔" ثمینہ کو اچانک خیال آیا' حیرت سے پوچھا۔

"آہ...... ہا' قسمت کا یہ کھیل دیکھو' وہ لیلیٰ بن گئی نادیہ' اس میں میرا کیا قصور۔" کاشف بے بس لہجے میں بولا۔

"جو بھی ہو' اگر وہ تمہاری بچپن کی محبت بھی ہوتی تو میں کبھی نہ مانتی' اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابھی تو بات میری حد تک ہے امی ابا تک گئی تو سر ایسا گنجا ہوگا کہ دوبارہ کبھی بال نہیں اگیں گے لہٰذا اپنے فضول سے جذبات پر ٹھنڈا پانی ڈالو اور کل صبح اٹھو تو ان باتوں کو خواب ہی سمجھ کر بھول جانا ورنہ......" ثمینہ نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور تم بھی ذرا اپنے قول وفعل کے تضاد پر غور کرنا یہ بہت بُری بات ہے کہ انسان کہے کچھ اور کرے کچھ۔" کاشف نے ناگواری سے کہتے ہوئے اسے بھی ہدایت کرڈالی۔

"تو تمہارا کون سا اس کے ساتھ جنموں کا ساتھ

ہے۔" ثمینہ بھڑک اٹھی۔

"اچھا اب تم جاؤ اس بارے میں بعد میں بات ہوگی۔" کاشف نے نرمی سے کہا۔

"بہتر ہوگا کہ تم یہ ٹاپک یہیں ختم کردو۔" ثمینہ نے سنجیدگی سے حتمی لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ کاشف نے گہری سانس بھرتے ہوئے پنکھا فل اسپیڈ پر کھولا اور اپنے بستر پر گر گیا۔

"آخر اس میں حرج ہی کیا ہے پسند بھی مل جائے گی اور معصوم بچی کو باپ بھی مل جائے گا۔ کاشف میاں ابھی تک تو یہ یکطرفہ پسند ہے اگر نادیہ بھی ہم خیال ہوجائے تو کیا بات ہے۔" وہ ثمینہ کی دھمکی اس کے پیچھے چھپے خطرے سب کچھ بھلائے کہیں اور ہی کھویا ہوا تھا۔

"نہیں میرا اتنا بڑا دل نہیں ہے میں ایک بچی کی ماں کو اپنے اکلوتے اور کنوارے بھائی کی بیوی نہیں بننے دوں گی' کوئی مجھے کم ظرف کہے تو کہے میں غلط نہیں ہوں۔ آخر میرے بھی کچھ ارمان ہیں' ایسی بھابی کے خواب ہم نے بھی دیکھے ہیں جو زیبا بختیار جیسی حسین ترین ہو' چاہے بھائی شکل کا جیسا بھی ہے میرے لیے تو چاند جیسا ہے میری دوستیں حسین بھابی دیکھ کے جل بھن جائیں۔ یہ نہیں کہ وہ لوگ اسی بات کو ڈسکس کرتی رہیں کہ ثمینہ کو ایک بچی کی ماں ہی ملی تھی بھابی بنانے کو' کوئی اگر یہ کہے کہ ثمینہ نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور کیا کیا۔" ثمینہ کے دل و دماغ میں کھچڑی سی پک رہی تھی۔

"یا اللہ میری مدد فرما' نادیہ ہاں مجھے نادیہ سے ہی بات کرنی چاہیے۔ مجھے یقین ہے اس نے بھائی کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے اللہ پاک مجھے معاف کردینا' اس میں نادیہ کا کوئی قصور نہیں وہ تو خود ایک مجبور بے بس لڑکی ہے یا پھر ماں اور بہن کا ظرف اتنا بڑا کردے کہ وہ اللہ کی مصلحت اور آزمائش سے گزری ہوئی لڑکی کو اپنے کنوارے بیٹے یا بھائی کے لیے پسند کرلیں۔" اپنے بستر پر لیٹی ثمینہ خیالوں کی دنیا میں منصوبے بناتی ہوئی نجانے کب سوگئی' بے چین نیند کے خواب بھی الجھے الجھے سے تھے کہ ماں کی ایک ہی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دماغ گویا ساری رات سے ہی جاگ رہا تھا' آنکھیں مندی ہوئی پلکیں بوجھل' ایسی عجیب کیفیت میں صبح ہوئی تھی کہ سب کچھ بھول کر دوبارہ سونے کو دل چاہ رہا تھا لیکن ناپسندیدہ خواب سے خائف ہوکر وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ ساجدہ حسب معمول کچن میں اپنی مصروفیت کا آغاز کرچکی تھیں۔

"اماں چائے بن گئی' سر میں بہت درد ہورہا ہے۔" ثمینہ بوجھل سی آواز میں کہتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"خیر تو ہے' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری رات کو ٹھنڈ میں کھڑے رہے تھے موسم بدل رہا ہے' بڑے کو بھی دیکھوں جاکر۔" ساجدہ ثمینہ کی پیشانی چھونے کے بعد تفکر بھرے لہجے میں کہتے ہوئے بیٹے کے لیے پریشان ہوتی کچن سے نکلنے لگیں۔

"بھیا ٹھیک ہی ہوگا اماں' پہلے مجھے تو چائے دیں۔ اونہہ بیٹے کی فکر ہے جیسے صرف اپنی پسند کی فکر ہے۔" تیز آواز میں کہہ کر ثمینہ نے دل ہی دل میں غصے سے سوچا۔

"تم کیوں ننھی بچی بن رہی ہو' اٹھ کے چائے نکالو اور باپ کے لیے ناشتا بھی بناؤ میں کاشی کو دیکھ کر آرہی ہوں۔" ساجدہ اسے ڈانٹ بھرا حکم دے کر کچن سے نکل گئی۔

"یہ مشرقی مائیں بھی ناں' بیٹے اپنے مطلب کے لیے خود غرض ہوجائیں گے لیکن ماں ان کی پوجا کرتی رہے گی۔ ابھی بتادوں ناں بیٹے کے ارادے تو سارے لاڈ دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اونہہ آج نادیہ سے ملاقات تو پکی ہے۔" ثمینہ بڑبڑاتے ہوئے کام میں لگ گئی' کاشف سے کبیدہ خاطر ہورہی تھی۔ کاشف

اوندھے منہ نیند میں دھت پڑا تھا' ماں نے قریب جا کر بال سنوارے بخار چیک کیا' کھیس اوڑھایا۔ ہاتھ کے لمس سے ہی بیٹے کی طبیعت ٹھیک ہونے کا احساس کیا اور مطمئن ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی' ثمینہ نے منہ پھلائے ہوئے ناشتا تیار کیا اور باپ کو اطلاع کرنے چلی گئی۔

"تم نے ناشتا کرلیا۔" ساجدہ نے محبت سے پوچھا۔

"مجھے بھوک نہیں بس چائے پی ہے۔" ثمینہ نے بکھری چیزیں ٹھکانے پر رکھتے ہوئے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

"کیوں بیٹے' بھوک کیوں نہیں۔" ظہیر کو پریشانی ہوئی۔

"ویسے ہی ابا' اماں کو تو بس اپنے بیٹے کی فکر ہے۔" ثمینہ نے ناراض لہجے میں کہا۔

"ہاں بھئی کہاں ہے تمہارا لاڈلہ' کام کے وقت بھی سوتا ہے اور......" ظہیر نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"ابھی صرف آٹھ بجے ہیں اٹھ جائے گا کل میرے بچے نے کتنا کام کروایا تھا۔" ساجدہ کو بیٹے کے لیے باپ کا انداز پسند نہ آیا۔

"تو اور کون کرے گا میری مدد اس کے دوست۔ ظاہر ہے اکلوتی اولاد ہے اسی سے امیدیں ہیں۔" ظہیر نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

"کاش آپ کا اکلوتا بیٹا آپ کی امید پر پورا اترے ابا!" ثمینہ نے ہمدردی سے باپ کے سفید بالوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"ان شاء اللہ ضرور پوری کرے گا ہمارے سارے ارمان' میرا تو دل چاہتا ہے صغریٰ سے شادی کی بات کر ہی ڈالوں تاکہ کاشف کے سر پر سہرا دیکھنے کا خواب بھی پورا ہوجائے۔" ساجدہ کا اچانک ہی موڈ بدل گیا' خوش دلی سے بولیں۔

"آفرین ہے تم ماؤں پر بھی بیٹا نکما ہے اور اسی کی شادی کے خواب دیکھنے لگی ہو۔" ظہیر نے مذاق اڑایا۔

"خیر سے میرے بچے کی عمر پچیس سال ہوگئی ہے اب میرا حق بنتا ہے نوکری کی اسے ضرورت نہیں۔ بس میں اب کسی کی نہیں سننے والی۔ صغریٰ کئی بار اشاروں میں کہہ چکی ہے انیس کی تو عالیہ بھی ہوچکی ہے۔" ساجدہ نے گویا حتمی لہجے میں اعلان کردیا اور ثمینہ تصور میں اپنے گھر میں ہونے والی جنگ کا منظر دیکھنے لگی۔

"ابھی ایسا غضب نہ کرنا' وہ پہلے ہی شہزادہ بنا رہتا ہے شادی کا سن کر بالکل ہی کام سے جائے گا۔ ثمینہ بیٹے میں دکان پر جا رہا ہوں بھائی کو جلدی بھیج دینا۔" ظہیر حکم دے کر یہ جا وہ جا۔

"ابھی اٹھاتی ہوں جا کر۔" ثمینہ فوراً ہی جانے لگی۔

"ٹھہر ثمینہ! سونے دے ذرا بھائی کو جا میری بچی تو اپنا کام کر۔" ساجدہ نے اسے روکتے ہوئے بڑے دلار سے کہا۔

"ظاہر ہے میں تو اپنا کام کروں گی ہی پر آپ اس کام چور بھائی کو بھی تو کہیں ابا کی مدد کرے جا کر۔ آپ کا لاڈ پیار اس کو بگاڑ رہا ہے۔" ثمینہ جل کر بولی۔

"ہیں ہیں...... کیا بھائی سے لڑائی ہے کیسے منہ بھر کر اس کے خلاف بول رہی ہے' دفع ہو یہاں سے۔" ساجدہ کا پارہ ہائی ہوگیا۔

ثمینہ کو کاشف پر اتنا غصہ تھا کہ دل چاہا ابھی اس کا پول کھول دے پھر بدمزگی کے خیال سے پاؤں پٹختی چلی گئی۔

تقریباً بارہ بجے کے قریب کاشف کی آنکھ کھلی' بڑے مزے کا خواب دیکھا تھا حسب مطلب دیکھے ہوئے خواب کو اچھا شگون سمجھتے ہوئے چھلانگ مار کر بستر سے اترا۔

"ارے باپ رے۔" ثمینہ کو برآمدے میں جھاڑو لگاتے دیکھ کر گزشتہ رات اور بات یاد کرکے بدمزہ سا ہوگیا۔ ثمینہ کا منہ بنا ہوا تھا مجال ہے کاشف کے ساتھ آنکھیں چار کی ہوں۔

"لگتا ہے لمبا پھڈا انتظار میں ہے۔" باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے بیزاری سے سوچا۔

"اماں ناشتا......" تولیے سے بال خشک کرتا ہوا سیدھا کچن میں گھسا۔

"ماں صدقے! بیٹھ ادھر سب تیار ہے۔" ساجدہ نے جھٹ پٹ چولہا جلایا چند لمحوں میں گرما گرم پراٹھے' انڈے اور بھاپ اڑاتا چائے کا کپ تیار کیا۔

"جیو پیاری اماں! ورنہ ثمینہ کا تو آج مجھے بھوکا مارنے کا پروگرام تھا۔" ثمینہ اندر آئی تو ڈھٹائی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ثمینہ نے متاسف نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں' مائیں تو اولاد کے لیے قربانی دیتی ہیں پر اولاد ہی۔" معنی خیز لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میں بھی اپنی اماں کے لیے ہر قربانی دے سکتا ہوں۔" کاشف نے بغیر سوچے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"میں قربان جاؤں...... سن لیا۔" ساجدہ نے بیٹی کو جتایا۔

"اسے دفع کر بیٹا' میں نے ناں آج تیرے ابا سے عالیہ کے لیے بات کرلی ہے اور جلدی ہی منگنی کی تاریخ بھی رکھ لوں گی۔" بڑی خوشی سے بیٹے کو اطلاع دی گویا وہ عالیہ سے شادی کے لیے مرا جا رہا تھا۔

"کیا......" منہ تک جاتا نوالہ وہاں ہی رہ گیا۔ ثمینہ کو ہنسی آگئی۔

"اب آئے گا مزہ۔"

"شش...... شادی...... اور عالیہ......" کاشف نے ترچھی نظروں سے ثمینہ کو دیکھا کہ کہیں یہ پٹی اس کی پڑھائی ہوئی تو نہیں۔ اس نے سمجھ کر کندھے اچکائے اور دوسری طرف دیکھنے لگی' اب تو وہ دل سے ماں کی حامی تھی۔

"اماں آپ کو اچانک میری شادی کا خیال کیسے آگیا؟" کاشف کی دلچسپی ناشتے میں ختم ہوگئی' دل ہی دل میں ثمینہ پر غصہ آ رہا تھا کہ یقیناً اسی نے لگائی بجھائی کی ہوگی۔

"اچانک کیسے بیٹا! میرا تو برسوں کا ارمان ہے لڑکی بھی گھر کی ہے۔" ساجدہ اس کی کیفیت سے بے خبر منصوبے بنا رہی تھیں۔

"پر ابھی مجھے کچھ پڑھائی اور کمائی تو کرلینے دیں۔" کاشف نے بمشکل لہجے کو بگڑنے سے روکا۔

"سب ہوجائے گا ابھی فی الحال منگنی کردیں گے سال بعد شادی طے' ارے ثمینہ تُو بھی تو کچھ بول' بہنوں کے تو ڈھیر سارے ارمان ہوتے ہیں۔" ساجدہ نے خاموش بیٹھی بیٹی کو بھی گفتگو میں شریک کرنا چاہا۔

"بے شک اماں! ماں اور بہنوں کے بہت ارمان ہوتے ہیں جو کوئی بھی بیٹا یا بھائی پورے کرتا ہے۔" ثمینہ نے تیکھی نظروں سے کاشف کو دیکھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تیرا' میں صبح سے دیکھ رہی ہوں تیرے انداز کو بات کیا ہے' ایسا کیا جھگڑا ہوگیا بھائی کے ساتھ۔" ساجدہ نے اب سنجیدہ ہو کر ثمینہ کو بغور دیکھا' کاشف گھبرا سا گیا۔

"ہوسکتا ہے اماں یہ چاہتی ہو کہ پہلے اس کی شادی ہو۔" ثمینہ کو تنبیہی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بات کو گھمایا۔

"جی نہیں' مجھے کوئی شوق نہیں شادی وادی کا۔" ثمینہ نے جل کر کہا۔

"ان شاء اللہ اس کی باری بھی آجائے گی بیٹا! شادی شوق اور ضرورت دونوں ہی کا نام ہے۔ پر پہلے

میرے بیٹے کے سر پر سہرا سجے گا اس کے بعد ثمینہ رخصت ہوگی۔" ساجدہ کا فیصلہ بیٹے کو تو ہضم نہ ہوا البتہ ثمینہ خوش ہوگئی۔

"بالکل ٹھیک اماں! بہت مزہ آئے گا آپا لوگ بھی آئیں گی اور میں اپنی ساری سہیلیوں کو بلاؤں گی۔" ثمینہ نے اچانک ہی جوش میں آتے ہوئے کاشف کو جتا جتا کے پروگرام بنایا۔

"تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا۔" کاشف ثمینہ کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا اور چائے ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔

"ہائے ہائے گرم چائے اندر سب کچھ جل گیا ہوگا۔" ثمینہ کا ذومعنی جملہ کاشف کا پارہ چڑھانے کے لیے کافی تھا۔ ماں کی وجہ سے اس کی بچت ہوگئی اور وہ پاؤں پٹختا ہوا باہر نکلا۔

"اسے کیا ہوا؟"

"شرما گیا ہوگا۔" ماں اور بہن کے جملے کانوں میں پڑے ایک بار تو دل چاہا کہ ثمینہ کی گردن دبوچ لے مگر وہ اپنی یہ خواہش پوری نہ کرسکا اور جلتا بھنتا گھر سے باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁

نادیہ دوپہر کا کھانا پکا کر اپنی ڈیڑھ سالہ بچی کو سلانے کے لیے اپنے کوارٹر میں چلی آئی۔

ماں کی موت کے بعد گویا زندگی سے دلچسپی ہی ختم ہوگئی تھی صدیقی صاحب اور بیگم صاحبہ کی مہربانی تھی جو اسے اپنے گھر میں ایک فرد کی حیثیت سے رکھا ہوا تھا۔ ان کی اکلوتی بیٹی بھی اسے اپنی بہن کی طرح ہی سمجھتی تھی۔ نادیہ یہاں بہت خوش اور مطمئن تھی، ساری فیملی کے لیے دل سے دعائیں ہی نکلتی تھیں، پُرسکون زندگی میں ہلچل اسی وقت ہوتی جب اس کے لیے کوئی رشتہ آتا۔ اردگرد رہنے والی ماسیوں کو اپنے کسی نہ کسی رشتہ دار رنڈوے یا طلاق یافتہ کئی کئی بچوں کے باپ کے لیے دوسری بیوی کی ضرورت پڑتی تو سب کی نظر کم عمر اور خوب صورت نادیہ پر پڑتی لیکن فریال باجی ہر بار اس کی ڈھال بن جاتیں۔

اس کا مرحوم شوہر بھی اس سے کئی سال بڑا تھا اور بیمار بھی۔ تین سال میں وہ شادی سے اتنا اوبھ چکی تھی کہ دوبارہ شادی کے تصور سے ہی ہل جاتی اگر ننھی عائشہ کا وجود نہ ہوتا تو نجانے ماں کے بغیر زندگی کیسے گزرتی۔ اکثر تنہائی میں وہ ایسی ہی باتیں سوچا کرتی۔

"تمہیں اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کچھ تو سوچنا ہوگا بچی! بھری جوانی بیٹی کا ساتھ کیسے بغیر سہارے کے پہاڑ جیسی جوانی گزرے گی۔" ماں کی سہیلی ماسی زبیدہ اس کے لیے بڑی متفکر رہتی۔

"میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا۔" نادیہ، عائشہ کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی بڑبڑائی۔ آج کے حالات اور پریشان زندگی دیکھتی اپنے طبقے کی عورتوں کو کسی کو دکھی اور کسی کو سکھ میں دیکھتی تو بےچینی بڑھ جاتی۔

"یااللہ میری مدد فرما۔" ظہر کی نماز پڑھ کر ایک ہی جملے کی تکرار کرتی رہی۔ شاید اللہ تعالیٰ کی قربت کا سکون تھا کہ آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں مگر اپنی نیند سونا اور اپنی مرضی سے اٹھنا وہ ایسی عیاشی کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔

صاحب اور بیگم صاحبہ کو کھانے کے فوراً بعد چائے کی عادت تھی ناچار بکھرے خیالات اور وجود کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ لان سے گزر کر اندرونی بنگلے کی طرف جانا پڑتا تھا جمیلہ کو جھاڑو لگاتے دیکھ کر پل بھر کو اس کے پاس رک گئی۔

"کیسی ہو جمیلہ! بڑی چپ چپ لگ رہی ہو بچے تو ٹھیک ہیں۔" ہمدردی سے پوچھا۔

"غریب نے کہاں ٹھیک ہونا ہے باجی! جس دن

پیٹ بھر کے کھا لو وہی دن اچھا۔" جمیلہ جھاڑو چھوڑ کر گھاس پر بیٹھ کر یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔

"کیوں..... کیا ہوا؟ تمہارا دوسرا شوہر بھی مارتا ہے۔" نادیہ کا لہجہ تجسس لیے ہوئے تھا۔

"مارتا کیا ہے، جی کچھ کما کے نہیں لاتا، کبھی دیہاڑی لگ گئی تو کئی کئی دن بستر پر گزار دیتا ہے۔" جمیلہ کے لہجے میں شوہر کے لیے بیزاری تھی۔

"پہلے شوہر سے دو بیٹیاں تھیں ناں اب کتنی بڑی ہوگئیں؟" نادیہ سب کچھ بھلا کر جمیلہ کے پاس ہی بیٹھ کر تفصیل جاننے لگی دل کے اندر کھد بدی ہو رہی تھی۔

"آہ ہائے...... کیا بتاؤں باجی؟" جمیلہ کے سانولے چہرے پر دکھ کی لہر صاف نظر آرہی تھی۔

"کیوں...... کیا ہوا؟" نادیہ کا دل دھڑکا۔

"بڑی والی تو جی سولویں سال میں ہے سب لوگ کہتے ہیں بڑی سوہنی ہے بالکل ریکھا کی طرح لگتی ہے میرے پر ہی ہے۔" جمیلہ نے شرما کر بتایا، نادیہ خفیف سا مسکرائی۔

"پھر تم پریشان کیوں ہو اچھی شکل ہے جلدی شادی ہوجائے گی۔" نادیہ نے تسلی دی۔

"وہ تو جی، جب میرا شوہر نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتا ہے تو......" جمیلہ یکایک خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"تو کیا کرتا ہے وہ...... بتاؤ جمیلہ۔" نادیہ کے دل کو کچھ ہونے لگا خوف سے جھرجھری سی آگئی۔

"میں کچھ کرنے دوں گی، جان نہ نکال دوں گی اس کی۔" جمیلہ کی آنکھوں میں جنونی کیفیت اتر آئی۔

"پھر...... تم پریشان کیوں ہوتی ہو، کیا وہ اس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتا ہے۔"

"میں جی چھپ چھپ کے اس پر نظر رکھتی ہوں جب بھی روزینہ کوئی اچھے کپڑے پہنتی ہے تو اسے بڑے غور غور سے دیکھتا ہے اس کی نظریں میری بیٹی کا پیچھا کرتی ہیں، میرا دل خون کے آنسو روتا ہے جی پر اب میں جلد ہی اس کی شادی کردوں گی ایک لڑکا ہے میری نظر میں، چھوٹی کی بھی جلدی ہی کروں گی رب سوہنا مدد کرے گا جی اپنی بیٹیوں کو سوتیلے باپ سے بچا کے رکھوں گی۔" جمیلہ پرعزم لہجے میں کہتی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی پھر سے اپنے کام میں لگ گئی۔ نادیہ کو اپنا وجود پتھر کی طرح بھاری لگنے لگا۔

دوسرے لوگوں کے لیے رشتے جوڑنا کتنا آسان ہے، باپ مرجائے تو کم عمر لڑکی کو بھی سہارے کے لیے دوسرے مرد کی بیوی بنا دیا جاتا ہے بیوی کو شوہر مل گیا اور بچوں کا باپ کہاں گیا، بچوں کی زندگی سے تو باپ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا ہے۔ نادیہ کا دل چاہا چیخ چیخ کر سب کو بتادے، سوتیلے رشتے جھوٹے ہی رہتے ہیں اتنا بڑا ظرف نہ کسی مرد کا ہے اور نہ ہی عورت کا۔ بس بچوں کو بلیک میل نہ کیا جائے کہ ان کے لیے نئی ماں آرہی ہے یا نیا باپ آرہا ہے، جھوٹ ہے سب جھوٹ ہے۔

"نادیہ......" وہ جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے خود سے جنگ لڑ رہی تھی۔ شانے پر پڑنے والے ہاتھ کے دباؤ سے چونک گئی۔ دھندلی آنکھوں کے سامنے ثمینہ کو کھڑے دیکھ کر حیرت سے کھڑی ہوگئی۔

"کہاں گم ہو، اتنی مشکل سے تمہارا گھر ملا ہے صرف نمبر یاد رہ گیا تھا۔" ثمینہ خوش دلی سے کہتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

"میرا گھر......" نادیہ غائب دماغی سے بڑبڑائی۔

"تم کسی بات سے پریشان ہو نادیہ، خیر تو ہے۔" ثمینہ اس کی حالت سے الجھ کر بولی۔

"اوہ معاف کرنا، سر میں درد تھا اس لیے۔ تم نے بہت اچھا کیا آگئیں، مجھے کسی ہمدردی کی بہت ضرورت تھی تم میرے کمرے میں چلو میں ذرا بیگم صاحبہ کے لیے چائے بنا کر ابھی آتی ہوں۔ عائشہ اندر سو رہی ہے بس

میں ابھی آئی۔" نادیہ نے اسے مزید سوال کرنے کا موقع دیئے بغیر روانی سے کہا اور ثمینہ کو اپنے کمرے کے آگے چھوڑ کر پلٹ گئی۔

ثمینہ جھجکتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی' ٹھیک ٹھاک کمرہ تھا۔ اٹیچ باتھ روم کے ساتھ' سادہ سا سامان ایک سائیڈ پر پرانا صوفہ پڑا تھا الماری' میز ضرورت کی ہر چیز موجود تھا۔ بیڈ پر بہت پیاری سی بچی سو رہی تھی' ثمینہ بے اختیار اس کے قریب بیٹھ گئی اور بغور بچی کو دیکھنے لگی۔ دل کے اندر ہمدردی کی لہریں اٹھنے لگیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس بچی کا سرپرست بننے دے گی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور مناسب الفاظ کو ترتیب دینے لگی۔ نجانے کتنا وقت بیت گیا تھا ثمینہ نے اماں سے جلد واپسی کا کہہ کر اجازت لی تھی' اس سے پہلے کہ اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا نادیہ چائے کی ٹرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔

"ادھر ہی آجاؤ۔" آہستہ آواز میں کہہ کر ٹرے میز پر رکھ دی' ثمینہ صوفے پر اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"یہ تکلف کیوں کیا تم نے۔" ثمینہ نے چائے کے ساتھ کیک بسکٹ دیکھ کر شرمندگی سے کہا کہ وہ بے چاری کون سا اس گھر کی مالک تھی۔

"فریال باجی نے خود کہا تھا کہ پہلی بار تمہاری دوست آئی ہے اس کی خاطر داری کرو۔" نادیہ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اور سناؤ زندگی کیسی گزر رہی ہے' تم تو جیسے کہیں گم ہو گئی تھیں بہت یاد کرتی تھی میں تمہیں۔" ثمینہ نے خلوص دل سے پوچھا۔

"میری سابقہ زندگی اتنی رنگین نہیں تھی ثمینہ! دہرانے کو دل نہیں چاہتا۔" نادیہ آزردگی بھرے لہجے میں بولی۔

"چلو ماضی کو دفعہ کرو' آئندہ کیا ارادہ ہے۔" ثمینہ نے اپنی دلچسپی کا موضوع چھیڑا۔

"کچھ بھی نہیں' جیسے میری ماں مجھے اس گھر میں لائی تھی یہیں مجھے عزت کے ساتھ پالا حسب توفیق پڑھایا' میری شادی کر کے اتنی مطمئن ہوئی کہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔" نادیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا' ثمینہ کا دل دکھی ہو گیا۔

"اکیلے...... میرا مطلب ہے کسی مرد کے سہارے کے بغیر تم کیسے......؟" ثمینہ کی آواز لڑکھڑا سی گئی۔

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ دوسرا مرد میرا اور میری بچی کا سہارا بنے گا' ہماری کلاس میں ثمینہ شادی کے بعد صرف عورت کماتی ہے اور شوہر نشہ کرتا ہے' میں اب دوبارہ اس جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔" نادیہ نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔

"اور اگر کوئی تمہیں پسند کرتا ہو تو؟" ثمینہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"کیوں افسانوی باتیں کرتی ہو ثمینہ! چائے پیو۔ اتنا بڑا دل کسی کا نہیں۔" نادیہ نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔

"تم سوچو تو سہی' ایک کنوارہ جوان لڑکا تمہیں اور تمہاری بیٹے کو اپنانے کو تیار ہو تو پھر......" ثمینہ نے اپنی بات پر اصرار کیا۔

"تو پھر کیا' مجھے تو شوہر مل جائے گا لیکن میری بچی کو باپ نہیں ملے گا آخر تم کس وجہ سے آتے ہی یہ ٹاپک چھیڑ کر بیٹھ گئی ہو کیوں تم دوست ہو کر بھی میرے زخموں کو کرید رہی ہو۔ میرے لیے مرہم کے بجائے نمک پاشی کا کام کر رہی ہو' میں تو خوش ہو گئی تھی کہ مجھے جینے کے لیے وجہ مل گئی ہے مگر تم تو گویا مجھے دکھی کرنے کا تہیہ کر کے آئی ہو۔" نادیہ زچ ہو کر رو پڑی' پل بھر کے لیے ثمینہ کا دل چاہا اس کی خاطر کاشف کی ڈھال بن جائے مگر اس کا ظرف نجانے کب اس کو پستی میں گرا دیتا اس بات کا یقین تھا اسے۔

"مجھے معاف کر دو نادیہ! میں ایسی باتیں کرنے پر

مجبور ہوں۔" ثمینہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیسی مجبوری؟" نادیہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "تم نے تو اپنے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں خیر تو ہے ناں۔" ثمینہ کا ہاتھ خلوص سے دباتے ہوئے محبت سے پوچھا' ثمینہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"پہلے چائے تو پی لیں۔" نادیہ نے مسکراتے ہوئے کپوں میں چائے ڈالی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ مارکیٹ میں ہماری مرغی کی دکان ہے' ابا اور بھائی دیکھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کافی اچھا گزارہ ہو جاتا ہے۔" ثمینہ نے تمہید باندھی۔

"کاش میرے پاس بھی یہ دونوں نعمتیں ہوتیں۔" نادیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کاشف' میرے بھائی کا نام ہے اسے ایک لڑکی پسند آ گئی ہے۔" ثمینہ پل بھر کو رکی' نادیہ کو بغور دیکھا۔ جو دلکش چہرے پر تجسس لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں سمجھ گئی' تم لوگوں کو اس بات سے اختلاف ہوگا کیونکہ عموماً ماں اور بہنوں کو اس بات پر اعتراض ہوتا ہے کہ بھائی یا بیٹا اپنی پسند سے شادی کرے لیکن ماں بہنیں بھی تو غلط نہیں ہوتیں ان کے بھی تو ہزاروں ارمان اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔" نادیہ' ثمینہ کے ہاتھ دباتے ہوئے خلوص بھرے لہجے میں دھیرے دھیرے گویا ہر ماں اور بہن کے جذبات کی ترجمانی کرتی چلی گئی۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے۔" ثمینہ نے توصیفی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر آگے بتاؤ ناں یقیناً تم لوگوں نے خاندان میں ہی کوئی لڑکی پسند کر رکھی ہوگی۔" نادیہ کے اتنے درست بتانے پر ثمینہ حیران ہی تو رہ گئی۔

"نادیہ تم اتنی ذہین تھیں پڑھائی کیوں چھوڑ دی؟ ضائع کر دیا خود کو۔" ثمینہ نے ہمدردی سے نادیہ کو دیکھا۔

"کوئی بات نہیں' ذہانت ابھی بھی دماغ میں ہی ہے اب میں پرائیوٹ تعلیم کا سلسلہ شروع کر چکی ہوں' ان شاء اللہ اپنی بیٹی کو اچھے سے اچھا ماحول فراہم کروں گی ہر جگہ پر۔" نادیہ نے مضبوط لہجے میں اپنے عزم کا اظہار کیا۔

"اور شادی......" ثمینہ نے اسے ستائشی نظروں سے سراہتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو میرا ایسا کوئی پروگرام نہیں۔" نادیہ کے ذہن میں جمیلہ کی باتیں گونج گئیں' ایسے ناپائیدار رشتے کا کیا اعتبار۔

"لیکن میرا بھائی......" ثمینہ رک گئی۔

"تمہارا بھائی ہماری باتوں میں کیوں آجاتا ہے۔" نادیہ نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"تم نے دیکھا ہے میرے بھائی کو؟" ثمینہ نے پھر سوال داغا۔

"میں بھلا کیسے اسے دیکھ سکتی ہوں۔" نادیہ نے برا مان کر کہا۔

"کمال ہے اتنی بار ہماری دکان سے مرغی لی اور تم نے کبھی دکاندار کو ہی نہیں دیکھا۔" جواباً ثمینہ بھی برا مان گئی۔

"یار ثمینہ کمال تو تم بھی کر رہی ہو' میں مرغی لینے جاتی تھی دکاندار کو دیکھنے نہیں اگر دیکھا بھی ہوگا تو یاد نہیں لیکن آخر تم مجھے اپنے بھائی کے ساتھ نتھی کیوں کر رہی ہو۔ میرا اس کے ساتھ کیا واسطہ۔" نادیہ ناگواری سے بولتی چلی گئی۔

"واہ بھیا جی تم نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور نادیہ تمہیں جانتی تک نہیں۔" ثمینہ گہری سانس بھرتے ہوئے تاسف سے سوچ کر رہ گئی۔

"بتاؤ ناں ثمینہ! تمہارے بھائی کا کیا ذکر ہے کیا

پریشانی ہے تمہیں۔" نادیہ نے اسے جھنجوڑ کر بے چینی سے پوچھا ان کی آوازوں سے بچی کسمسانے لگی تھی۔

"میرا بھائی تمہیں پسند کرتا ہے نادیہ! اس حد تک کہ شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔" ثمینہ نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

"کیا......؟" نادیہ کی حیرت انگیز 'کیا' کافی لمبی تھی۔

"ہاں...... ہمارے گھر میں ابھی تک کسی کو یہ بات نہیں معلوم سوائے میرے جبکہ اماں نے میری خالہ کی بیٹی اس کے لیے فائنل کردی ہے بلکہ آج کل میں رشتہ پکا کرنے والی ہیں لیکن بھائی نے جب سے تمہیں دیکھا ہے اس بات کی بھی پروا نہیں کہ تم ایک بیٹی کی ماں ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیسے بات سنبھالوں کیونکہ فی الحال اسے کوئی بھی دلیل نہ تو سمجھ آئے گی اور ناں وہ کسی نصیحت کو اہمیت دے گا۔ باقی تم خود سمجھ دار ہو مزید کیا کہوں۔" ثمینہ نے نادیہ سے نظریں چراتے ہوئے دھیرے دھیرے سب کہہ دیا۔ نادیہ دانت پر دانت جمائے گویا گونگی ہوکر بیٹھی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی کبھی افسانوی موڑ بدلے گی لیکن وہ کبھی بھی اس وقتی جذباتیت کے ہاتھوں اپنی زندگی برباد نہیں ہونے دے گی۔ کاشف کی کم عمر جوانی کا ابال جتنی جلدی چڑھے گا اتنی ہی تیزی سے بہہ کر ٹھنڈا بھی ہوجائے گا اور پھر پچھتاوے کی آگ میں اسے اور اس کی بیٹی کو جھلسا دے گا وہ وقت سے پہلے اپنی بیٹی کا مستقبل داؤ پر نہیں لگنے دے گی پسند بھی وہ جو یکطرفہ ہے۔ ثمینہ دھڑکتے دل سے اس کے سوچوں میں ڈوبے چہرے کو تکے جارہی تھی۔

"اگر نادیہ نے حامی بھرلی تو کیا ہوگا ابھی تو طوفان سے پہلے ہی حفاظتی بند باندھے جاسکتے ہیں لیکن اگر نادیہ نے بھی اس آفر کو غنیمت سمجھا اور کاشف کے سہارے کو قبول کرلیا تو اللہ نہ کرے۔" ثمینہ خود غرض بنی اپنے ہی بارے میں سوچ رہی تھی۔

کمرے کی فضا میں خاموشی کا راج تھا' دونوں اپنے بارے میں ہی سوچ رہی تھیں' اسی گمبھیر سکوت کو عائشہ کی روتی آواز نے توڑا اور نادیہ نے تڑپ کر اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ بچی ماں کا تحفظ ملتے ہی دوبارہ غافل ہوگئی۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔" ثمینہ نے عائشہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"اپنے بھائی سے کہنا میری بچی کے سر سے باپ تو اللہ کی رضا سے چھن گیا لیکن میں جیتے جی عائشہ سے اس کی ماں نہیں چھین سکتی اگر ہوسکے تو جلد از جلد اس کی شادی کروادو۔" نادیہ نے عائشہ کو دوبارہ بستر پر لٹاتے ہوئے سنجیدگی سے اپنا فیصلہ سنایا تو ثمینہ نے سکون کی سانس بھرتے ہوئے ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن......" وہ کچھ کہتے کہتے جھجک گئی۔

"بے فکر رہو...... اب نادیہ اسے صرف آخری بار ہی نظر آئے گی۔ کیا اب ہم بھی آخری بار مل رہے ہیں۔" نادیہ نے آخر میں آزردگی سے پوچھا۔

"ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا تھوڑا سا وقفہ ضرور آئے گا لیکن اب یہ تعلق نہیں ٹوٹے گا۔" ثمینہ نے گرم جوشی سے کہتے ہوئے نادیہ کو گلے لگالیا۔

"تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو گھر آئی نعمت کبھی نہ ٹھکراتی۔" ثمینہ نے خفیف سا ہوتے ہوئے کہا' عجیب سی کیفیت ہورہی تھی۔

"نصیب کی بات ہوتی ہے ثمینہ! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ میں وہ لڑکی نہیں بن سکی جو کسی بھی ماں یا بہن کے لیے ناپسندیدگی کا باعث بنتی ہے' اللہ کرے تم لوگ اسی لڑکی کو کاشف کی دلہن بناؤ جسے چاہتی ہو۔" نادیہ نے مسکراتے ہوئے دعا دی۔

"آمین...... لیکن میرا دل تمہارے لیے بھی دکھ رہا

ہے برامت ماننا کہ میں نے تمہاری سائیڈ نہیں لی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ کاشف جذباتی ہورہا ہے جیسے ہی عملی زندگی میں آیا وہ اتنی بڑی ذمہ داری نہیں نبھاسکے گا بعد کے لڑائی جھگڑوں سے بہتر ہے کہ وہ ایک بار ہی ٹھوکر کھاکے سنبھل جائے۔" ثمینہ نے نادیہ کے ہاتھ دباتے ہوئے حقیقت کا اعتراف کیا۔

"مجھے تم سے بھلا گلہ کیوں ہوگا' اگر میں اپنی بھلائی کے بارے میں سوچ رہی ہوں تو یہ حق تمہیں بھی ہے میں تو ابھی اپنے آپ کو شادی کے لیے تیار ہی نہیں پارہی۔ ہاں اگر کبھی زندگی میں پاؤں ڈگمگائے تو کسی ایسے شخص کا انتخاب کروں گی جو ہر لحاظ سے مضبوط ہو بلکہ جو معاشی لحاظ سے زیادہ مضبوط ہو۔ تم بھی میری اس بات کا برانہ منانا۔" نادیہ نے بھی رسانیت سے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"اپنا خیال رکھنا۔" ثمینہ نے اس کی بیٹی کی پیشانی چوم کر نرمی سے کہا اور نادیہ کو دل ہی دل میں سراہتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ شام ڈھلے اس نے ڈرتے ڈرتے گھر میں قدم رکھا' سامنے ہی برآمدے میں صغریٰ خالہ اور عالیہ پر نظر پڑی۔

"آگئی ثمینہ!" عالیہ بھاگ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"آج تو جان بچادی تیری۔" ثمینہ نے خوش دلی سے کہا۔

"کہاں سے آرہی ہو' دوست سے ہی ملنے گئی تھیں ناں۔" عالیہ نے شرارت سے پوچھا۔

"ہاں' بہت خاص دوست تھی۔" ثمینہ کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔

"کب بنی۔" عالیہ نے تجسس سے پوچھا۔

"تھوڑی سی پرانی ہے' بہت اچھی لڑکی ہے۔" ثمینہ نے تو رواداری میں کہا' عالیہ کا منہ اتر گیا۔

"اچھا...... حسین ہے؟" مرے مرے لہجے میں پوچھا۔

"خوب صورت تو واقعی ہے لیکن تم پریشان نہ ہو بیٹی کی ماں بھی ہے۔" ثمینہ نے اس کے بال بگاڑتے ہوئے محبت سے بتایا۔

"اوہ......" عالیہ نے پرسکون سانس کھینچی۔

"چلو آؤ کچن میں کھانے کی تیاری کریں' اتنی دیر میں کاشف بھی باپ کے گھر ساتھ گھر آگیا۔

خالہ اور عالیہ کو دیکھ کر ماتھا ٹھنکا' خطرے کی گھنٹی زور زور سے کانوں میں بجنے لگی۔ ضرور ثمینہ ہی نے بلایا ہوگا' پہلا خیال یہی ذہن میں آیا۔ عالیہ اور ثمینہ نے مل کر اندر لاؤنج میں قالین پر دستر خوان بچھا کر کھانا لگایا۔

"ثمینہ ذرا میری بات سننا۔" کاشف نے دروازے میں کھڑے ہوکر بہانے سے بلایا' اس نے ان سنی کردی۔

"میں جاؤں۔" عالیہ نے سالن کا ڈونگہ رکھتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں ہاں...... ضرور جاؤ۔" ثمینہ نے جان بوجھ کر اسے بھیجا۔

"مجھے بتائیں کاشف بھائی کیا کام ہے۔" دوپٹے کے پلو سے کھیلتے ہوئے شرما کر پوچھا۔ کاشف کے ماتھے پر بل پڑ گئے' اچھی خاصی لڑکی سے چڑ ہونے لگی تھی۔

"اماں سے کہہ دو مجھے بھوک نہیں' میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔" کاشف نے ثمینہ کو سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا۔

"ہائے کیوں' آج تو آپ کی پسند کے مٹر والے چاول بنے ہیں' ساتھ میں کباب' مرغی کا سالن۔" بتاتے بتاتے عالیہ کے اپنے منہ میں پانی آئے جارہا تھا۔ بھوک تو کاشف کو بھی ستارہی تھی پر انتقام تو ثمینہ

سے لینا تھا۔

"اچھا تو پھر ثمینہ کے ہاتھ میرے کمرے میں بھجوادو لیکن اماں اور ابا کو پتا نہ چلے اچھی بہن ہو ناں۔" کاشف نے آخر میں اسے چڑانے کے لیے کہا اور فرار ہو گیا' عالیہ منہ بسورنے لگی۔

"تم بے فکر رہو شادی تو یہ تم سے ہی کرے گا۔" ثمینہ نے اسے ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے سمجھایا۔

"کون جانے۔" عالیہ اداس ہو گئی۔

"میں گارنٹی دیتی ہوں تم فکر مت کرو میں ذرا کھانا لے کر جاتی ہوں' تم یہاں سنبھال لینا۔"

"لیجیے سر!" ثمینہ نے گویا ٹرے میز پر پٹخی۔

"فرصت مل گئی' بھائی سے زیادہ کزن پیاری ہے تمہیں۔" کاشف نے دیکھتے ہی طنز کا تیر چھوڑا۔

"مجھ سے سب کچھ تو تم کہہ چکے ہو میں کیا کر سکتی ہوں پہلے نادیہ سے تو بات کرو آیا وہ بھی تمہارے لیے راضی ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ مل کر بات بڑھاؤ پھر میں سوچوں گی کہ تمہارا ساتھ دینا ہے یا نہیں۔" ثمینہ نے بڑی چالاکی سے بات بنائی۔

"بات تو ٹھیک ہے تمہاری۔" سارے شکوے بھلائے کاشف پُرسوچ لہجے میں بولا۔ ثمینہ کو ہنسی چھپانی مشکل ہو رہی تھی۔ خواہ مخواہ بے وقوف بن رہا تھا' خفیف سا افسوس ہوا۔

"ذرا جلدی کرلو کیونکہ اماں اپنی کارروائی بہت تیزی سے آگے بڑھا رہی ہیں پھر ناں کہنا خبر نہ ہوئی۔" ثمینہ نے اسے مزید ڈرایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁

نادیہ کی صبح کا آغاز ایک نئی سوچ کے ساتھ ہوا تھا' ناشتا بنانے اور کرنے کے بعد عائشہ کو تیار کر کے فریال باجی کے پاس آ گئی۔

"لائیے باجی سودے کی لسٹ میں سب لے کر آتی ہوں۔"

"رکو گاڑی پر چلتے ہیں۔" فریال نے چائے کا آخری سپ لیتے ہوئے کہا۔

"ویسے آج تو تم بہت پیاری لگ رہی ہو شکر ہے سفید رنگ کے علاوہ بھی تم نے کوئی دوسرا رنگ پہنا۔ ڈارک پرپل بہت سوٹ کر رہا ہے تم پر میری مانو تو آئندہ ایسے ہی رنگ پہننا' دل و دماغ پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔" فریال اس کا نیا روپ دیکھ کر چونک گئی اور اسے بہت پیار سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں باجی! آج تو آپ مجھے اکیلے ہی جانے دیں۔" نادیہ نے دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب...... معاملہ کیا ہے؟" فریال نے تعجب کا اظہار کیا تب نادیہ نے اس کے برابر بیٹھ کر سارا قصہ بتا دیا۔

"ہائے نادیہ! یہ تو گولڈن چانس ہے ایک کنوارہ عاشق تمہیں اور کیا چاہیے۔ عائشہ کے مستقبل کے لیے بھی مضبوط سہارا مل جائے گا۔" فریال نے پُرجوش لہجے میں اکسایا۔

"فریال باجی! آپ بھی عام لوگوں کی طرح سوچنے لگیں' میں خود غرض نہیں ہوں کہ اپنے فائدہ کے لیے ہی سوچوں۔ وہ ایک کم عمر جذباتی سا نوجوان ہے ابھی تو جوش میں آ کر فیصلہ کرے گا اور بعد اتنی ہی جلدی تھک بھی جائے گا اس کی ماں بہنیں ساری زندگی مجھے کوستی رہیں گی' بددعائیں دیں گی پھر بھلا میں یا میری بیٹی کیسے خوش رہ سکیں گے۔ مجھے ایسا کھوکھلا اور عارضی سہارا نہیں چاہیے آپ پلیز میرا ساتھ دیں اور میری ہمت بنیں۔" نادیہ نے سنجیدگی بھری آزردگی سے کہا۔

"اوکے اوکے' میری بہن ڈونٹ وری میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔" فریال نے متاثر ہو کر نادیہ کا گال تھپتھپایا۔

"آہ...... ہر قدم کیسے اگلے مہینے شادی جو ہو رہی ہے۔" نادیہ نے چھیڑا۔

"ڈیل کرلو ہر جگہ سے تمہاری خبر رکھوں گی۔" فریال نے شرما کے کہا تو نادیہ مسکراتی ہوئی لسٹ لے کر باہر نکل گئی' عائشہ اس کے ساتھ تھی۔

❁......❁......❁
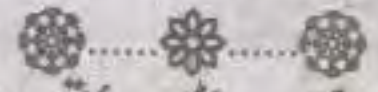
ثمینہ اور عالیہ صبح سے اٹھی ہوئی تھیں' ثمینہ نے حلوہ پوری بنانے کا پروگرام بنایا۔ کچن میں ہر جگہ سامان بکھرا ہوا تھا' پوریاں ہزار کوشش کے باوجود سخت بن رہی تھیں۔ حلوہ ساجدہ نے بنا دیا تھا' سارے گھر میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"میں کاشف بھائی کو اٹھاؤں۔" عالیہ نے ناشتے کے برتن لگانے کے بعد سرگوشی میں پوچھا۔

"کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہو اماں گئی ہیں اٹھانے۔" ثمینہ نے اسے ڈرایا اور آخری پوری کڑاہی میں ڈال دی۔

حلوہ پوری کا سن کر کاشف منہ بنائے بغیر اٹھ گیا۔ آسمانی شلوار قمیص میں اس کا قد اور بھی نمایاں ہو رہا تھا' بال بناتے ہوئے آج کچھ زیادہ ہی غور سے اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ چل رہے ہو یا حسب معمول دیر سے آؤ گے۔" ظہیر نے ناشتے سے فارغ ہو کر خشک لہجے میں پوچھا۔

"ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" خواتین کی محفل سے جان چھڑانے کے لیے جھٹ سے کہا اور اتنی پھرتی دکھائی کہ باپ سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ ہوا میں کافی ٹھنڈک تھی دھوپ اچھی لگنے لگی تھی۔ حسب معمول دکان پر گاہکوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ اک موہوم سی امید کی سہارے کاشف نے کام شروع کر دیا۔

"بھیا جی کپڑے تو بدل لیں خراب ہو جائیں گے۔" چھوٹو نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے میرے کپڑے ہیں۔" کاشف نے اس کے قریب جا کر دانت پیستے ہوئے گھر کا۔

"آج کل بڑی عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو۔" چھوٹے نے مرغی کی کھال اتارتے ہوئے اپنی کھال کی پروانہ کرتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ کاشف چھری کی تیز دھار کو چھوٹو کی گردن پر آزماتا شیشے کے اس پار نظر پڑتے ہی کاشف کی آنکھوں میں حیرت و اشتیاق کی چمک کوند گئی۔ آج اس انوکھے روپ میں تو وہ سچ مچ کی ہیروئن لگ رہی تھی' بے رنگ کپڑوں کی جگہ نئے اور جدید تیز رنگ کے کپڑوں میں تو کاشف پر مزید ستم ڈھا گئی۔ نادیہ عائشہ کی انگلی پکڑے دکان میں داخل ہوئی۔

"خدا کرے آج تھوڑی دیر کے لیے کوئی دوسرا گاہک نہ آئے۔" کاشف نے چپکے سے دعا مانگی' چھوٹو کو پچکار کر لالی پاپ لانے کے لیے دوڑایا۔

"جی...... کیا لیں گی آپ۔" بغور دیکھتے ہوئے گویا اسے چائے ٹھنڈے کی آفر کی۔

"مرغی کی دکان سے مرغی ہی لوں گی' دو مرغیاں کاٹ دیں۔" نادیہ نے اس کے تیور سے انجان بن کر خشک سے لہجے میں کہا۔

"وہ ثمینہ آپ کو بہت یاد کر رہی تھی۔" کاشف نے جھجک کر ابتدا کی۔ نادیہ یوں انجان بن گئی جیسے سنا ہی نہ ہو۔ عائشہ کو گود میں اٹھا کر مرغیاں دکھانے لگی۔ معصوم بچی کی توتلی زبان کاشف کو بھی اچھی لگ رہی تھی بلکہ وہ تو اس کے لیے پہلی سیڑھی کی طرح تھی۔

"یہ لو بے بی!" چھوٹو نے لالی پاپ بچی کے ہاتھ میں دینی چاہی۔

"شکریہ اس کا گلہ خراب ہے۔" نادیہ نے صاف منع

کر دیا' چھوٹو نے کاشف کو دیکھا۔

"یہ گلہ خراب کرنے والی نہیں...... دے دیں۔" کاشف نے جان پہچان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اصرار کیا۔ عائشہ کا ہاتھ لینے کے لیے بڑھ رہا تھا' بچی ہی تو تھی۔

"نہیں عائشہ! ہر کسی سے چیز نہیں لیتے۔" نادیہ نے عائشہ کو زبردستی پیچھے ہٹایا۔

"کیا فرق پڑتا ہے جی' کبھی کبھی تو......" کاشف کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا لیکن نادیہ کے تیور دیکھ کر چپ کر گیا۔

"گوشت بن گیا ہو تو پیسے بتادیں' مجھے دکانداروں سے فری ہونا پسند نہیں۔" نادیہ نے اپنے پروگرام کے مطابق خاصی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔

"لیکن میں تو آپ کی دوست کا بھائی ہوں۔" کاشف نے کچھ جتانے کی کوشش کی۔

"میں یہاں صرف گاہک بن کر آئی ہوں' مہربانی کر کے یہی تعلق رہنے دیں۔" نادیہ نے بھی دوٹوک لفظوں میں اسے جواباً احساس دلانا چاہا اور مزید گاہکوں کے آنے کی وجہ سے کاشف نے جلدی جلدی کارروائی مکمل کی وہ گوشت کا شاپر اور عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر نکل گئی۔ کاشف کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی' اب تو ثمینہ کی ہی منت سماجت کرنے پڑے گی کہ کسی طرح ماں باپ کو منا کر رشتہ لے کے جائے نادیہ کے گھر گو کہ نادیہ کے اطوار ایسے تو نہیں لگ رہے تھے کہ وہ آسانی سے مان جائے گی یہی حال گھر والوں کا ہوگا۔ یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی' سوچوں کی یلغار سے گھبرا کر کاشف نے کام کی رفتار بڑھا دی۔

❀......❀......❀

"بھیا تم اگر اتنے بہادر ہو تو یہ کام خود کر لو ناں۔" ہانڈی بھونتے ہوئے ثمینہ نے سر پر سوار بھائی کو بے رخی سے جواب دیا آج وہ کسی چینل والی ترکیب آزما رہی تھی اور کاشف اس کا دھیان بٹا رہا تھا۔

"تم کس قسم کی بے وفا بہن ہو' تم یہ کام نہیں کرو گی تو کون کرے گا۔" کاشف نے اسے اکسانا چاہا۔

"جی نہیں میں ہر کام نہیں کروں گی' پہلے تم خود ہی نادیہ سے بات کرو وہ مانے گی تو میں اماں سے بات کروں گی' ضرور پکا وعدہ بس اب میری جان چھوڑو۔" ثمینہ نے جان چھڑائی' بہن ہونے کے ناطے دل پسیج جاتا تھا۔

"کیوں نہ اس کی باجی سے بات کروں وہ یقیناً ہماری مدد کریں گی ویسے بھی نادیہ کو اور کیا چاہیے ایک مضبوط سہارا اس کی طرف بڑھ رہا ہے' ایسی لڑکیاں تو موقع ڈھونڈتی ہیں۔" کاشف کی باتوں پر ثمینہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا' اپنے مطلب کے لیے کتنا سیانا ہو گیا تھا۔

بڑی بڑی باتیں ہو رہی تھیں' خودغرض کہیں کا صرف اپنی پسند کی پروا تھی نہ گھر والوں کی اور نہ ہی نادیہ کی پسند کی اگر وہ فریال باجی سے بات کرے گا تو کہیں باجی نادیہ کو منا ہی نہ لیں۔ ثمینہ کو ایک نئے اندیشے نے گھیر لیا۔

"کب بات کرو گے ویسے جو بھی کرنا ہے جلدی کرو' افضل بھائی کی شادی کی تاریخ قریب آ گئی ہے خالہ نے آج سے ڈھولکی رکھی ہے روز ہی جانا ہوگا۔ تمہیں ڈانس کرنے کا موقع مل رہا ہے' بہت مزہ آئے گا' دونوں آپا بھی آئیں گی۔" ثمینہ ایک ہی سانس میں سارا پروگرام بتا گئی۔

"دعا کرو بات بن جائے تو بہانے سے سب ہی خاندان والے اکٹھے ہو رہے ہیں' اسی دوران ہمارے گھر میں بھی رونق ہو جائے گی۔" کاشف نے کھیرا منہ میں رکھتے ہوئے چاپلوسی سے کہا۔

ثمینہ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی' بھائی کی خوشیوں کے لیے دعا گو رہنے والی بہن چاہ کر بھی اس معاملے میں بھائی کو دعا نہ دے سکی۔ آنے والے دنوں میں دونوں آپا کے آجانے سے گھر میں خوب رونق کا اضافہ ہو چکا تھا۔ شادی کی رسموں میں سب ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ آج مہندی تھی شادی کی رسموں میں سب سے خوب صورت رسم' ہرے پیلے چمکیلے کپڑے پہنے سب ہی بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"یہ کاشف کدھر ہے' کافی دنوں سے میں نے اسے ڈھنگ سے نہ دیکھا ہے اور نہ ہی دل بھر کے باتیں ہوئیں۔ ہے کہاں وہ؟ بچوں کا اکلوتا ماموں ہے بچے الگ پوچھ رہے ہیں۔" رضیہ آپا تیز مزاج کے ساتھ تیکھی زبان بھی رکھتی تھیں' شام گہری ہوتی دیکھ کر ثمینہ کے سر ہو گئیں۔

"واقعی رضیہ! یہ بات تو میں نے بھی نوٹ کی ہے کاشف نجانے کن چکروں میں گم ہے' کل دیکھا تھا اتنی ٹھنڈ میں بھی رات کو صحن میں ٹہل رہا تھا۔"

"کیا......؟" ثمینہ چونکی وہ تو بھانجے بھانجیوں کے نرغے میں ایسی پھنسی تھی کہ بھول ہی گئی تھی کہ کاشف نے فریال باجی سے بات کرنا تھی۔ نتیجے کا اسے اندازہ تو ہو چکا تھا بہنوں کی نکتہ چینی پر انہیں سن رہی تھی۔ آخری بات پر دل دھک سے رہ گیا آخر کو اکلوتا لاڈلا بھائی تھا۔ وہ بے وقوف بھولا سا لڑکا ذمہ داریوں کا طوق گلے میں ڈالنا چاہتا تھا۔

"ثمینہ! بتاتی کیوں نہیں آخر ہمارا بھی اس سے تعلق ہے ایک تمہارا ہی بھائی نہیں کیا معاملہ ہے کہیں عشق و شق کے چکر میں تو نہیں پڑ گیا۔" رضیہ آپا کے یقینی قیافے پر ثمینہ گڑبڑا سی گئی۔

سب کے میک اپ کرتے ہاتھ رکے ہوئے تھے' بھائی کی محبت میں پریشان بہنیں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ارے نہیں آپا! ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ہے تو کچھ ایسی ہی بات' کسی چیز میں نہ دلچسپی لے رہا ہے اور نہ کسی بچے کو لفٹ کرا رہا ہے' پوچھ لو اگر کوئی سلسلہ ہے تو اماں سے سفارش کریں۔" عابدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

خدیجہ اسلم

السلام علیکم! ڈیئر قارئین اور آنچل کی تمام ٹیم کو میری طرف سے سلام عرض ہے' میرا نام خدیجہ اسلم ہے' میرا تعلق ضلع سرگودھا سے ہے۔ میں آنچل کی بچپن کی دوست ہوں۔ 20 مارچ 1994ء کو اس پاک سرزمین پر جلوہ افروز ہوئی۔ مجھ سمیت ہم تین بہنیں ہیں' بھائی نہیں ہے۔ ناولز پڑھنے کا شوق بچپن سے ہی تھا اب بڑے ہو کر یہ شوق مصنفہ بننے میں بدل گیا ہے۔ اسٹار پر مجھے سو فیصد یقین ہے' اپنے چہرے میں مجھے اپنے ہونٹ پسند ہیں۔ میں زیادہ شرارتیں نہیں کرتی' کھانے میں مجھے بریانی' کریلے اور گجریلا بہت پسند ہے۔ میرا فیورٹ کلر صرف اور صرف بلیک ہے' پتا نہیں مجھے یہ کلر کیوں اچھا لگتا ہے۔ موبائل بے حد استعمال کرتی ہوں' انڈین ایکٹر میں مجھے ارجن رام پال بہت پسند ہے۔ مجھے رنگز اور بریسلیٹ بہت پسند ہیں' مہندی بھی اچھی لگتی ہے۔ پرفیوم کی تو دیوانی ہوں۔ لباس میں مجھے ٹراؤزر اور قمیص اچھی لگتی ہے۔ ایئر فورس کا یونیفارم بے حد پسند ہے' اللہ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ پسندیدہ رائٹرز میں مجھے نگہت عبداللہ' عمیرہ احمد اور میں خود پسند ہوں۔ مجھے غصہ بے حد کم آتا ہے جب آتا ہے تو جلدی اترتا نہیں' پسندیدہ ہستی میں مجھے خلیفہ ہارون' خلیفہ مہدی اور معتصم باللہ بے حد اچھے لگے ہیں اور ان سے خاصی متاثر بھی ہوں۔ میری پیاری دوستیں اقراء' لائبہ' ثانیہ' ثوبیہ اور بصیرت...... میں اپنے والد سے بے حد پیار کرتی ہوں' اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' آمین۔

”نہ بھئی ہم اپنی پسند کی بھابی لائیں گے ہمارا اکلوتا بھائی ہے۔ مجھے تو عالیہ ہی پسند ہے گھر کی بچی ہے سو لحاظ رکھے گی۔“ رضیہ نے گویا حتمی فیصلہ سنا دیا تو ثمینہ نے گہری سانس بھری کہ اچھا ہوا وہ کاشف کی محبت میں آگے نہیں بڑھ گئی ورنہ اس وقت اس کے گھر کا ماحول جنگ میں بدل چکا ہوتا۔

”اچھا آپ لوگ تیار ہو کر نکلیں‘ میں بھیا کو لے کر آتی ہوں۔“ ثمینہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کا کمرہ دیکھا‘ بستر پر کاشف کے کپڑے پڑے تھے‘ ثمینہ پریشان ہوگئی۔ صحن میں بھی نہیں تھا‘ بے اختیار قدم چھت کی جانب جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ ٹھنڈ کافی ہو رہی تھی لیکن وہ بے نیاز متفکر سی چھت پر چلی آئی۔ سامنے ہی کبوتروں کے دڑبے کے پاس رکھے لکڑی کے اسٹول پر کاشف بیٹھا ہوا نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

”کیا ہوا بھیا! سب لوگ تیار ہو چکے ہیں‘ تمہارے بغیر کسی کو مزہ نہیں آ رہا۔ تم نے کپڑے بھی نہیں بدلے۔“ ثمینہ نے ہمدردی جتائی۔

”تم نے بتایا نہیں کہ تمہاری دوست کی شادی ہو چکی ہے؟“ بھاری آواز میں جواب شکوہ ہوا۔

”کون دوست‘ کس کی شادی......؟ دوست کی ہوتی تو مجھے خبر ضرور ہوتی‘ ویسے تم کس کی بات کر رہے ہو؟“ ثمینہ حیرت سے کئی سوال کر گئی۔

”نادیہ کی......“ کاشف نے سر اٹھایا۔

”کیا......؟“ ثمینہ کی کیا بہت بُری تھی کیونکہ نادیہ نے تو شادی نہ کرنے کا فیصلہ سنایا تھا پھر اس کی شادی ہو بھی گئی یہ تو واقعی شکوے کا مقام تھا۔

”تو پھر......اب......“ بہت رک رک کے خوفزدہ سا سوال کیا۔

”بس ابھی چھت سے چھلانگ مارنے والا تھا کہ تم آ گئیں۔“ کاشف نے چڑ کر کہا۔ ثمینہ ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھنے گئی‘ دماغ اتنا الجھ رہا تھا کہ سمجھ ہی نہ سکی‘ طرح طرح کے وسوسے پریشان کر رہے تھے۔

”کیا واقعی؟“ ثمینہ نے گھبرا کر کاشف کا بازو پکڑ لیا۔

”ہٹو پیچھے۔“ پریشانی کے باوجود کاشف کو ہنسی آ گئی۔

”تم ٹھیک ہو نا‘ مطلب تمہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا ناں اس کی شادی ہو گئی ہے تو ہو جائے۔ میرے بھائی کو بھلا کیا کمی ہے۔“ ثمینہ نے بڑے دلار و پیار سے بھائی کو دیکھا جو بڑا دکھی لگ رہا تھا۔

”ہم نے تو ابھی رشتہ بھی نہیں مانگا تھا‘ کب سے تمہیں کہہ رہا تھا تم نے ہی دیر کر دی۔ تمہاری دوست تھی تم ذکر تو کرتیں۔ باقی باتیں بعد میں دیکھی جاتیں۔ اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکل گئی اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔“ کاشف نے غصے سے اسے ہی سنا ڈالیں۔

”یہ بات تو سچ ہے کہ سب میری وجہ سے ہی ہوا۔“ ثمینہ نے دل میں سوچا۔ ”اچھا چلو معاف کر دو‘ مجھے کیا پتا تھا وہ اتنی جلد باز نکلے گی‘ اللہ کو یہی منظور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے یہ بات تو تم مانتے ہو ناں‘ ہمارا بھلا اللہ سے بہتر کون چاہ سکتا ہے تم خود بھی نہیں۔“ ثمینہ نے صوفیانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

”تمہاری ہی نیت میں فتور تھا‘ سو سو بہانے گھڑے دلیلیں دیں پر اپنی دوست سے بھائی کے لیے بات نہیں کی۔“ کاشف کے پچھتاوے نہیں جا رہے تھے۔

”ویسے بھیا! تمہیں پتا کیسے چلا؟“ ثمینہ نے اچانک حیرت بھرا سوال کیا۔

”باجی سے بات کرنے گیا تو انہوں نے یہ بم پھوڑا۔“ کاشف نے منہ بسورتے ہوئے بتایا۔

خود ہی ڈائریکٹ نادیہ سے بات کر لیتا۔

”تو وہ کون سا تمہارے عشق میں مری جا رہی تھی کہ تم اتنا دکھی ہو رہے ہو۔“ ثمینہ نے ناگواری سے اسے غیرت دلانی چاہی۔ بھلا یکطرفہ محبت کے لیے کون دکھی ہوتا ہے۔

”مجھے تو وہ اچھی لگی تھی ناں۔“ کاشف نے کھوکھلا جواز دیا۔

”بہت کمزور پوائنٹ ہے پسند کی شادی میں دو طرفہ محبت کا ہونا بہت ضروری ہے ویسے بھی سیانے کہتے ہیں کہ شادی اس سے کرو جو تمہیں چاہتا ہو جبکہ نادیہ نے تو تمہاری شکل بھی کبھی غور سے نہیں دیکھی۔“ ثمینہ جوش و روانی میں کہہ گئی‘ اپنی کارستانی تو بھول ہی گئی تھی۔

کاشف بھی آخری ملاقات کے بارے میں سوچنے لگا‘ آخری ملاقات میں تو اسے بالکل ہی دو کوڑی کا کر گئی تھی پھر بھلا وہ کس محبت کا ماتم کر رہا ہے۔ صرف یکطرفہ پسند کا‘ نادیہ کی تنک مزاجی کا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا اگر وہ ضد کر کے گھر والوں کی مخالفت مول لے کر رشتہ لے بھی جاتا اور نادیہ اسے ناپسند کر دیتی تو اس کے ہاتھ کیا آتا۔ صرف شرمندگی کا احساس‘ ٹھکرائے جانے کی اذیت۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے‘ شک تو پہلے بھی نہیں تھا‘ آج بھلا کیسے ہوتا۔ اللہ معاف کرے دل و ذہن میں خیالات کی جنگ جاری تھی‘ تاروں بھرے آسمان پر مخالف سمتوں میں گئے ہوئے خوش قسمتی کے ستارے واپس آتے ہوئے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

کاشف نے جھرجھری سی لی گویا بہت دنوں بعد خیالوں کی نگری سے حواسوں کی دنیا میں لوٹا ہو۔ ثمینہ کو مغموم سا کھڑا دیکھ کر موڈ بدلا۔

”کیا ہوا میڈم! چلنا نہیں کیا؟“ مہندی کے رنگ ہم دونوں کے ڈانس و ڈانڈیوں کے بغیر ادھورے اور پھیکے ہوں گے تو جلدی سے ایک کپ چائے بنا‘ میں تیار ہو کر ابھی آیا۔“ کاشف نے تیز تیز بولتے ہوئے ثمینہ کے سنورے ہوئے بال بکھیرے اور دھڑکتے دل کے خوشیوں کے ساز پر سیٹی بجاتا نیچے بھاگ گیا اور آج پہلی بار ثمینہ نے بُرا منانے کی بجائے خدا کا شکر ادا کیا۔

”اللہ پاک نادیہ کو ہمیشہ خوش رکھنا۔“ دل ہی دل میں دعائیں کرتی چائے بنانے دوڑ گئی کہ وقت بھی تو بھاگ رہا تھا۔

آنے والے دنوں میں سب نے دیکھا کہ کاشف کی واپسی ایسی ہوئی تھی کہ بہنوں کے شکوے کہیں دور نکل گئے بلکہ یاد ہی نہ رہے‘ دونوں بہنیں میکے میں بھرپور وقت گزار کر بچوں سمیت ٹرین میں جا بیٹھیں۔ ثمینہ کو اکثر نادیہ کا خیال آ جاتا‘ نجانے کہاں ہوگی خدا کرے نیا شوہر اس کی بیٹی کو سگوں سے بڑھ کر پیار دے‘ آمین۔ اماں نے کاشف سے عالیہ کا ذکر کیا‘ وہ فرماں بردار بیٹے کی طرح سر جھکائے اپنی رضامندی دے گیا۔ اماں تو خوشی سے دیوانی ہو کر اسی وقت خالہ کی طرف نکل گئیں‘ آج ثمینہ کے دل سے سارے خدشات ختم ہوگئے۔

سردیوں کی اس سنہری سی دوپہر میں ثمینہ فریال باجی کے گھر کی طرف ہولی‘ کچھ تو خبر مل ہی جاتی نادیہ کی۔ کم از کم وہ اس کا شکریہ ادا کر دے شاید فون نمبر ہی مل جائے۔ بیل بجانے کے بعد گیٹ کھلنے کا انتظار طویل ہونے لگا تو ثمینہ نے چھوٹے گیٹ کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ مزے سے کھل گیا‘ ثمینہ نے جھجک کر قدم اندر رکھا۔

”ارے ثمینہ! تم......“ نادیہ اپنے کمرے سے نکل

کرآ رہی تھی کہ اسے دیکھ کر حیرت وخوشی سے چہکتی اس کے گلے آ لگی۔

''تم...... تم......'' ثمینہ کی زبان اٹک گئی' پہلا سوال بھلا کیا کرے وہ خلافِ توقع نادیہ کو دیکھ کر پریشان بھی ہوگئی کہ کہیں خدانخواستہ پھر سے تو...... اللہ نہ کرے' کسی انہونی کا سوچے بغیر رد کیا۔

''ہاں بھئی یہ میں ہی ہوں' میرا بھوت نہیں۔'' نادیہ نے الگ ہوتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''شکر ہے تم سے ہی ملاقات ہوگئی' ورنہ میں تو باجی سے تمہارا نمبر لینے آئی تھی۔'' نادیہ کو خوش دیکھ کر ثمینہ کو ڈھارس ہوئی۔

''کیوں مجھ سے نمبر لینے میں قباحت ہے۔'' نادیہ خوش دلی سے مسکرائی۔

''میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہہ دیا۔

''پہلے بیٹھ ناں جائیں۔'' نادیہ لان میں چیئرز کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''ہاں اب بتاؤ میں نے تو اپنی کوئی جائیداد تمہارے نام نہیں لکھوائی۔'' بیٹھنے کے بعد مذاق کیا۔

''میرا بھائی جائیداد سے بڑھ کر ہے۔'' ثمینہ نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

''تمہارا بھائی تمہارا ہی تھا ثمینہ! بس آج کل لڑکے لڑکیاں کچے ذہن کے ہیں' فلموں ڈراموں سے جلدی متاثر ہوجاتے ہیں' وقتی ابال اٹھتا ہے بعد میں سب ٹھیک ہوجاتا ہے۔'' نادیہ نے بردباری سے کہا۔

''وہ بھی اس وقت جب انہیں صحیح راستہ دکھانے کے لیے صحیح بندی یا بندہ مل جائے۔'' ثمینہ نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

''اچھا ہوا' کاشف واپس لوٹ گیا' ورنہ بہت خواری ہوتی میری بھی اور اس کی بھی۔'' نادیہ سنجیدہ ہوگئی۔

''اچھا تم کب تک ہو یہاں؟'' ثمینہ نے اس کا ہاتھ محبت سے دبا کر پوچھا۔

''یار کیوں مجھے بے گھر کرنے پر تلی ہو۔'' نادیہ نے شرارت سے کہا۔

''تو کیا تم نے شادی نہیں کی؟'' ثمینہ نے حیرت وتجسس سے پوچھا۔

''نہیں میری جان! ابھی نہیں۔'' نادیہ کھوسی گئی۔

''فریال باجی نے تو کاشف سے کہا تھا کہ......'' ثمینہ نے کمزور سے لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی کہ بہت کچھ خود سے ہی شعور میں آ رہا تھا۔

''میرے ہی کہنے پر' میں اور میری بیٹی جس کشتی میں سوار ہیں اس کے لیے کسی مضبوط ملاح کی ضرورت ہے ثمینہ! کاشف تو خود ابھی سہاروں کا محتاج تھا وہ بھلا میری کشتی کیسے پار لگاتا۔ یقیناً اب وہ خود بھی یہ بات سمجھ گیا ہوگا گزرتا وقت ہر احساس مٹا دے گا اور ایک دن وہ خود اپنی پہلی حماقت پر ہنسے گا۔ میرے اللہ نے مجھے اس حماقت پر رونے سے بچالیا' ورنہ میں بھی ایک کمزور سی لڑکی ہوں۔ کبھی بھی ڈگمگا سکتی ہوں۔ دعا کرنا اللہ تعالیٰ ہمیشہ میرے حال پر رحم کرے' میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔'' دھیرے دھیرے رسانیت سے بولتی نادیہ اندر چلی گئی۔

''آمین۔ اللہ تمہارا اور تمہاری بیٹی کا حامی وناصر ہو...... آمین۔'' ثمینہ نے دل کی گہرائی سے دعا کی' سینے کے اندر ہی اندر سکون اترتا محسوس ہورہا تھا۔

مجھے حکم اذان

ام مریم

اس کو فرصت نہیں وقت نکالے محسن
ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن
وہ اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب بھلا کون میرے درد سنبھالے محسن

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ڈاکٹر کی زبانی عباس کے مینٹل ہسپتال میں شفٹ کردینے کا سن کر فاطمہ کو اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ اس سے عباس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی وہ دل میں بوجھل پن لیے زینب کے پاس چلی آتی ہے وہاں اس کی باتوں سے فاطمہ کے دل کو ڈھارس ملتی ہے اور وہ عباس کے بچوں کی ذمہ داری سنبھالتی ہے جبکہ دوسری طرف ساحر زندگی سے قطع تعلقی اختیار کیے عریشہ کی یادوں میں محو رہتا ہے' عباس کو اس کیفیت سے نکالنے کی خاطر فاطمہ بچوں کو وہاں لاتی ہے لیکن اس کا شدید ردعمل اسے سخت اذیت دیتا ہے۔

دوسری طرف لاریب اپنے گستاخانہ رویوں اور طرزعمل کی بدولت سکندر کا جینا دشوار کردیتی ہے وہ کسی طور بھی سکندر کی کمرے میں موجودگی کو برداشت نہیں کرتی جس پر اسے لاریب کا بھرم رکھتے باہر رات گزارنا پڑتی ہے۔ ولیمہ کی رات بابا سائیں لاریب سے ملنے آتے ہیں لیکن تب بھی اس کا انداز وہی سرد مہری لیے ہوتا ہے۔

شرجیل پر جب تائی اماں کی اصل حقیقت کھلتی ہے تو اس کے ہاتھ پچھتاؤں کے سوا کچھ نہیں آتا فراز کی باتیں سن کر اس کے اندر شدید اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ ایمان کے ساتھ اپنے ناروا سلوک پر وہ خود اذیتی میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے بچے کو بھی فراموش کر بیٹھتا ہے۔ تائی اماں چاہتی ہیں کہ شرجیل صالح سے نکاح کرے لیکن وہ اس بات پر صاف انکار کردیتا ہے' شرجیل کا صاف انکار تائی ماں کو مشتعل کردیتا ہے وہ اس سے بدلہ لینے کی خاطر سمیعہ کے حوالے سے اس پر الزام عائد کرتی ہیں جس پر وہ دونوں ہی حیران رہ جاتے ہیں۔ ایسے میں وہ فوراً ہی سمیعہ کے لیے ایک عمر رسیدہ آدمی کا رشتہ تلاش کرکے اس کے نکاح کی بات کرتے ہیں جس پر شرجیل انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے لیکن اس کی بات کو غلط رنگ میں لیا جاتا ہے۔ ان حالات میں شرجیل سمیعہ کو تائی ماں کی سازش کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے ہر کوشش کرتا ہے۔

دوسری طرف فراز تاؤ جی کے سامنے آفاق چاچو کا ذکر لے بیٹھتا ہے ان کے منہ سے تمام حقیقت اگلوانے کی خاطر وہ جائیداد میں حصے کی بات کرتا ہے' جس پر تاؤ جی اسے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں لیکن وہ انہیں یتیموں کا مال کھانے پر سخت سناتا ہے اور آفاق چاچو کے اس بیٹے کی تلاش میں رہتا ہے کہ جس کی یہ تمام جائیداد ہے لیکن اسے مزید کچھ معلومات حاصل نہیں ہو پاتیں۔ اس تمام پلاننگ کے دوران وہ تاؤ جی اور اپنے پاپا کو اریبہ کے ہاں رشتہ لے جانے کے لیے آمادہ کرلیتا ہے بصورت دیگر وہ آفاق چاچو کے بیٹے کی گمشدگی کا اشتہار اخبار میں دینے کا کہتا ہے جس پر مجبوراً وہ اس کی بات مان لیتے ہیں۔

لاریب اپنے ہونے والے نقصان پر ماتم کناں ہوتی ہے جب ہی سکندر اماں کا ذکر کرتے اس کے

پاس ٹھہرنے کی بات کرتا ہے جس پر لاریب عجیب خدشات کا شکار لیے اسے دیکھتی رہ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

یہ خاموشی سکندر کے لیے حیران کن ہی تھی۔ جبھی اس نے بے اختیار چہرہ اونچا کرکے اسے خاصے تحیر سے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ سکندر نے شرارت آمیز انداز میں مسکراہٹ دبائی۔

"کچھ بولیں گی نہیں' یہ نازک ہونٹ تو زہر اگلتے' انگارے برساتے ہی اچھے لگتے ہیں۔ خاموشی کا مطلب طبع نازک کی ناسازی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔" لاریب نے اس گوہر افشانی پر بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور اسی طرح خاموش بیٹھی رہی تھی پھر گہرا سانس بھرا اور بے مہر انداز میں گویا ہوئی۔

تمہارے ہاتھ لگے ہیں تو جو کرو سو کرو
ورنہ تم سے تو ہم سو غلام رکھتے ہیں

سکندر کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ معاً اس نے خود کو سنبھالا اور اپنی جگہ چھوڑ کر پرسکون انداز میں بستر کے نزدیک آرکا۔

"تو گویا آپ نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا' ہتھیار پھینک دیے؟" وہ پتا نہیں کیوں اتنا سنجیدہ تھا۔ لاریب اسے سرد نظروں سے دیکھتی رہی۔

"گڈ...... پھر تو آج سے سارے تکلفات ختم ہوجانے چاہئیں۔ ساری دوریاں مٹ جانی چاہئیں۔ کیا ہوا اگر غلام سہی مگر شوہر تو بن چکا ہوں نا۔" سکندر کا لہجہ ہموار تھا۔

"فضول باتوں سے بہتر ہے کہ تم جاکر اپنی جگہ پر لیٹو۔" اندر سے ہولتی ہوئی وہ بظاہر بہت درشتی سے بولی تھی۔ انداز اتنا کترایا ہوا اور خائف تھا کہ سکندر کو اس کا گریز اس کا خوف صاف محسوس ہوا۔

"میری جگہ ہے کون سی اس کا تعین بھی آپ ہی کریں گی۔" اس کا لہجہ تلخ تر ہو چلا۔ لاریب نے لرزتی پلکیں لمحہ بھر کو اٹھا کر اس کا آنچ دیتا چہرہ دیکھا پھر ہونٹ بھینچ لیے۔

"مجھے پریشان نہیں کرو پلیز۔ ورنہ آج تمہیں نہیں مجھے باہر جانا پڑے گا۔" اس نے بے رحم لہجے میں جتلانا ضروری سمجھا۔ جبکہ سکندر کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ ہوگیا۔

"میرا ضبط مت آزمائیں لاریب بی بی۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کا بھرم ٹوٹے۔ میں وقتی طیش و اشتعال میں آپ سے کوئی گستاخی کرجاؤں اور اپنی محبت کو عمر بھر کے لیے کسی الزام کی زد پر رکھ دوں کچھ تو خیال کریں آپ کو نہ سہی مگر مجھے ضرور محبت ہے آپ سے۔" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور صوفے پر لیٹ کر فوری کروٹ بدل لی۔ اپنے اوپر اس نے وہی براؤن مردانہ شال پھیلالی تھی جسے وہ اوڑھے ہوئے تھا۔ اس کا دل عجیب سی وحشت بھری یاسیت کا شکار ہوچکا تھا۔ بھلا کوئی اختتام یا منزل تھی اس سفر لاحاصل کی۔ اسے لگنے لگا وہ انتظار اور صبر کرتا بالآخر جان سے گزر جائے گا۔ مگر وہ پتھر دل لڑکی کبھی موم نہیں ہوسکے گی۔

"میرے سامنے اس فضول اور تھرڈ کلاس محبت کا ڈھنڈورا نہ پیٹا کرو سمجھے' گھن آتی ہے مجھے، اتنی ہی نفرت کرتی ہوں میں تم سے اگر تم سمجھو اگر تم جان پاؤ۔" وہ بھکے ہوئے بے گانگی چھلکاتے لہجے میں جتلانا ضروری سمجھ رہی تھی۔ سکندر توہین و سبکی کے ساتھ ساتھ اذیت کے شدید ترین احساس سمیت پتھرا سا گیا۔ مارے تضحیک و ذلت کے اس کا چہرہ یکلخت پیلا پڑ گیا۔ کس درجہ سفاک اور بے رحم تھی وہ بے حد خوب صورت نظر آنے والی لڑکی۔ اس نے اذیت کی برف اس پوری رات اپنے وجود پر گرتی محسوس کی۔ ہزار ہا ضبط کے باوجود بھی وہ آنکھوں کو نم ہونے سے نہیں بچاسکا۔

اندر آتش دان میں کوئلے دہکتے تھے بالکل ویسی ہی تپش سکندر کے وجود میں اتر آئی تھی۔ وہ صوفے پر کروٹیں بدلتے تھک گیا تھا۔ جبھی نیچے چٹائی پر لیٹ

گیا۔ چٹائی کو فرش کی یخ بستگی نے سیلن زدہ کر رکھا تھا۔ یہ ٹھنڈک ایک تواتر سے اس کے جسم میں اتر رہی تھی مگر صوفے پر ٹانگیں سکیڑ کر لیٹنا بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں تھا۔ کچھ ویسے بھی اس وقت ایک بے حسی اور خود اذیتی کا احساس بھی حاوی تھا جبھی ڈھیٹ بن کر لیٹا رہا۔ نیند ابھی گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ جب کسی احساس کے زیر اثر اسے پھر سے جاگنا پڑ گیا۔ ذہن خوابیدہ تھا وہ اس طرح آنکھ کھلنے کی وجہ سمجھنے سے قاصر ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ لاریب کی وحشت بھری چیخ پر اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑے ہونے پر مجبور ہوا۔ سب سے پہلے اس نے لائٹ آن کی تھی۔ پلٹ کر دیکھنے پر سب سے پہلی نظر بیڈ پر بیٹھی حواس باختہ چہرے والی لاریب پر پڑی جس کے کھلے بال بے ترتیب تھے اور چہرہ پر خوف وہراس کا غلبہ‘ سکندر نے فی الفور نگاہ بدل لی۔

”سانپ۔“ وہ پھر چیخی اور چھلانگ مار کر بستر سے اتری اور اس کے پہلو میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا نازک جسم طوفان کی زد پر آئی نازک ڈالی کی طرح لرز رہا تھا۔

”مم...... میں نے خود دیکھا۔“ اس نے سکندر کو یقین سونپنا چاہا جو پتا نہیں سانپ کا سن کر بھی کیوں بے نیاز اور بے گانہ بنا کھڑا تھا۔

”خود دیکھا...... اندھیرے میں؟“ سکندر کا سرد لہجہ طنز آمیز تھا۔ مگر لاریب اس پل حواسوں میں ہی نہیں تھی کہ اس کے لہجے کی کاٹ پر غور کر سکتی۔

”وہ...... وہ میرے ہاتھ پر رینگ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ جھٹکا تو......!“ آنسوؤں سے بھیگی‘ بے اوسان اور لرزاں آواز میں اسے آگاہ کرتی ایک دم ٹھٹکی اور خوفزدہ نظروں کو فرش پر متلاشی انداز میں دوڑانے لگی۔

”وہ مجھے کاٹ بھی سکتا تھا تم دیکھو تو‘ یہیں کہیں ہوگا۔“ خوف سے کانپتی وہ غیر محسوس مگر لاشعوری طور پر سکندر سے قریب ہوئی اس کے بازو سے چپک گئی تھی۔ سکندر نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں اپنا بازو جھٹک کر اسے دور ہٹایا مگر لاریب نے اس کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ اس کے خراب موڈ سے بے خبر اس پل لاریب کے حواسوں پر بس سانپ کا خوف سوار تھا۔

”اچھا...... چھوڑیں...... دیکھنے تو دیں مجھے۔“ سکندر کی جھنجلاہٹ اور بڑھی تھی۔ کسی قدر غصے سے کہتے اس نے اپنا بازو چھڑوایا اور اسی غصے میں چند لمحوں کے اندر اس نے پورا کمرا الٹ کر رکھ دیا۔ مگر سانپ کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

”سو جائیے ایسا کچھ نہیں ہے یہاں، وہم ہے آپ کا۔“ سکندر کے بے رخی سے بھرپور انداز میں بے اعتنائی کا تاثر گہرا تھا۔ لاریب خائف اور متذبذب کھڑی تھی۔

”اب کیا ہے؟“ وہ جیسے پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

”مم...... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ روہانسے انداز میں جو توضیح دی گئی وہ سکندر کی جان جلا کر رکھ گئی۔

”بہت خوب......! تو محترمہ اب آپ کے ڈر کا تعویذ میں کہاں سے جا کر لے آؤں‘ حکم کیجیے۔“ بے رحم کھردرا لہجہ لاریب کے اعصاب سن کر گیا۔ وہ توہین کے احساس سے منجمد رہ گئی۔

”افوہ...... کہا نا کچھ نہیں ہے یہاں، چلیں لائٹ جلتی چھوڑ دیتا ہوں لیٹ جائیں۔“ سکندر کو ہی پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ پتا نہیں کیا تھا اس میں ایسا کہ وہ ہمیشہ بے بس ہو جایا کرتا مگر لاریب پر اس کا وہی لہجہ جس میں بے زاری تھی اس کے دل پر ایسی ضرب کاری کر گیا تھا جبھی وہ کسی طرح بھی خود پر قابو نہیں پا سکی۔ آنسو بے صبرے پن کا مظاہرہ کرتے برس پڑے۔ سکندر کی نظر اس بن بادل برسات پر پڑی تو سر پیٹنے والا ہو گیا۔

”ملکہ عالیہ کیا گستاخی سرزد ہوگئی غلام سے اب؟“ چبھتا ہوا لہجہ سماعتوں میں جیسے سیسہ پگھلانے کا باعث بنا تھا۔ لاریب کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی۔ وہ ہونٹ بھینچے اسے تکنے لگا۔

”تم میرے ساتھ آجاؤ‘ وہاں بیڈ پر۔“ اس سے نظریں چار کیے بنا لاریب نے جو فرمائش کی وہ سکندر کو

بھک سے اڑا گئی۔ جو بھی تھا جیسے بھی تھا سکندر کی مردانہ انا پر شدید چوٹ پڑی تھی۔ جبھی آنکھوں میں غضب کی حدتیں سمٹ آئیں۔ کوئی پوچھتا کیا تھی بھلا لاریب کے نزدیک اس کی اہمیت۔ محض کاٹھ کا الّو جسے ضرورت کے وقت وہ اٹھا کر سر پر بھی رکھ سکتی ورنہ وہ اس کی ٹھوکروں کی زد پر تو تھا ہی۔ دانتوں پر دانت جمائے وہ ایک لفظ کہے بغیر چادر سر تک تان کر لیٹ گیا۔ لاریب جس کا دل خوف سے بند ہو رہا تھا بے حسی کے اس مظاہرے پر ششدر رہ گئی۔ کچھ دیر ساکن کھڑی اس کے خیمہ زن وجود کو تکتی رہی پھر ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چادر کا کونا کھینچا۔

”سکندر پلیز۔“ اس کا مدھم لرزتا لجاجت آمیز لہجہ تھا۔ خوفناک رات کا سہم اور سانپ کی دہشت کا وحشت بھرا احساس اسے اس وقت سارا طنطنہ بھلائے ہوئے تھا۔ سکندر ایسے اٹھا جیسے کوئی طوفان ہو۔

”کیا سمجھتی ہو تم مجھے لاریب؟“ اسے خونخوار نظروں سے گھورتا وہ زور سے چیخا تو لاریب اس کے جارحیت بھرے انداز پر دم بخود رہ گئی۔

”نفرت کرتی ہو مجھ سے، گھن آتی ہے تمہیں مجھ سے تو پھر یہ گنجائش بھی کیوں؟ کیا سمجھوں میں اسے تمہاری عنایت یا بھیک میں دی گئی توجہ؟ یہ تو طے ہے نا کہ تم جذبات میں بے قابو ہو کر میرے پاس نہیں آئی ہو پھر بھی میں فرشتہ نہیں ہوں کہ اس آزمائش میں کوئی حد کراس نہ کروں۔ بچی ہو تم‘ اس سیدھی بات کو خود سے کیوں نہیں سمجھ جاتیں۔ کیوں مجھے آزمانے پر تلی ہوئی ہو؟“ وہ برس رہا تھا۔ اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں اور چہرہ سرخ اور تیور اتنے خونی کہ لاریب کو اس سے خوف آنے لگا۔ سکندر تیز تر تنفس کے ساتھ اسے اپنے سامنے سے دھکیلتا آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ لاریب صدمے کی انتہا پر جا کر گنگ کھڑی تھی۔ دھیرے دھیرے حواس بحال ہوئے تو اس کی بات کا مفہوم سمجھ میں آیا اور جیسے زمین میں گڑھ گئی۔

❀ ...... ۞ ...... ❀

وہ ہرجائی تھا نہ ہی دل پھینک۔ بس وقت اور حالات نے اس کے ساتھ عجیب کھیل کھیلا تھا کہ وہ بے مہر ہی نہیں اسے بے وفا بھی سمجھ بیٹھی تھی۔ ایسی روٹھی تھی کہ پھر پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ازالہ کی کوئی صورت ہی ممکن نہ رہی تھی۔ ناراضی کا یہ احساس اتنا شدید تھا اس قدر بوجھل کر دینے والا کہ اسے کچھ بجھائی نہ دیتا تھا دکھائی نہ دیتا تھا۔ ملازموں نے کئی بار بتایا بچوں کو فاطمہ بی بی لے گئی ہیں۔ اسے ان کی خبر گیری تو کرنی چاہیے مگر وہ دھیان سے سنتا کب تھا کہ عمل کی نوبت آتی۔ اسے تو غم سے فرصت نہیں تھی۔ اس نے تو غلط فہمی دور بھی کی تھی یہ الگ بات یقین نہیں کیا گیا اور عریشہ کی بدگمانی صحیح معنوں میں عباس کو دل کے پاگل پن سے دوچار کر گئی۔ ماضی کے ان لمحوں کو پوری جزئیات سے سوچنا جب عریشہ اس کے ساتھ تھی اور پھر اس کمی اس نقصان کا احساس حواسوں پر پر سوار کر لیتا۔ وہ واقعی خود اذیتی کا شکار تھا۔ وہ غم کی جس اتھاہ گہرائی میں گرا تھا اس سے باہر آنے کے بجائے مزید نیچے اترتا جا رہا تھا۔

راہداری عبور کرتے ہوئے سے ہال کمرے میں ملازمہ نے ایک طویل عرصہ بعد صاحب کو کمرے سے باہر دیکھا تو حیرت وخوشی سے اپنی جگہ ٹھٹھک گئی۔ عجلت بھری آواز میں اس پر سلامتی بھی بھیجی مگر وہ جواب دیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ لان کے ساتھ پورچ تھا مگر وہ گاڑی کی جانب نہیں آیا باوردی شوفر نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور اپنی خدمات پیش کرنی چاہی۔

"کہاں چلیں گے سر؟" عباس نے ستی ہوئی لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا اور سر کو نفی میں جنبش دے کر کھلے گیٹ سے باہر نکل آیا۔

"سر ٹھیک ہو رہے ہیں شکر ہے مالک کا' لگتا ہے بچوں کو لینے گئے ہوں گے۔" اس سوچ نے احسان بابا کو خوشی بخشی۔ عباس کی بیماری اور غیر حاضری کے دوران احسان بابا (مالی) ہی تھے۔ جنہوں نے تمام ملازموں کو کنٹرول کر رکھا تھا۔ اس سے قبل بھی وہی تمام ملازموں کی تنخواہ کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ عریشہ کی موت اور عباس کی بیماری نے ایک قسم کا سارا چارج ہی احسان بابا کے ہاتھ میں خود بخود منتقل کر دیا تھا۔ دیانتدار بزرگ آدمی تھے عباس کو ان پر بھروسہ ہی نہیں تھا بلکہ وہ ان کا احترام بھی کرتا تھا۔ احسان بابا بھی عباس کے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ بے اولاد تھے جبھی عباس کے لیے اولاد جیسی شفقت ومحبت کے احساسات رکھتے تھے مگر عریشہ کی والدہ اور بھائیوں کی یہاں غنڈہ گردی اور اجارہ داری کے خلاف وہ بھی کچھ نہیں کر سکے کہ بہرحال ان کی اہمیت ایک ملازم کی ہی تھی۔ عباس کے ٹھیک ہو کر گھر آنے کی صورت میں احسان بابا نے اسے اس بابت بتانے کی کوشش کی تھی مگر یہ پہلا موقع تھا کہ عباس نے انہیں ناراضی سے دیکھا اور بات منقطع کر دی تھی۔

"میرے لیے عریشہ کے ساتھ اس سے وابستہ رشتے بھی قابل احترام ہیں پھر اگر عریشہ نہیں تو یہ ساری مادی چیزیں خود بخود میرے لیے اپنی حیثیت کھو چکی ہیں۔ آپ جانتے ہیں یہ گھر عریشہ کے لیے بنایا اور سجایا تھا میں نے' وہ نہیں ہے وہ چلی گئی ہے اور...... اور وہ اب کبھی واپس نہیں آ سکتی۔" ان کے کاندھے سے لگ کر روتا وہ کتنا قابل رحم لگ رہا تھا۔

احسان بابا کا دل پھٹنے کے قریب ہو گیا تھا۔ ان کے سجدے اس کے بعد دراز ہونے لگے تھے۔ ہر نماز کے بعد وہ صدق دل سے عباس کے صبر واستقامت کے ساتھ اصلاح کی دعا بھی مانگا کرتے تھے شام رات میں ڈھلنے جا رہی تھی۔ یہ فروری کے آخری دن تھے۔ کراچی میں ان دنوں سردی رخصتی کے مراحل طے کر رہی ہے۔ وہ بغیر کسی گرم کپڑے کے یونہی نکل آیا تھا ہوا میں خنکی کا احساس غالب تھا مگر عباس نے کب کی اپنی پروا چھوڑ رکھی تھی۔ گلی محلوں سڑکوں بازاروں میں رونق تھی۔

مساجد کو وہ کسی اجنبی نگاہ سے دیکھتا بے مقصد چلتا اچانک ٹھٹھک کر رکا۔ وہ بھلا کب مذہب سے اتنا نزدیک تھا۔

"مومن کی مثال ایک ترازو جیسی ہے جب اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔" اس کی سماعتوں میں یہ آواز پوری جزئیات سے اتری۔ قدموں کی رفتار خود بخود سست پڑ گئی۔ اس کے عین سامنے بلند میناروں والی شان دار مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ابھرنے والی یہ آواز اس مسجد کے امام صاحب کی تھی۔ وہ خالی نظروں سے مسجد جانے والوں کو دیکھتا رہا۔

"کھڑے کیوں ہو جوان' اندر چلو۔" ایک بزرگ نے جاتے جاتے اسے پکارا۔ وہ چونک گیا۔ کچھ لڑکے بھی رک کر حیران وغیر یقینی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"یہ ساحر ہیں نا؟ فیمس ہیرو' میرے خدا یہ وہی تو نہیں کیا میں انہیں سچ مچ دیکھ رہا ہوں۔" ایک لڑکا دوسرے کے کان میں گھس کر شوخ بھنبھناتی آواز میں کہہ رہا تھا۔ عباس سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا رہا۔ اس کے دل ودماغ میں عجیب سی کشمکش جاری تھی۔

"بالکل وہی ہیں' انہیں حادثہ پیش آ گیا تھا یاد ہے نا؟ آؤ بات کرتے ہیں ان سے انہیں ان کی وائف کا پرسہ بھی دے دیں گے۔"

"ارے رکو...... یہ نارمل نہیں ہیں اور......!" وہ دونوں بدستور کھسر پھسر کر رہے تھے۔ عباس کے اندر یکلخت الاؤ بھڑک اٹھے۔ وہ پلٹا اور ان آوازوں کی پہنچ سے دور ہونے کو پاگلوں کی طرح دوڑنے لگا۔ صرف زیاں کا احساس نہیں تھا تمام زخم بھی ہرے ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے اٹھتے ہوئے قدموں سے لپٹ کر بے مول ہوتے رہے۔ اسے آج بھی اپنا نقصان یاد تھا۔ اسے آج بھی اللہ سے شکوہ تھا۔ مگر وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ اس نے خود اللہ کو کب سے بھلا رکھا ہے۔ یہ غفلت یہ بے نیازی سراسر نقصان کا باعث تھی مگر وہ تو جیسے اب ہر نقصان سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

❀ ...... ۞ ...... ❀

سرما کی یہ گلابی شام انتہائی سست روی سے رات اوڑھتی جا رہی تھی۔ عجیب یاسیت زدہ فضا تھی۔ شہتوت کے پتوں نے برفیلی ہوا کے تھپیڑوں کے باعث شور مچا رکھا تھا گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ صرف کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں گونجتی تھیں۔ لاریب کمرے میں بے مقصد ٹہلتی کبھی رک کر سیل فون کو دیکھنے لگتی۔ یہ سیل فون بھی سکندر نے لا کر دیا تھا۔ تب وہ جو اس سے نگاہ بھی نہیں ملا پاتی تھی اس وقت الجھ گئی تھی۔

"مجھے تمہاری اس عنایت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ حسب عادت اکڑ گئی تھی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچ کر خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہر بات میں ضد نہیں کرتے لاریب' ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"مجھے تم سمیت تمہاری عنایات کی کبھی ضرورت نہیں پڑ سکتی سن لو تم۔" لاریب کو اس وقت تک ہتک کے شدید احساس نے جکڑ رکھا تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر بھڑکتی تھی سکندر نے اس رات آخر کیا سوچ کر اس کی توہین کی۔ جبھی جھلتی رہی تھی مگر اس وقت جتلانا ضروری تھا۔

"مجھے لگتا ہے اس رات تم شدید غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ مسٹر وہ محض سانپ کا خوف تھا۔ تمہیں بیڈ پر بلانے کی وجہ اور کوئی نہیں ہو سکتی سمجھے؟" اور سکندر جو حیران سا اسے تک رہا تھا اس وضاحت کو سن کر بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

"آپ نہ بھی بتاتیں تو میں آگاہ ہوں اپنی اہمیت و اوقات سے۔" اس کی ہنسی تھمی تو اس نے کہا اور لاریب نے محسوس کیا اس پل سکندر کی آنکھیں جھلملائی ہیں۔ جیسے پانی کی سطح پر روشنی کا عکس چمک اٹھے۔

"کبھی سوچنا ضرور لاریب تم کتنی ظالم ہو' محبت رد

کیے جانے کے قابل نہیں ہوتی مگر تم نے میرے انمول جذبوں کو اتنی شدت سے پامال کیا ہے کہ اس توہین کا احساس مجھے اندر تک زخمی کر جاتا ہے۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گیا۔ لاریب نے غصے سے اسے دیکھا مگر اس کی گہری بولتی نظروں کی تپش سے نظریں چرالیں۔ اس کی دیوانگی لاریب کے لیے اب کھلا خطرہ تھی۔ وہ حد بندیاں لگاتے لگاتے ہلکان ہونے لگی تھی۔

"اس طرح محبت کا پرچار نہ کیا کرو میرے سامنے کوئی فائدہ نہیں ہے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا اور سکندر نے ضبط کی کوشش میں آخری حد تک خود کو آزمایا تھا۔

"مجھے یہ خوش فہمی کبھی لاحق نہیں رہی کہ میرے جذبے کبھی آپ پر اثر انداز ہوں گے۔ یا آپ کو کبھی اپنے رویوں پر ہی تاسف ہوگا۔ میں ہمیشہ اس بات پر متاسف رہا ہوں کہ آپ کے لیے تمام تر نیک خواہشات رکھنے کے باوجود آپ کے کسی کام نہیں آسکا۔" اس پل سکندر کی سرخ آنکھوں سے جانے کیوں لاریب کو نگاہ چرانا پڑ گئی۔

سیل فون کی گنگناہٹ پر لاریب نے اپنی سوچوں سے چونک کر موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین کو دیکھا۔ جس پر سکندر کا نام بلنک کرتا تھا۔ لاریب بے تاثر نظروں سے اسکرین کو گھورتی رہی یہاں تک کہ گھنٹی بند ہوگئی۔ وہ اس وقت اتنی خفا تھی سکندر سمیت خود سے بھی کہ اس سے بات کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"لاریب میں آج گھر نہیں آسکوں گا۔ آپ آتش دان جلا لینا اور کھانا وقت پر کھا لینا، پلیز۔" مزید دو تین مرتبہ جب گھنٹی بج کر بند ہوئی اور لاریب نے فون نہیں سنا تو سکندر نے ٹیکسٹ کے ذریعے اسے اپنی بات پہنچائی۔ جسے پڑھ کر لاریب کے چہرے پر حقارت بھرے تاثرات امڈ آئے۔ اگلے لمحے اس کی انگلیاں طیش کے عالم میں اس کا نمبر ملا رہی تھیں۔

"جی حکم؟" کال ریسیو ہوتے ہی لاریب کی سلگتی سماعتوں میں سکندر کی شریں آواز گونجی تھی۔

"بات سنو...... تمہیں یہ خوش فہمی کس نے دلائی کہ مجھے تمہارے گھر آنے یا جانے سے کوئی واسطہ ہے۔ اگر تم قیامت تک بھی میرا انتظار کرو گے تو میں قیامت تک بھی پلٹ کر تمہاری جانب نہیں دیکھوں گی۔" وہ پھنکاری تھی۔ اشتعال کی شدید کیفیت نے اس کا چہرہ و آنکھیں دہکا کر انگارہ بنا دیں۔ دوسری جانب سناٹا بولنے لگا۔ اتنا گمبھیر سناٹا کہ لاریب کو لائن کٹ جانے کا گمان گزرا۔

"ہیلو......" اس نے بے ساختہ پکارا۔ تب سکندر کے سرد آہ بھرنے کی آواز ابھری۔

"اور کچھ کہنا ہے آپ کو؟" اس کا ٹھہرا ہوا لہجہ معمول کے مطابق تھا۔

"میں لعنت بھی نہیں بھیجتی تم پر، میری بلا سے کبھی لوٹ کر نہیں آنا، سمجھے؟" اس نے غرا کر کہتے فون پٹخ دیا۔

"پتر سکندر تو آج نہیں آسکے گا، دھی رانی آپ روٹی کھا لو میں لا دوں؟" لاریب نے کھٹکے پر پلٹ کر دیکھا تو اماں کو کھڑے پا کر اس کا پہلے سے خراب ہوا دماغ کچھ اور بھی تلخی سمیٹ لایا۔

"مجھے نہیں کھانا، جب کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو خود لے لوں گی، ہاتھ پیر سلامت ہیں میرے اور بات سنو...... بلا اجازت منہ اٹھا کر میرے کمرے میں نہ گھس آیا کرو۔ ماں ہوگی تم سکندر کی اور وہ میرے جوتے کی نوک پر رہتا ہے اس سے تم اپنی حیثیت و مقام کا تعین کرلو۔" بے رحم بدلحاظ لہجہ جس میں سوائے تذلیل کے اور کچھ نہیں تھا اماں کا رنگ بتدریج پھیکا پڑ گیا۔ ان کے ہونٹ کچھ کہنے کی کوشش میں کانپے اور آنکھیں اتنی تیزی سے برسیں کہ لاریب بھی ششدر رہ گئی۔

"گستاخی معاف کردو پتر، ہم تو نوکر ذات ہیں میں دوبارہ کبھی آپ کے کمرے میں نہیں آؤں گی۔" وہ بولیں تو ان کا لہجہ آنسوؤں کی نمی سے بھیگا ہوا اور رقت آمیز تھا۔ اپنی میلی پرانی سی اوڑھنی سے آنسو رگڑ کر صاف کرتے وہ پلٹ کر کمرے سے چلی گئیں۔ لاریب ہونٹ بھینچے ساکن کھڑی رہ گئی۔ اس بوڑھی عورت کے آنسو دل پر موجود غم اور بوجھ کو بڑھاوا دے گئے تھے مگر اس کی سوچوں میں ابھی بھی آگ جل رہی تھی۔

(میں تمہارا جینا حرام کردوں گی سکندر، آخر کب تک برداشت کرو گے اور یہ بالکل صحیح طریقہ ہے تم سے جان چھڑانے کا) اس کا منتقم انداز اس پل بھی شدت پسندی لیے تھا۔

❀......✿......❀
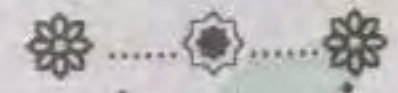
"ہوش کے ناخن لے ثانیہ۔ خبردار جواب میں نے تمہارے منہ سے کوئی بات سنی۔" اماں بلا دریغ ثانیہ کو جھاڑنے میں مصروف تھیں۔ جسے ابھی تھوڑی دیر قبل ہی سکندر ساہیوال سے لے کر آیا تھا۔ سکندر کی شادی کی رات ہی وہ خالہ کے ہمراہ ساہیوال چلی گئی تھی کیوں...... وجہ سکندر بھی جانتا تھا اور اماں بھی مگر خالہ نہیں جانتی تھیں۔ جبھی حیران تھیں اور اماں یہی نہیں چاہتی تھیں ثانیہ مزید کوئی حماقت کرے۔ ان کی شدید ڈانٹ فون پر سن کر بھی وہ واپس آنے پر آمادہ نہیں تھی تو اماں نے سکندر کو اسے لینے بھیج دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب وہ یہاں تھی مگر ہرگز بھی خوش نہیں لگتی تھی۔

لاریب نے چادر میں لپٹی سانولی مگر پرکشش لڑکی کو سکندر کے ہمراہ آتے دیکھا تھا مگر وہ اسے جانتی نہیں تھی۔ سکندر کمرے میں آنے کے بجائے اماں کے پاس چلا گیا تھا۔ اب ان کے کمرے سے ہی بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ لاتعلق بنی بیٹھی رہی۔

"اسے سمجھا دے سکندرے، مجھے دکھی نہ کرے۔" اماں اٹھ کر چلی گئیں۔ سکندر نے سر اٹھا کر ثانیہ کو نہیں دیکھا۔ البتہ اس کی حسرت بھری نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ وہ اس کے غم سے ناآشنا تھی جبھی اسے رشک سے دیکھتی تھی۔

"تمہیں تمہاری محبت کی جیت مبارک ہو سکندرے۔" اس کے ہونٹوں پر غم آلود مسکان تھی۔ سکندر نے پھر بھی اسے نہیں دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت جلدی ہے تمہیں اپنی دلہن کے پاس جانے کی؟" اس کے لہجے میں رقابت کی تپش تھی۔ سکندر نے عاجز نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنے جذبوں کو بے مول مت کرو ثانیہ۔ اگر اب تک خاموش رہی ہو تو پھر اب یہ خاموشی اور بھی ضروری ہے۔ مجھے ہرگز اچھا نہیں لگے گا اگر تم اپنا یہ بھرم کھو دو گی۔" اس سے نگاہیں چار کیے بنا کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ ثانیہ سکتہ زدہ بیٹھی رہ گئی۔ پھر یہ سکتہ ٹوٹا تو اس نے اپنا موبائل فون اٹھا کر صفدر کا نمبر سرچ کیا اور کال ملا دی۔

"تم خالہ کو بھیج سکتے ہو صفدر۔ مجھے اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔" محض دو فقرے بولنے کے بعد اس نے ادھر کی سنے بغیر فون کاٹ دیا۔ یہ اس سے اگلے دن شام کی بات ہے جب اماں، بہن کو روبرو پا کر حیران ہو رہی تھیں۔ مگر ان کا مدعا جان لینے کے بعد اگر انہوں نے فوری انکار کیا تھا تو وجہ اس کی نااہلی تھی جو پورے خاندان میں مشہور تھی۔ نکما اور کام چور ہی نہیں وہ شرابی اور جواری بھی تھی۔

"آپا غصہ نہ کر، ثانیہ سے بھی پوچھ لے۔ میں اپنی مرضی سے اگر آتی تو کئی سال پہلے کی آگئی ہوتی۔" خالہ کی بات سن کر اماں کو لگا تھا زمین پھٹی ہے اور وہ اس میں سما گئی ہیں۔ انہوں نے خالہ کو جیسے تیسے ٹال دیا مگر ثانیہ کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔

"تجھے شرم نہ آئی ثانیہ یہ گل کھلا کر آئی ہے تو وہاں۔" اور ثانیہ دکھ سے ہنس پڑی تو آنکھوں میں جھلملاتی نمی اس کے گالوں پر اترنے کو بے قرار ہونے لگی۔

"نہیں اماں، میں نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی۔ حرکت کرنی ہوتی تو یہاں کرتی۔ سکندرے کو پانے کو اب تو محض مسلط ہو جانے والے عذاب سے

چھٹکارے کی خواہش ہے۔" اور اماں اس جواب پر دکھ کی اتھاہ گہرائی میں اترتی چلی گئی تھیں۔

"اسے روک لے سکندر رے' بھلا کوئی خود بھی اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے؟" شام کو سکندر کو ساری بات بتاتے اماں رو پڑی۔ اکلوتی مرادوں سے لی بیٹی کا روگ انہیں کھوکھلا کرنے لگا تھا۔ گم صم تو سکندر بھی ہوگیا تھا۔ اس کے پاس بھی کہاں حل تھا اس مسئلے کا اپنی اپنی جگہ وہ سب ہی دل کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھے مگر یہ بھی طے تھا کہ وہ ثانیہ کو اس حماقت کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ جبھی وہاں سے اٹھ کر وہ چھت پر آ گیا جہاں ثانیہ ڈھلتی شام کی ملگجی دھوپ میں بیٹھی پرندوں کو باجرہ ڈال رہی تھی۔ اسے دیکھ کر چونکی اور ڈھلکتا ہوا آنچل پھر سر پر رکھ لیا۔

"زندگی میں سب کچھ ہمارے لیے نہیں ہوتا ثانیہ' ہماری قسمت کے فیصلے ہمیں نہیں اللہ کو کرنے کا حق ہے وہ جیسا کرے جو دے اسے لینا اور اسی پر راضی رہنا چاہیے۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر گھڑا تھا۔ ثانیہ کا جھکا سر کچھ اور جھک گیا اور آنکھیں برس پڑی تھیں کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ کپکپائے۔

"اماں خالہ کو انکار کر چکی ہیں اور......!"

"تم انہیں منع کرو سکندر رے مجھے یہاں نہیں رہنا۔ نہیں ہے اتنا حوصلہ مجھ میں اب۔" وہ ضبط گنوا کر چیخی اور سکندر خائف ہونے لگا۔ کچھ کہے بغیر وہ اس کے پاس بیٹھا اور اس کا کانپتا ہوا ہاتھ سہلایا مگر ثانیہ کسی ایسی جذباتی کیفیت میں تھی کہ اس کا سہارا پاتے ہی ڈھے گئی۔ اس کے کاندھے سے سر ٹیکے وہ جس پل زار و قطار رو رہی تھی لاریب نے اسی پل زینہ طے کرکے اوپر قدم رکھا تھا۔ دونوں کو اس پوزیشن میں دیکھ کر وہ یکدم ٹھٹک گئی۔ کیا تھا اس لمحے اس کی نظروں میں...... استعجاب' غیر یقینی یا پھر گہرا طنز۔ گو کہ سکندر کے ساتھ ثانیہ بھی سنبھل گئی اور تیزی سے سکندر سے فاصلے پر ہوگئی مگر سکندر کے لیے شدید تشویش کا باعث لاریب کا تلخ تاثرات لیے وہاں سے پلٹ جانا تھا۔

"یہ...... لاریب بی بی...... برا مانیں گی نا بہت؟" ثانیہ حراساں تھی جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ سکندر نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوزڈ کیا اور سر جھٹکا۔

"صفدر کسی طرح بھی تمہارے قابل نہیں ہے ثانیہ' اگر تم خود کو یہ سزا دو گی تو میں عمر بھر خود کو تمہارا مجرم سمجھتا رہوں گا۔"

"لاریب بی بی غصے میں تھیں' پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا۔ آج تک کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں ہوئی ہم سے اور آج......!" وہ متاسف اور بے حد متفکر سی ہاتھ مسل رہی تھی۔

"پریشان مت ہو' چھوٹے لوگ اور معمولی باتیں ان کے معیار سے بہت نیچے ہیں۔" سکندر کا لہجہ تلخ اور کاٹ دار تھا ثانیہ کے چہرے پر دکھ پھیل گیا۔ وہ اسے ڈوبتی نظروں سے تکنے لگی۔

"مگر تم معمولی نہیں ہو' اس بات کا اندازہ انہیں کبھی نہ کبھی ہو جائے گا۔" سکندر کے چہرے کی تلخ مسکان مزید گہری ہوگئی۔ کچھ کہے بغیر وہ نیچے اتر کر آیا تو لاریب کو صحن میں کرسی پر بیٹھے بظاہر میگزین کی ورق گردانی کرتے پایا۔

"یہ لڑکی کیا لگتی ہے تمہاری؟" اس کا مخاطب گھر سے باہر جاتا سکندر تھا۔ اس نے بے اختیار تھم کر اور کسی قدر خائف انداز میں لاریب کی شکل دیکھی۔ اماں بھی وہیں تھیں۔ اس سے کچھ بعید نہ تھا کچھ بھی الٹی سیدھی ہانک دیتی۔

"کون ثانیہ؟ پتر یہ بہن ہے سکندر رے کی۔" اماں نے سکندر کی جانب سے جواب نہ پا کر جلدی سے وضاحت کی۔ سکندر نے لاریب کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکان کی جھلک دیکھی۔

"جو آپ سمجھی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے' بہتر ہے دل میں کسی غلط فہمی کو جگہ نہ دیں۔" وہ تیز قدموں سے

اس کے قریب آیا اور بے حد مدہم آواز میں اس طرح کہا کہ صرف وہی سن سکے۔ لاریب کے چہرے کے زہر خند تاثرات میں حقارت بھی سمٹ آئی۔

"نو آرگیومنٹ اوکے' بیوی سمجھ کر وضاحتیں پیش نہ کرو میرے آگے۔" وہ مدہم مگر سرد لہجے میں غرائی اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سکندر بھی اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

"شادی کیوں نہیں کرلیتے اس سے؟ ویسے بھی تم یہی ڈیزرو کرتے ہو۔" وہ اسے دیکھتے ہی پھنکاری سکندر اسی سنجیدگی سے تکتا کچھ اور نزدیک آ گیا۔

"مجھے آپ سے یہی کہنا ہے لاریب صاحبہ کہ آپ کی دشمنی آپ کی نفرت مجھ تک محدود رہے تو بہتر ہے اپنی فیملی کا ہر فرد مجھے صرف عزیز نہیں ان کی عزت نفس بھی مجھے پیاری ہے۔ میں ہرگز آپ کو اجازت نہیں دوں گا کہ آپ انہیں کسی بھی لحاظ سے ہرٹ کریں۔ میرا خیال ہے آپ بات سمجھ گئی ہوں گی میری۔" اپنی کہہ کر وہ رکا نہیں جس سنجیدگی سے آیا تھا اسی سنجیدگی سے پلٹ گیا۔ لاریب تو گویا گنگ رہ گئی۔

❁ ......۞...... ❁

کسی سے اس لیے بھی دشوار ہے خفا ہونا
منانے آئے گا ہم کو بھی یار مشکل ہے

سکندر برآمدے کے پلر کے ساتھ بچھے تخت پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک بازو آنکھوں پر تھا۔ خالہ کو صفدر کے رشتے سے انکار اور معذرت کی جا چکی تھی جبھی وہ خاصا ریلیکس تھا۔ اماں کچھ فاصلہ پر دھونے والے کپڑوں کا ڈھیر لیے بیٹھی تھیں۔ بابا اپنی بکریوں کا چارہ کاٹنے جانے والے تھے اور درانتی کی دھار کو پتھر کے ٹکڑے پر رگڑ کر تیز کرنے میں مصروف تھے۔ آنگن دھوپ سے بھرا ہوا تھا۔ فضا میں بابا کی درانتی کی رگڑ کی آواز پھیلی ہوئی تھی جس میں کچن سے ثانیہ کے کھانے پکانے کے دوران گاہے بگاہے اٹھتی برتنوں کی کھنک دب رہی تھی۔ تبھی لاریب اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں آ گئی۔ اس کے لمبے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ شعاعیں بکھیرتا نازک سراپا اور بے نیازی و نخوت کا مخصوص تاثر اسے مغرور اور بے تحاشہ دلکش بنا کر دکھاتا تھا۔ سکندر کی نگاہ اس پر ٹھہری تو دل سیرابی کی خواہش کی تکمیل سے نظریں نہیں چرا سکا۔ عجیب سی حسرت عجیب سی بے کسی اس کے دل پر وارد ہونے لگی۔

عجیب راز جنوں تھا جو میرے دل پر کھلا
تیری گلی میں بھی آ کر قرار مشکل ہے
ہمارا کون ہے اہل وفا کی بستی میں
ملے گا کوئی ہمیں غمگسار مشکل ہے

اس کے لبوں سے سرد آہ نکل گئی۔ کچھ خواہشیں کتنی بے مایا ہوتی ہیں مگر ان کی تکمیل کی چاہ ذلت و خواری کی اتھاہ گہرائی میں لے جا کر لمحہ لمحہ تڑپاتی ہے' سلگاتی ہے اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے محبت؟ اس کے دل نے کتنی المنا کی کی کیفیت میں دماغ سے سوال کیا تھا۔

"لے بھلا اب یہ سکندر را خود سو گیا۔ ہمیں کہاں یہ مشین چلانی آتی ہے۔ اس وقت بجی تھی تو چلا دیتا۔ کم نبٹ جاتا ہتھ سے وی دھونے نئیں دیتا مجھے، کہتا ہے اماں تیری سہولت کی خاطر تو لایا ہوں مقصد گھر بھرنا اور سجانا تھوڑی تھا۔" گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتی لاریب اماں کی آواز پر چونکی اور بے مقصد انہیں تکنے لگی۔ اس کے باوجود بھی کہ وہ اس سے مخاطب نہیں تھیں بابا سے کہہ رہی تھیں لہجے میں بیٹے کی محبت کا فخر اور مان بول رہا تھا۔ کیسی ہوتی ہے یہ محبت' جھاڑ میں الجھ جانے والے نازک سے کپڑے کی مانند جسے جتنی مرضی احتیاط اور نرمی سے الگ کرو' سوراخ اور چھید پھر بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ لاریب کا دل گداز ہونے لگا۔ یہ وہ عورت تھی جس کی وہ دانستہ قدم قدم پر تذلیل کرنے لگی تھی مگر وہ پھر بھی محبت و شفقت کا سمندر تھیں جس میں اس کی نفرت کی چند بوندیں اپنا وجود لمحہ بھر میں کھو بیٹھتی تھیں۔

وہی آنکھوں سے چھلکتی ممتا بھری چاہ' وہی خصوصی

لگاؤ بھرا میٹھا انداز جس میں ایسی اثر پذیری تھی کہ لاریب کو اپنے عمل اپنے فعل پر نادم ہوتے ہوئے بھی شرمندگی آن جکڑتی اس پل بھی جب وہ باہر آئی تو کیسے انہوں نے اس کا آؤ بھگت کیا تھا۔ بیٹھنے کو کرسی پیش کی تھی۔ اتنے دن ہوئے تھے اسے یہاں رہتے مگر ان کا انداز پہلے دن کی طرح ہی والہانہ ہوتا تھا۔ وہ ان کی محبت کے آگے اپنی نفرت کو بے تاثر پاتی تو اندر تک سناٹے پھیل جاتے تھے۔ سارے منصوبے ساری ترکیبیں خاک میں جا ملتیں۔

''تے رہن دے ضروری ہے ابھی کم کرنا' تھکا ہوا آیا ہے لگ گئی ہے اکھ تو بے آرام نہ کر بڑی مہربانی۔'' بابا نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا اور درانتی کے ساتھ چارے کا کپڑا اٹھا کر نکل گئے۔ سکندر نے گہرا سانس بھرا اور کسلمندی جھٹک کر اٹھنے کو تھا کہ یکدم اسی زاویے پر ساکن رہ گیا۔ اس نے حیرت سے لاریب کو اٹھتے اور اماں کے پاس جاتے دیکھا۔ پتا نہیں وہ ان کی مدد کر رہی تھی یا گائیڈ کرنے کی کوشش۔

''پہلے پانی اور سرف ڈال کر اسے آن کریں، ایسے۔'' اس نے خود بٹن کو گھمایا پھر کپڑوں کے ڈھیر کی سمت متوجہ ہوئی۔

''کلرز اور وائٹ کپڑوں کو الگ کرلیا کریں تاکہ رنگ خراب نہ ہو۔'' کپڑوں کے الگ ڈھیر بناتے ہوئے وہ باقاعدہ سمجھا رہی تھی اور اماں بوکھلائی جا رہی تھیں۔ اونچے گھرانے کی نازک مزاج بہو کے کرنے کے یہ کام تھوڑی تھے۔ ان کی بوکھلاہٹ اسی باعث تھی۔ مگر لاریب کسی اور موڈ میں تھی کہ دھیان دیے بغیر لگی رہی۔ شاید اس وقت موڈ بحال تھا اور دل پر رحم کا فطری جذبہ حاوی تھا۔ جبھی ان سے کی گئی زیادتیوں کا معمولی سا ازالہ کرنے میں مگن تھی۔ جھکنے کے باعث اس کے بے حد لمبے سلکی بال ڈھلک کر کاندھوں سے ہوتے آگے جھولنے لگے۔ ان کی اوٹ میں اجلا جھلملاتا ہوا چہرہ گویا چاند کے گرد سیاہ بدلیوں کا جھرمٹ تھا۔ وہ مسحور ہونے لگا۔

''جب بزر بجے گا تو مشین خود بخود رک جائے گی۔ پھر یہ کپڑے نکال کر دوسرے ڈال دیجیے گا۔'' وہ اگلی ہدایت دے کر پلٹی اور واپس اپنی کرسی پر جاکر بیٹھنے کی بجائے اس کا رخ برآمدے کی جانب ہوگیا تھا۔ ارادہ کمرے میں جانے کا ہوگا مگر اس پل سکندر کی حیرانی و گڑبڑاہٹ کی انتہا نہ رہی جب اس نے سکندر کے سر پر پہنچ کر ہاتھ بڑھایا اور اس کی آنکھوں پر دھرا بازو ایک جھٹکے سے کھینچا۔

''کیوں دیکھ رہے ہو اس طرح سے مجھے؟'' تپتی گھورتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ استفسار کر رہی تھی۔ سکندر کے گمان میں بھی نہیں تھا وہ اس کی اس چوری سے آگاہ ہوجائے گی اور استفسار بھی کرے گی۔ جبھی فطری طور پر کنفیوژ ہوکر رہ گیا۔

''مجھے بزدل مردوں سے شدید نفرت ہے۔'' اس کا لہجہ حقارت سے بھرپور تھا۔ وہ ایک بار پھر وہی تلخ ترین لڑکی تھی۔ جو اجنبیت تلخی اور نخوت میں ثانی نہیں رکھتی تھی۔ سکندر کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ ہوگیا۔ اس کے خیال میں لاریب کا فقرہ نہیں چابک تھا جو اسے بلبلانے پر مجبور کر گیا تھا۔ لاریب اپنی

> ### جدید محاورے
>
> ❖ جاتی وزارت کی شیروانی ہی سہی۔
>
> ❖ خرچ بڑھتا گیا جوں جوں کمائی کی۔
>
> ❖ ایک روٹی ساری دنیا میں گھماتی ہے۔
>
> ❖ کر چوری..... بھر تجوری۔
>
> ❖ شاعر کا منہ کھلے تو وہ محبوب مانگتا ہے۔
>
> ❖ سیاست دان کا منہ کھلے تو وہ ووٹ مانگتا ہے۔
>
> ❖ پولیس کا منہ کھلے تو وہ مک مکا کی صدا لگاتا ہے۔
>
> ❖ ڈاکٹر کا منہ کھلے تو وہ کیئر چارجز مانگتا ہے۔
>
> انا خان مہوش.....رنگ پور

بات کہہ کر جا چکی تھی معاً وہ یکدم اٹھا اور تلملاتا ہوا اس کے پیچھے آ گیا۔

''کسی کی شرافت کو اگر بزدلی گردانا جائے تو پھر اس غلط خیال کی تصیح ضروری ہو جاتی ہے۔ میں محض آپ کی انا اور نسوانیت کا لحاظ کر رہا تھا مگر ضروری نہیں یہ لحاظ قائم رکھا جائے۔ مجھے لازماً اپنی پوزیشن کلیئر کر دینی چاہیے کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور۔'' اس نے جاتے ہی لاریب کو پیچھے سے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر بے بس کرتے ہوئے اپنے مقابل کیا اور اس کی کسی حد تک حیران اور خوفزدہ ہوجانے والی نظروں میں اپنی آنکھیں گاڑھتا ہوا بے حد درشتی سے بولا۔ لاریب کو اس اچانک پڑنے والی افتاد پر جتنے بھی پتنگے لگے ہوں مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کے سرکش خودسر تیور لاریب کی جان نکالنے لگے تھے۔ شاید وہ اس کی بات کو اپنی مردانگی پر تازیانہ سمجھ بیٹھا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے سکندر' ہوش میں تو ہو تم؟ چھوڑو مجھے۔'' وہ اس کے بازوؤں کے آہنی حصار میں پھڑپھڑائی۔ جتنی بھی اندر سے خائف تھی مگر یہ طے تھا کہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا یہی تنفر سکندر کی سرکشی کو بڑھانے لگا۔

''تم یقین کرو..... تم مجھے غصے میں اور بھی اچھی لگتی ہو' یو نو..... یہ غصہ بھی آس دلاتا ہے امید جگاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی تمہاری بے گانگی کو ختم کردے گا۔ اس بے گانگی میں دراڑیں پڑتی ہیں تو آس اور امید کی روشنی مجھے اجالنے لگتی ہے۔ تاریکیاں تکلیف دہ نہیں رہتیں۔ مستقبل غیر واضح نہیں لگتا۔'' اس کے الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ شوخ تھا اس قدر تلخی و تنفر اس کے اندر اتر آیا تھا کہ اس کے ایک ہی جھٹکے کے نتیجے میں لاریب اچھل کر بستر پر گری ساتھ ہی سکندر بھی۔ لاریب خود کو چھڑانے جبکہ سکندر اس پر تسلط جمانے کی کوشش میں تھا اور فطری طور پر سکندر اس پر حاوی تھا۔

اس تصادم اور دھکم پیل کے نتیجے میں پہلے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرا ٹیبل لیمپ لہرا کر زمین بوس ہوا پھر گلدان گر کر ٹوٹا اور عین اس پل جب سکندر کے توانا بھرے ہوئے وجود کے آگے وہ پرکٹی چڑیا کی مانند مکمل طور پر اس کی تحویل میں جا چکی تھی باہر سے اماں کی پریشان کن اور گھبراہٹ زدہ آواز بند دروازے کے پیچھے سے اس تک پہنچی تھی۔

''سکندر رے..... سکندر رے پتر خیر تے ہے نا، کی ہویا؟'' انہی کی آواز جیسے سکندر کو وحشت کے صحراؤں سے زبردستی کھینچ لائی۔ اس نے اپنے بازوؤں میں پھنسی خزاں زدہ پتے کی طرح کانپتی وحشت چھلکاتی لاریب کو ہونٹ بھینچ کر دیکھا اور گہرا سانس بھرا۔

''یہ مت سمجھیے کہ چھوڑ رہا ہوں آپ کو رات کو پوچھوں گا۔'' اس کا لہجہ ہنوز تند تیز اور غصیلا تھا۔ اسے تنفر بھرے انداز میں زور سے جھٹکتا آندھی طوفان کی طرح باہر نکل گیا۔ لاریب کتنی دیر تک اپنے بکھرے حواس بحال نہیں کر پائی تھی۔ بے بسی بے مائیگی کا سسکتا ہوا احساس آنکھوں میں خوف کے باعث ٹھہر جانے والے آنسوؤں کو گالوں پر اتار لایا۔ اس کی دھمکی کو یاد کر کے اس کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

❀......۞......❀

ہونٹ سختی سے بھینچے سر جھکائے وہ مٹی کے چولہے میں سلگتی آگ کو تکتی تھی۔ کچن کی فضا میں حدت آمیز ملگجا اندھیرا تھا۔ لائٹ اس نے دانستہ بند کردی تھی۔ اماں اور ثانیہ نے کام کاج کے دوران اسے وہاں بیٹھے ضرور دیکھا تھا مگر ظاہر ہے ٹوکنے یا وجہ پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکی تھیں۔ سکندر کچھ دیر قبل ہی گھر پہنچا تھا کھانا اماں نے اسے وہیں کمرے میں پہنچا دیا وہ خائف سی وہیں بیٹھی رہیں۔

''کیا یہ بنا دروازے کا اوپن کچن میری حفاظت گاہ بن سکے گا؟'' اس نے خود سے سوال کیا اور بے بسی کے نوکیلے تیر دل میں اترتے محسوس کر کے آنکھوں کو نم ہونے سے بچا نہیں سکی۔ زندگی لاچاری و بے بسی کے

کیسے انوکھے جاں گسل موڑ پر لے آئی تھی۔ باہر وقفے وقفے سے گونجتی آہٹیں مدھم پڑتی گئیں۔

گویا اماں اور ثانیہ کے سارے کام نبٹ گئے تھے۔ جیسے ہی ان کے کمروں کے دروازے بند ہوئے اسی لمحے کا منتظر سکندر باہر آجاتا پھر...... پھر اس کے بعد......! اس سے آگے بے بسی اور وحشت زدگی کے احساس کی ان کہی داستان کا آغاز ہوجاتا۔ لاریب کا بس ہی نہیں چلتا تھا کہ بیرونی دروازہ کھول کر گھر سے ہی بھاگ جائے۔

"آہم......!" سکندر کی مدہم کھنکار پر وہ اپنی جگہ پر ایسے اچھلی جیسے سانپ دیکھ لیا ہو۔ سکندر کی گہری نظروں کا ارتکاز اس کی گھبراہٹ کو پارہا تھا۔

"سونے کا ارادہ نہیں ہے آج؟" اس کا مدہم لہجہ صلح آمیز تھا مگر لاریب کو اس وقت وہ زہر سے بھی زیادہ برا لگ رہا تھا۔ اس نے خود کو غیر محسوس انداز میں سکڑا۔ وہ بری طرح خائف اور بے امان نظر آتی تھی۔ سکندر کو اس پر رحم آیا۔ وہ اس کے خوف سے اچھی طرح آگاہ تھا۔

"آپ اندر چلیں لاریب اگر میری موجودگی سے آپ ہرٹ ہیں تو پھر ٹھیک ہے میں نہیں جاتا بیڈ روم میں جسٹ ریلیکس۔" اس کا گمبھیر لہجہ بہت مدہم تھا۔ لاریب نے چونک کر بلکہ ٹھٹک کر اسے دیکھا مگر اگلے لمحے نگاہ کا زاویہ بدل لیا کہ وہ پوری طرح متوجہ تھا۔

"آئی ایم سوری' اس وقت میں بہت غصے میں تھا۔ مجھے بہر حال آپ سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔ لاریب نے بے اختیار لانبی پلکیں اٹھائیں، سکندر نظریں چار ہونے پر بے بسی سے مسکرایا۔

"اگین سوری میں کبھی بھی کسی بھی معاملے میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا بلکہ اگر میرے بس میں ہوتا تو آپ کی سب سے شدید خواہش جان وار کر بھی پوری کردیتا۔ ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ محافظ لٹیرے نہیں ہوسکتے۔ حالات نے آپ کو بے بس ضرور کیا ہے میں کبھی آپ کو جبر اور ناپسندیدگی کے راستوں پر نہیں چلاسکتا۔" وہ ایک بار پھر وہی سکندر تھا۔ دھیما پر خلوص اور خود پر ضبط و جبر کا قائل۔ لاریب پر پہلی مرتبہ اس کی شخصیت کا یہ رنگ کھلا یا شاید پہلی بار دل سے اس کی برداشت ہمت اور اعلیٰ ظرفی کی قائل ہوئی۔ اس کے مدہم لہجے میں کتنی تشنہ آرزوؤں کا قتل تھا یہ بھی عین اسی پل اس پر کھلا تھا مگر وہ اس آخری سوچ پر دانستہ دھیان لگانا نہیں چاہتی تھی۔ سکندر کے اشارہ کرنے پر اس نے اٹھ کر قدم بڑھائے جو دروازے کی چوکھٹ پر جاکر تھم گئے۔ اس نے پلٹ کر سکندر کو تذبذب کی کیفیت میں دیکھا۔

"تم کیا کرو گے اب؟" سکندر کی ساری یاسیت اور پژمردگی جیسے اندر سے امڈ کر آنے والی شوخی و شرارت کے آگے بھاپ بن کر اڑ گئی۔

"میں نے تو آج ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی سر کرنے کا گولڈن پلان بنایا تھا مگر...... اب ساری رات سگریٹ پھونکوں گا اور تصویر جاناں سے ہی دل بہلانے کی کوشش کروں گا۔ حالانکہ کامیابی کے چانسز کم ہیں۔" اس کا چہرہ بھلے سنجیدہ تھا مگر آنکھوں سے شرارت کے رنگ چھلک پڑتے تھے۔ لاریب کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشہ سرخ پڑ گیا۔ حجاب آمیز خفگی کا شکار ہوتی وہ اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہیں سکی اور اندر گھس کر زوردار آواز سے دروازہ بند کرلیا۔

وہ ہمدردانہ جذبات جو اس کے لیے دل میں جاگے تھے اسی خباثت کی نذر ہوگئے۔ وہ مہر لگا چکی تھی اس سوچ پر کہ وہ گھٹیا انسان ہرگز بھی کسی ہمدردی کے لائق نہیں۔ دوسری جانب سکندر سیڑھیوں کی جانب بڑھتا اب ہلکا پھلکا ہوکر مسکرایا تھا۔ لاریب کا جھنجلاہٹ غصے اور ناراضی کے گہرے تاثر سے سجا چہرہ اس کے تصور کے پردے پر لہراتا تھا۔ اس جھنجلاہٹ نے بھی اس کی خوبصوتی پر اثر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اس روپ میں بھی ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کا سبب بن چکی تھی۔ یعنی

طے ہوا تھا حسن ہر عالم میں اثر دکھاتا ہے۔

"میں تمہیں اپنی محبت سے ہی فتح کروں گا لاریب، مجھے ہمت نہیں ہارنی۔" وہ نئے سرے سے پر عزم ہوا۔ محبت انسان کو کبھی مایوس ہونے نہیں دیتی۔

❁......۞......❁

کل رات کے تفکر اور غصے کے باعث وہ کھانا نہیں کھاسکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صبح اٹھتے ہی پہلا شدید احساس بے تحاشہ بھوک کا تھا۔ اس نے کسلمندی سے کروٹ بدلی پھر سر اٹھا کر ملگجے اندھیرے میں وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ نو بج رہے تھے صاف مطلب تھا سکندر جاچکا ہوگا۔ اس کا ذہن بے حد ریلیکس ہوا۔ واش روم میں آکر منہ ہاتھ دھونے کے بعد جوڑے کی شکل میں کھلے بال لپیٹتی دروازے تک آئی تو کچھ خیال آنے پر مڑ کر بیڈ کے سرہانے پڑا دوپٹا اٹھا کر شانوں پر پھیلالیا۔ سکندر بھلے چلا گیا تھا مگر بابا کی موجودگی کا امکان باقی تھا۔ وہ جتنی بھی خود سر بے لحاظ بنتی تھی مگر فطری حیا اور تربیت کا اثر تھا کہ کبھی ان کے سامنے بنا دوپٹے کے نہیں گئی تھی۔ دروازہ اور برآمدہ پار کرکے وہ باہر آگئی۔ آنگن خالی تھا البتہ کچن سے کھٹر پٹر کی آوازوں کے ساتھ اماں اور ثانیہ کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لاریب صحن عبور کرکے دروازے پر آئی تو اماں کی نگاہ اس پر پڑی۔

"آؤ آؤ پتر! ماں سو واری صدقے جگ جگ جیو۔" ان کا وہی مخصوص والہانہ سا استقبال تھا جبکہ لاریب سکندر کو وہاں براجمان پاکر جی بھر کے بدمزا ہوگئی۔

"اگر بیٹے کی خدمت اور لاڈ ختم ہوگئے ہوں تو میرے لیے بھی ناشتہ تیار کردیں۔" وہ جتنا کلسی تھی اسی لحاظ سے اس کا لہجہ بے زاری و ناگواری سے لبریز تھا۔ سکندر آہ بھر کر رہ گیا۔ یعنی حد تھی رقابت و جیلسی کی بھی جبکہ اس کے برعکس اماں اور ثانیہ کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔ اس کے ماتھے پر آئی کئی شکنوں کے باعث۔

شمائلہ قیوم

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف' رائٹر اور قارئین کرام کیسے ہیں' امید ہے تمام لوگ خیریت سے ہوں گے ہر ماہ بہت سی دوستوں' بہنوں کے بارے میں پڑھتی ہوں آج سوچا کیوں نہ میں آنچل میں انٹری دوں۔ مجھے شمائلہ کہتے ہیں میری دوست مجھے بیلی کہتی ہیں جی تو دوستو 7 دسمبر کو خوب صورت سے دن عیسیٰ خیل کے قریبی گاؤں شیخانوالہ میں جلوہ افروز ہوئی' ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ میرا نمبر چھٹا ہے بہت زیادہ بولتی ہوں' فیورٹ کلر بلیک اینڈ پنک ہے۔ نئے نئے لوگوں سے ملنے کا بہت شوق ہے ہر کسی سے فری ہوجاتی ہوں اسی وجہ سے دھوکے بھی بہت کھاتی ہوں۔ فرینڈز بے شمار ہیں جن میں سونیا' ارسہ' راحیلہ' صوفیہ' فاطمہ' عارفہ' مسرت' نمرہ' انعم بس یہی کافی ہے' اللہ حافظ۔

"کیوں نہیں پتر' آپ بیٹھو تو سہی' میں پراٹھا پکاتی ہوں۔" انہوں نے تیزی سے اس کے ناشتے کا اہتمام شروع کیا تو ثانیہ نے اسے پیڑھی پیش کی۔

"کیوں تکلیف کرتی ہو ثانیہ یہ اپنے کمرے میں ناشتا کریں گی۔" سکندر کی رسان سے کہی گئی بات نے لاریب کا سارا موڈ ہی خراب کردیا تھا۔

اس نے سکندر پر تپتی نظر ڈالی اور پیڑھی اس کے برابر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس پر کچھ جتلانا چاہا تھا۔ عین ممکن ہے اس حرکت کے پس پردہ کوئی جذبہ رقابت کا یا پھر پیرے داری کا بھی ہو جس سے وہ فی الحال خود بھی انجان تھی۔ البتہ سکندر دم بخود رہ گیا تھا۔

"آج غالباً سورج مغرب سے نکلا ہے اور مغرب میں غروب ہوگا۔" مسکراہٹ دبائے کہہ کر اس نے نوالہ منہ میں ڈالا۔ صاف اسے ہی نشانہ بنایا گیا تھا لاریب نے دانستہ نظر انداز کردیا۔

"اس عزت افزائی کے لیے شکر گزار ہوں، اگر ساتھ بیٹھ سکتی ہیں تو پھر ناشتے میں شریک ہوکر اس

عزت افزائی میں کچھ مزید اضافہ کردیں۔'' نوالہ توڑ کراس کے منہ کی جانب بڑھایا۔ وہ مسکراہٹ دبا کر شریر انداز میں کہتا لاریب کو شپٹانے پر مجبور کر گیا۔ اسے یقیناً اماں کی موجودگی میں سکندر سے ایسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔ لاریب نے ایک نظر اسے پھر اماں کو دیکھنا چاہا مگر نظر ثانیہ سے ٹکرا گئی جو ساکن سی تھی اور اڑے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔ ساکن تو لاریب بھی رہ گئی۔ جو نہ گمان تھا نہ شک اس کا یقین ہوگیا تھا اسے۔

ثانیہ اور سکندر.........سکندر اور ثانیہ.........

عجیب احساسات تھے۔ اس نے پہلے نگاہ کا زاویہ بدلا پھر ناگواری کے احساس سمیت سکندر کا ہاتھ جھٹک دیا مگر وہ جانے کس دھن میں تھا اس مستی میں مسکرایا پھر اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے زور سے ٹکرا دیا۔

''لکھ کے رکھ لو میں بزدل نہیں ہوں اماں کی موجودگی میں رومینس کرنے والا بزدل ہو بھی نہیں سکتا۔'' وہ ہنس رہا تھا آنکھوں میں لو دیتی چمک اور شرارت تھی۔ لہجہ گو کہ سرگوشی سے مشابہہ تھا اس کے باوجود لاریب کا خون کھول اٹھا۔ ثانیہ تیزی سے اٹھ کر کچن سے جا چکی تھی۔ لاریب کی نظروں نے اس کا دور تک پیچھا کیا۔

''یہ جی داری کی نہیں بے شرمی کی انتہا ضرور ہے نان سنس۔'' وہ جواباً دھیمی آواز میں غرائی اور ایک جھٹکے سے اٹھی مگر سن ہو کر رہ گئی جب اپنا ہاتھ سکندر کے سانولے بھاری ہاتھ میں جکڑا پایا۔

''تم کمرے میں آ کر ذرا بات سنو میری۔'' پوری قوت صرف کرکے ہاتھ چھڑانے کے بعد وہ پھنکار کر بولی اور جھٹکے سے مڑ کر چلی گئی۔ سکندر نے کن انکھیوں سے اماں کو دیکھا ان کا رخ چولہے کی جانب تھا اور پورا دھیان پراٹھے بیلنے میں وہ کھسیا سا گیا اسے لگا اماں جتنی غافل لگ رہی ہیں اتنی ہوں گی نہیں واقعی وہ کچھ زیادہ بہک گیا تھا۔

''اتنی جلدی اثر ہوگیا آپ پر بھی؟'' وہ اندر آتے ہی اسے شوخ نظروں کی گرفت پر رکھ کر بولا لاریب نے پلٹ کر اسے کینہ توز نظروں سے دیکھا۔

''بکواس مت کرو۔'' وہ غرائی۔

''اس طرح کمرے میں بلوانے کا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے؟'' سکندر ہنوز غیر سنجیدہ تھا لاریب کا دماغ خراب ہونے لگا۔

''ثانیہ کے ساتھ کس قسم کے تعلقات ہیں تمہارے؟'' وہ آنکھیں دکھاتے ہوئے بے حد کڑے تیوروں میں استفسار کر رہی تھی۔ سکندر یکدم سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا لاریب زہر خند ہوئی۔

''بہتر ہے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو سمجھے؟''

''ویسے نہیں ہیں کم از کم جیسے آپ سے ہیں۔''

''اس کا مطلب گہرا اور چیپ تعلق ہی ہے۔'' لاریب کی بات نے سکندر کو جیسے جہنم میں دھکیل دیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ چیخا۔ لاریب حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''یو شٹ اپ۔ ڈونٹ شاؤٹ اوکے؟ اس کا پروپوزل آیا تم نے زبردستی منع کرا دیا کیا مطلب ہے اس کا؟'' وہ پھنکار رہی تھی۔

''صفدر ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ ثانیہ کی شادی اس سے کی جاتی۔'' سکندر کو نا چاہتے ہوئے بھی اصل وجہ بتانا پڑی جس نے لاریب کے چہرے پر زہر خند بکھیر دیا۔

''قابل تو تم بھی نہیں میرے لیکن ہوگئی شادی اس کی بھی ہو جانے دو۔'' وہ پتا نہیں آرڈر کر رہی تھی یا اس کی قسمت کا فیصلہ۔ سکندر کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

''جب آپ نے خود کو دانستہ برباد کیا آپ کو کسی نے روکا نہیں تھا مگر میں ثانیہ کو کنویں میں چھلانگ لگانے نہیں دوں گا۔ مرضی ہے آپ کی جو دل کرے سمجھ لیں اس کا مطلب۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکنا نہیں چاہتا تھا مگر لاریب نے جھپٹ کر اس کا بازو دبوچ لیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم کرلو اس سے شادی کم از کم گناہ سے ہی بچ جاؤ گے۔'' سکندر نے نہ صرف اپنا بازو چھڑایا بلکہ عجیب سی وحشت میں گھرتے اسے زور سے بیڈ پر دھکیل دیا۔

''آپ پاگل ہوگئی ہیں میرے پاس اس پاگل پن کا کوئی علاج نہیں ہے۔'' اس نے دبے ہوئے لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔ لاریب جیسے گری تھی ویسے ہی پڑی رہی۔ روتی رہی اسے پہلی بار اپنے رونے کی اپنے دکھ کی اصل وجہ بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

❀ ...... ۞ ...... ❀

بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اب کی بار سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر خیال آتا ہے
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

فاطمہ نے سرد آہ بھری اور ایک نظر آسمان کو دیکھا۔ وہ ضروری سامان کی خریداری کے لیے مارکیٹ آئی تھی۔ تب بادل ضرور تھے مگر بارش شروع نہیں ہوئی تھی۔ اب بھیگتے ہوئے جانا انتہائی غیر مناسب بات تھی۔ اسے وہ گلابی شام یاد آئی جب ایسے ہی موسم میں وہ ابر رحمت بن کر اس پر چھا گیا تھا۔ موسم کی طرح برستا اور بادلوں کی طرح سے خفا خفا سا مگر کتنا اپنا اپنا لگتا تھا۔ وقت گزر گیا تھا مگر یادوں کا سنہرا رنگ اس کی ہتھیلیوں اس کی آنکھوں پر ٹھہرا ہوا تھا۔

اس نے گہرا سانس بھرا اور کچھ سوچ کر روڈ کی بجائے اندرونی گلیوں کا انتخاب کرنا مناسب سمجھا کہ موسم کی شدت کے باعث گلیوں میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ ٹریفک کے اژدھام سے بچتی بچاتی کسی نہ کسی طرح وہ سڑک کراس کرکے فٹ پاتھ پر آ گئی۔ بارش اب پھوار کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ بادلوں کے باعث ماحول پر نیم تاریکی کا غلبہ تھا۔ موسم کی خنکی ایک تواتر سے جسم میں اتر رہی تھی۔ پر ہنگام بھیگی شاہراہ سے وہ نسبتاً سنسان سڑک پر آ گئی۔ اسٹیڈیم کے عقبی پارک میں بھیگتے سبزے کی ہوا میں رچی بھرپور مہک کو گہرا سانس بھر کر اندر اتارتی وہ تیز قدموں سے چلتی جیسے سرتاپا ٹھٹھک کر تھم گئی۔

بلیک جینز پر ہاف سلیوٹی شرٹ میں ملبوس خود سے بے پروا کسی حد تک بھیگا ہوا وہ عباس حیدر ہی تھا۔ خوشی ایک سنسنی کے احساس سمیت اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔ اسے یوں غیر متوقع سامنے پانا اس کے لیے جیسے ایک معجزہ تھا۔ وہ سب کچھ فراموش کیے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے برابر آ کر اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

عباس جو اس بھیگی رت میں سگریٹ سلگانے کی ناکام کوشش میں مبتلا تھا اس خاموش ہم سفر کی آہٹ محسوس کرکے چونکا۔ گردن موڑ کر کسی قدرے تاثر انداز میں نگاہ بھر کر اس بے وقوف دیوانی اور پاگل لڑکی کو دیکھا۔ خوشی کا جھل مل کرتا رنگ اس کے چہرے پر سونا بن کر بکھر رہا تھا۔ اس کے لبوں کی مسکان ایسی ہی بے اختیار تھی جیسی آسمان سے اترتی بوندیں، جبکہ عباس کی آنکھوں میں برہمی سمٹ آئی۔ اسے دیکھنا اذیت کے سمندر کی گہرائیوں میں ڈوبنا تھا۔ عریشہ کی بدگمانی عباس کو کانٹوں پر گھسیٹنے لگتی۔

''کیسے ہیں آپ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' عباس کی آنکھوں کی بڑھتی جلن اور بھینچے ہوئے ہونٹوں پر اس کی نگاہ جانے کیوں نہیں جا سکی۔ یا اس نے دانستہ تغافل برتا تھا۔ اس کی ذات نے اس کے سوالوں سے۔ اس کی ساری توجہ دائیں جانب بنی نرسری کے

سرسبز و شاداب پودوں پر تھی۔ اس کے باوجود فاطمہ نے ہمت نہیں ہاری اور گہرا سانس بھر کر اس شاندار قامت رکھنے والے خوبرو وجیہہ انسان کو دیکھا تھا۔ جو خود سے اس درجہ بے پروائی و غفلت برتنے کے باوجود آج بھی دلوں کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔

"اگر آپ مجھے یہاں نہ ملتے تو بھی مجھے آپ کے گھر آنا تھا۔ اسامہ اور دیا کو آپ سے ملوانے کے لیے۔ میں سمجھتی ہوں بچوں کو آپ کی توجہ اور محبت ضرور ملنی چاہیے ورنہ وہ آپ کی پہچان بھی......" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ عباس کے چہرے کے بدلتے تاثرات نے اس کی زبان لڑکھڑا کر رکھ دی تھی۔ وہ پہلے چونکا پھر ٹھٹکا تھا۔ اس کے چہرے و آنکھوں میں واضح نافہمی کا تاثر تھا۔ جو اس کی ذہنی حالت تھی یقیناً وہ لاعلم تھا اس کے بچے کہاں اور کس حال میں ہیں وہ مسکرائی۔

"کیا کہنا چاہتی ہیں محترمہ نندنی صاحبہ آپ۔" وہ ہلکے سے غرایا۔ بارش اچانک تیز ہوئی۔ بوندیں اس کے بالوں کو بھگو کر اس کے چہرے سے پھسلتی گردن سے ہو کر گریبان میں جذب ہو رہی تھیں اسے دیکھنا فاطمہ کے لیے بینائی کا بہترین حق ادا کرنا تھا وہ مسکرائی۔

"بولو...... جواب دو میری بات کا۔" وہ زور سے پھنکارا۔ صبیح پیشانی پر شکن تھی مگر فاطمہ تو اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جنہوں نے اس کی کلائیاں وحشت زدگی کے عالم میں جکڑی تھیں اور وہ جیسے مسمرائز ہو رہی تھی۔

"میرے بچے گھر پر نہیں ہیں۔ وہ کہاں ہیں یہ میں نہیں جانتا تم جانتی ہو تم جو ان کی کچھ بھی نہیں لگتیں ہاؤ فنی۔" وہ پھنکارا۔ وہ زہریلی ہنسی ہنسا اور رعونت بھرے انداز میں اس کی کلائیاں ایک ساتھ چھوڑ دیں۔ فاطمہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہوئی اور گرنے سے بچی۔ اب ان کے درمیان بارش کی بوچھاڑ مہین پردے کی صورت تنی نظر آنے لگی۔ اس کی خفگی کا احساس ساری خوشی بہا لے گیا۔ اب وہ سراسیمہ ہوتی جا رہی تھی۔

"میں نے محسوس کیا تھا بچوں کی صحیح اور مناسب دیکھ بھال نہیں ہو رہی۔ جبھی میں انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔" وہ مجرم بنی بتا رہی تھی۔ الفاظ اس کے حلق سے پھنس کر نکلتے تھے۔ عباس کے تیور اس کی جان پر بن چکے تھے۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ حلق کے بل چیخا۔ یوں جیسے اس کی جرأت کا تعین نہ کر پا رہا ہو۔ اس کی نظروں کا دہکتا آتش فشاں فاطمہ کو بھسم کر دینے کے در پر ہوا تھا۔ فاطمہ پوری جان سے کانپنے لگی۔

"تم نے میرے بچوں کو اپنی کسٹڈی میں لے لیا۔ وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر ہاؤ ڈیئر یو۔" عباس کی آنکھوں میں درشتی، ناگواری اور شدید ترین غصہ عود کر آیا۔ اس کے چہرے پر سرخی تھی اور تیور جارحانہ جو فاطمہ کے اعصاب سن کر گئے۔

"چلو کہاں ہے تمہارا گھر۔ میں ابھی بچوں کو ساتھ لے جانا چاہوں گا۔" عباس نے یکدم آگے بڑھ کر جھپٹ کر اس کا بازو دبوچا اور اپنے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ فاطمہ اس افتاد کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ جبھی اس کے ہاتھ سے نہ صرف سامان کا شاپر چھوٹا بلکہ وہ توازن کھوتی اس کے جھٹکے کے باعث اس کے بازو سے جھول گئی۔ اس کے اوسان خطا ہوتے چلے گئے۔

"پپ...... پلیز ساحر...... میری بات تو سنیں۔" وہ بے ساختہ گڑگڑائی۔ مدھم لہجہ آنسوؤں سے بھیگا اور لجاجت آمیز تھا مگر عباس کہاں کچھ سننا چاہتا تھا۔

"شٹ اپ! شٹ یور ماؤتھ تم نے اتنی جسارت کیسے کر لی۔ میں ہرگز ایک انڈین غیر مسلم عورت پر اتنا ٹرسٹ نہیں کر سکتا کہ اپنے بچے اس کے حوالے کیے رکھوں۔"

"چھناک......!" فاطمہ کے اندر کچھ ٹوٹا اور ٹوٹتا چلا گیا۔ عباس کے لہجے کا طنز و حقارت اور کاٹ ایسی تھی کہ

اسے لگا وہ بے وقعتی بے مائیگی کے احساس کے ساتھ ذلت کے الاؤ میں دھکیل دی گئی ہے۔

عباس کے ہمراہ برستی بارش میں وہ گھر تک آئی تو سر تاپا کانپ رہی تھی۔ وہ اس کی ہمراہی میں یہاں آئی تھی۔ ایسی من چاہی ہمراہی جس کی اس کے دل نے بارہا خواہش کی تھی۔ ایک بار جب وہ اس کے ساتھ شمالی علاقہ جات گئی تھی تو اس نے سوچا تھا دل پسند من چاہا شخص ہمراہ ہو تو وہ بلا جھجک دہکتے کوئلوں اور کانٹوں سے اٹے راستوں سے بھی بنا کسی تکلیف کے ہنسی خوشی گزر جائے گی اور اب اس کے احساسات مختلف تھے۔

"تمہارے اس احسان کا بہت شکریہ، آج کے بعد میں اپنے بچوں پر تمہارا سایہ بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ سو...... بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔" بستر پر کمبل میں سوئے دونوں بچوں کو جیسے تیسے اٹھاتا۔ باہر نکلنے سے قبل وہ اپنی سرخ دہکتی آنکھوں کو اس پر جما کر تحکمانہ انداز میں بولا تھا۔ ایسا تحکم جس میں تنبیہہ بھی تھی اور سرد مہری بھی اس پل عباس کے لہجے میں اگر گھن گرج تھی تو آنکھوں میں چنگاریاں اس کے جانے کے بعد وہ گھٹنوں کے بل گر گئی۔

اسامہ اور دیا کے رونے کی آواز اسے بے بسی اور لاچاری کے ایسے گڑھے میں گرا رہی تھی جس سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ ایک بار پھر اس کی خیر سگالی کی کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی تھی۔ اس کا ہر جذبہ چاہے وہ کتنا ہی خالص اور پاکیزہ ہوتے بے کار جا رہا تھا۔ وہ سب کچھ لٹا کر بھی تہی دست تہی داماں تھی۔

❀......❁......❀

سنا تھا ہم نے بچپن میں
کبھی بھی یوں نہیں ہوگا
کہ گندم بو کے جو کاٹو
مگر ہم پہ جوانی میں
حقیقت یہ کھلی ہے کہ
بھلے کتنی خوشی بو لو
محبت کی زمینوں سے
دکھوں کی فصل اگتی ہے

سکندر نے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کرسی پر بہت شاہانہ انداز میں براجمان تھی اور ثانیہ کسی کنیز کی طرح اس کے قدموں میں بیٹھی اس کے پیروں پر کسی لوشن کا مساج کرنے میں مصروف اس کے چاندی جیسے بلوریں گداز پیروں پر ثانیہ کے ہاتھوں کی سانولی انگلیاں بہت زیادہ نمایاں تھیں۔ اس نے کچھ دنوں سے ثانیہ کے لیے لاریب کا رویہ بہت ہتک آمیز محسوس کرنا شروع کیا تھا۔ وہ اسے کسی مالکن کی طرح حکم دیتی اور بات بات پر بے وجہ جھڑکتی تھی مگر آج کی یہ حرکت سکندر کو حد سے زیادہ متکبرانہ اور معیوب لگی۔

"ثانیہ۔" اس سے برداشت نہیں ہوا تو وہ زور سے پکار اٹھا۔ ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ سکندر کو اس کے چہرے پر بے بسی محسوس ہوئی تھی۔

"ادھر آؤ۔" وہ سرد آواز میں بولا لاریب کو اس نے سرے سے نظر انداز کر رکھا تھا جس کی جتلاتی نظروں کو محسوس کر سکتا تھا۔

"مم...... میں سکندر کی بات سن لوں بی بی صاحبہ۔" ثانیہ لاریب کے آگے منمنائی۔ سکندر کا پارہ ہائی ہوا۔

"تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے ادھر آؤ فوراً۔" وہ بھڑک کر چیخا۔ لاریب اسے گھورتی ہوئی یکدم ہنس پڑی۔

"یہ میری اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتی سکندر صاحب، اسے اپنی حیثیت ازبر ہے۔ یقین نہیں تو کوشش کر کے دیکھو۔" لاریب کے لہجے میں تنفر و غرور تھا۔ سکندر ششدر رہ گیا تاسف رنج و ملال اسے شکستہ کرنے لگا۔ اسے گمان تک بھی نہیں تھا لاریب اس درجہ پستی میں بھی گر سکتی ہے۔

"تم اندر آ کر بات سنو میری۔" اب کے وہ بولا تو اس کی سرد آواز میں کوئی طوفان پوشیدہ تھا۔

"تم دیکھ نہیں رہے ہو میں پیڈی کیور کروا رہی ہوں۔ پھر رات کچھ کم نہیں ہوتی تمہاری باتیں سننے کو۔" ثانیہ پر کچھ جتلانے کچھ ثابت کرنے اسے جلانے کی کوشش میں وہ کس راستے پر چل پڑی ہے۔ اسے قطعی احساس نہیں رہا تھا۔ سکندر بھک سے اڑ گیا۔ ثابت ہوا تھا وہ آج بھی اتنی ہی جذباتی اسی قدر احمق اور نادان تھی جتنی آج سے دو سال قبل۔ سکندر نے بھی ثانیہ کا چہرہ متغیر ہوتا دیکھا اور لاریب نے بھی۔ یعنی وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔ ثانیہ کے کانپتے ہاتھ اس کی ذہنی و قلبی حالت کے گواہ تھے۔ سکندر ایک جھٹکے سے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ لاریب مسکرائے گئی۔ وہ پور پور زہریلی ہو رہی تھی۔

❁ ...... ۞ ...... ❁
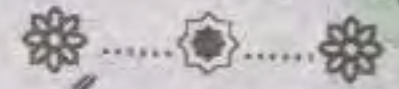
اس کے دل پر بوجھ تھا جسے وہ سگریٹ کے دھوئیں میں مدغم کرنے کا خواہش مند تھا آج ثانیہ کی منگنی تھی۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد شادی۔ یہ رشتہ گاؤں سے ہی آیا تھا۔ لڑکا فوج میں حوالدار تھا اور بارڈر پر پوسٹنگ تھی اس کی۔ شکل و صورت عہدہ سب کچھ تھا۔ یہ سکندر کی بھرپور کوشش کا انعام اللہ نے عنایت فرمایا تھا تو اماں کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں مگر ثانیہ سنتے ہی تڑپ گئی تھی۔ کتنا احتجاج تھا اس کی آنکھوں میں' اس کے چہرے پر کتنی اذیتیں رقم تھیں۔

"مجھے یہ شادی نہیں کرنی ہے سکندر ے' تم ایسا تو نہیں کر سکتے ہو میرے ساتھ۔" وہ اس کے سامنے بلک پڑی تھی جو اسے مقتل بھیجنے پر کمربستہ تھا۔

"تم کچھ نہیں بولو گی ثانیہ۔ یہی فیصلہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ میں تمہیں یوں ذلت برداشت کرتے نہیں دیکھ سکتا۔" سکندر نے پہلی بار اس کے سامنے لاریب کے حوالے سے ناگواری ظاہر کی۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے سکندر ے' میں تو ہر حال میں خوش ہوں۔ بس تم مجھے اس گھر سے نہ نکالو۔" وہ پھر سسکنے لگی۔

"پلیز ثانیہ، میری مشکلات اور اذیتوں کو نہ بڑھاؤ' اتنا تو کر سکتی ہو نا میرے لیے۔" وہ جانے کس رو میں کہہ گیا تھا اور ثانیہ پہلے سکتہ زدہ ہوئی پھر سرتاپا تسلیم و رضا بن گئی تھی۔ اس کے بعد اک لفظ بھی اس نے شکایات کا نہیں کہا اور منگنی کا دن آن پہنچا مگر سکندر کے دل پر جبر کا بوجھ تھا۔ اس نے دھواں بکھیرتے ہوئے دروازے کی آہٹ پر بے اختیار گردن موڑی۔ سفید پیروں کو چھوتے لباس میں سرتاپا روشنی کا جگمگاتا عکس لیے لاریب کسی آسمانی حور سے مشابہہ لگتی تھی۔ وہ تیار ہو چکی تھی۔ ایک عرصہ بعد اس نے خود پر توجہ دی تھی اور جیسے آنکھیں چندھیانے لگی تھیں۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" لاریب نے خود کو اس کی نظروں کا فوکس پایا تو صبیح پیشانی پر بل ڈال کر پھنکاری۔

"دیکھ نہیں رہا، گھور رہا ہوں۔" سکندر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور جتلا کر تصیح کی۔ لاریب جو بال سمیٹ رہی تھی۔ ٹھٹک کر رہ گئی۔ پھر اسے دیکھا اور یکدم کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اوہ...... آئی سی' تو غصہ آرہا ہے مجھ پر مگر تمہاری اس لاڈلی کی شادی میں تو نہیں کرا رہی۔" وہ بہت بے رخی سے کہہ رہی تھی۔ سکندر نے گہرا کش لیا پھر دھواں اس کے منہ پر چھوڑا۔

"اب تو خوش ہوں گی آپ؟"

"میرے لیے وہ اتنی اہم نہیں ہے سمجھے؟" لاریب نے پھنکارتے ہوئے کہا اور ناگواری سے ہاتھ سے دھواں ہٹانے کی سعی کرتی پیچھے ہوئی۔

"پھر اس پر یوں ثابت کرنے کی کوشش کیوں کرتی ہیں کہ آپ میں آپ کے لیے اہم ہوں۔ کس کو دھوکہ دے رہی ہیں آخر آپ؟" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ لاریب نے اس پل اس سے نگاہ نہیں چار کی۔ وہ چار کر بھی نہیں سکتی تھی۔ ابھی صبح کی بات تھی جب وہ چھت سے نیچے سیڑھیوں پر آتی جانے کیسے

لڑھک گئی تھی۔ ایک سے دو یا تین اسٹیپ شاید پیر مڑ گیا تھا۔ جبھی اس کی چیخ پر اماں کے ساتھ ثانیہ بھی گھبرا کر بھاگی آئی تھی۔

"کی ہویا پتر؟ سب خیراں کرے رب سوہنا سٹ (چوٹ) تو نہیں لگی کہیں؟" اماں بے قرار تھیں۔ لاریب نے سکندر کو دیکھا تھا جو اسی پل وہاں آیا تھا مگر فاصلے پر لاتعلقی کا تاثر لیے کھڑا رہا۔

"اٹھ سکتی ہے پتر' تھوڑا اچل' پیر میں پیڑ (تکلیف) تو نہیں۔" اماں نے اسے سہارا دینا چاہا وہ چیخ پڑی۔

"نہیں چل سکتی میں درد ہے پیر میں۔"

"سکندرے پتر توں آگے ہو' پھڑ دھی رانی کو۔" اماں نے گھبرا کر کہتے سکندر کو پکارا۔ ناچار اسے آگے آنا پڑا۔ اماں اور ثانیہ کی موجودگی میں لاریب کو سہارا دینا بھی عجیب لگ رہا تھا۔ اس پر لاریب کی نازک مزاجی۔ اس کے بازو پکڑنے کی دیر ہوئی وہ پوری کی پوری اس پر ڈھیر ہو گئی تو سکندر نے بوکھلا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی جانب نہیں ثانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سکندر کا سارا لہو اچھل کر اس کے چہرے اور آنکھوں میں آ گیا۔ کیسی نظریں تھیں۔ جتلاتی ہوئی' جھلساتی ہوئی اور کم ظرف خوشی کا احساس لیے۔ ثانیہ تو پتا نہیں کتنا جھلسی کتنا جلی سکندر ضرور سرتاپا آگ میں نہا گیا۔ لاریب سے اس حد تک گھٹیا پن کی اسے ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔

"اٹھا لو نا مجھے کہا تو ہے نہیں چلا جا رہا مجھ سے۔" وہ سکندر پر برہم ہوئی سکندر اس بے حجابی پر خود اس کی جگہ ڈوب مرنے والا ہو گیا۔ بس نہیں چل سکا اسے ایک کرارا تھپڑ لگا دے مگر اماں اس کے جھانسے میں آسانی سے آ گئی تھیں۔ جبھی اس کی حمایت لیتے سکندر کو جھڑکنے لگیں۔

"آئے ہائے سکندرے توں چک (اٹھا) کیوں نہیں لیتا گڈی (گڑیا) سی کڑی ہے پھر بھی اتنا گھبرا کیوں رہا ہے۔" وہ اپنی سمجھ کے مطابق بولی تھیں۔ بہو کی بے شرمی انہیں محسوس بھی کیسے ہو سکتی تھی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچے اور خود پر جبر کرتے کسی ناگوار بوجھ کی طرح اٹھایا اسے۔ سب سے تکلیف دہ امر یہ تھا کہ لاریب یہ سب کسی کی دل آزاری کی خاطر کر رہی تھی۔ نہ اس کی چاہت میں نہ اپنی خوشی سے۔ یہ محبت کی پامالی تو تھی ہی اس کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی شخصیت بھی مسخ ہو رہی تھی مگر انتقام اور نفرت کی آگ میں جھلستی وہ لڑکی احساس تک نہ رکھتی تھی۔

"یہ لیجیے اور اب بہتر ہے کہ شام تک کم از کم بستر سے نیچے قدم نہ رکھیے تاکہ کچھ تو بھرم رہ سکے آپ کا۔" اسے کمرے میں لا کر بستر پر تقریباً پٹختے ہوئے اس نے انتہائی تلخی سے کہہ اور اس کا وہ بازو بے حد ناراضی سے اپنے گلے سے نکالا جو لاریب نے محض ثانیہ کو دکھلانے کو بڑے ناز بھرے انداز میں تب اس کی گردن میں حمائل کیا تھا۔

"کیا مطلب...... اس بکواس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم کہ میں ڈرامہ کر رہی تھی؟" وہ سرتاپا قہر بن گئی۔ سکندر کا انداز ہی اتنا توہین آمیز تھا۔ سکندر نے اسے ٹھنڈی برف ہوتی نظروں سے دیکھا۔

"بہتر ہے ہم اس موضوع پر بات نہ کریں۔ بس اتنا جان لیں کہ مجھے آپ سے اس حد تک ہلکے پن کی توقع نہیں تھی۔" وہ کہہ کر جھٹکے سے باہر نکل گیا اور لاریب تلملا تو رہی تھی اور اب پھر وہ اس بات کے تنفر کے ہمراہ ایک دوجے کے مقابل کھڑے تھے۔

"وہ اور تم' دونوں جاؤ بھاڑ میں۔ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھے۔" وہ پھر بے مہر تھی۔ سکندر کی آنکھوں میں موجود قہر و غضب نے بے بسی کی جگہ لے لی پھر یاسیت کی بھی کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر گہرا سانس کھینچا۔

"اگر آپ کی طرح میں بھی خود کو دھوکا دینا چاہوں تو آپ کی یہ توجہ کا احساس پرکشش ہے مگر میرا المیہ یہ ہے کہ میں اصل کے بجائے نقل کو پا کر خوش نہیں ہو سکتا۔ کچھ تو خیال کریں۔ آپ مجھے خوشی نہیں دے سکتی ٹھیک

ہے مجھے غم تو نہ دیں۔" وہ بے چارگی سے کہہ رہا تھا لاریب پاگلوں کی طرح ہنس دی۔

"تم نے برباد کیا مجھے یاد ہے، مگر تم کر چکے اب میری باری ہے۔ اب میں داؤ چلوں گی اور تم تڑپو گے۔ معافی نہیں ملے گی سکندر حیات، اتنا ہی تڑپاؤں گی جتنا تم نے مجھے رلایا ہے سنا تم نے؟" وہ غرا رہی تھی۔ سکندر بے دم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ فرد جرم جو اس پر عائد ہوتی تھی وہ اس کا یقیناً سزاوار نہیں تھا مگر یہ بات جنونی ہوتی لاریب کو کون سمجھتا۔

❀......۞......❀

وہی رت جگے پرانے وہی دکھ بھری کہانی
میرے آنسوؤں میں شامل میری داستان پرانی

سکندر نے بال بناتے ہوئے آئینے میں اس کے عکس کو بغور دیکھا پھر گہری سرد آہ بھری۔ ثانیہ کی شادی ہو چکی تھی۔ لاریب پھر سے بے حس لاتعلق اور بے گانہ بن گئی تھی۔ اس نے برش رکھا اور پرفیوم کی بوتل اٹھاتے ہوئے کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔ جو بستر پر تقریباً نیم دراز سیل فون پر مصروف تھی۔

"شہر جا رہا ہوں کام سے کچھ چاہیے تو بتا دیں۔" میرون لیلن کے بے حد کھلتے ہوئے سوٹ میں اس کی گلابی اجلی رنگت لشکارے مار رہی تھی۔ بال لٹوں کی صورت بکھرے تھے اور دوپٹہ ہمیشہ کی طرح ندارد۔ پتا نہیں وہ اس کی قربتوں میں رہ کر بھی اس درجہ بے نیازو غفلت کیسے اوڑھ لیا کرتی تھی۔ لاریب نے چونک کر اسے دیکھا پھر نخوت سے ناک چڑھالی۔

"نو تھینکس مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس کا انداز و رویہ دل شکن تھا۔ سکندر کے دل پر چوٹ لگی۔

"چاہیے تو ہوگا' ظاہر ہے انسان کی ضرورتیں ہمیشہ ساتھ رہا کرتی ہیں مگر آپ مجھ سے منگوانا نہیں چاہتیں۔" وہ جتنا خود ترسی کا شکار ہوا لاریب اسی قدر بے زار۔

"جب ایک بات جانتے ہو تو پھر احمقوں کی طرح سوال کیوں کرتے ہو؟" سکندر کے چہرے پر عجیب سا تاثر پھیل گیا۔

"آپ کی زندگی میں میری کبھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کبھی ہوگی بھی نہیں۔ پھر ہمارا ایک ساتھ چلنا اکٹھے رہنا اتنا ضروری تو نہیں ہے۔ آپ کو مجھ سے جان چھڑا لینا چاہیے۔" وہ جتنا ٹوٹ رہا تھا اس لحاظ سے اس کے الفاظ سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ انسان چلتا ہے تو کبھی نہ کبھی منزل بھی آ ہی جاتی ہے اسے لگتا تھا وہ لاحاصل سفر میں مبتلا ہے۔

"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں۔ مگر حالات اس نہج پر آ چکے ہیں کہ تم سے نجات بس موت کی صورت ہی ممکن ہے میری۔"

"اگر موت ہی ضروری ہے تو پھر آپ کی ہی کیوں مجھے آپ کے رستے صاف کر دینے چاہیں۔" سکندر نے اس کی انتہا کے جواب میں خود بھی انتہا کر دی تھی سفا کی کی۔ وہ واقعی تھک گیا تھا۔ اس خود ترسی خود اذیتی کی زندگی سے کیا اس سے واقعی موت بہتر نہ تھی؟

"تو کیا ارادہ ہے پھر' خودکشی کرو گے؟" لاریب اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ مضحکہ اڑاتا ہوا تمسخرانہ اثر لیے تھا۔ سکندر تمام تر خود اذیتی اور احساس کمتری کے باوجود اپنی جگہ ہل کر رہ گیا۔ رنگ کیسے سفید پڑ گیا تھا۔ سفاکیت اور بے رحمی کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی صورت ہو سکتی تھی۔ لاریب جو اسے بغور تک رہی تھی۔ اس کی کیفیات کو بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو اسے ایسا لگا وہ کسی پل بھی رو پڑے گا مگر خیر گزری۔ وہ ہونٹ بھینچے چہرے کا رخ پھیر گیا۔ دل جیسے آنسوؤں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

"اتنی بے مہری' اس قدر سفا کی' یہ لڑکی ہے یا پتھر...... اس کی بے حسی کے آگے مجھے اپنا آپ آتش میں ڈھلتا محسوس ہوتا ہے۔ ایسا غصہ جو سب کچھ تہس نہس کر دینے کے درپے ہو۔ میں اسی کیفیت سے ڈرتا ہوں۔ کہیں میرے اندر کا طیش اور برہمی ظاہر ہو جائے اور میں اسے ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھوں۔ وہ امید ختم کر دوں جو مجھے اب بھی ڈھارس دیتی ہے۔ جانے کیسا حصار باندھا ہے اس نے اپنے گرد کہ میری محبت میرا وجدان اس کے شعور تک پہنچ ہی نہیں پاتا۔"

"میں جا رہا ہوں، دروازہ بند کر لیں۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ اندر کی ٹوٹ پھوٹ اور اذیت سے پاک تھا۔ لاریب نے اسے نہیں دیکھا اور اپنے موبائل پر گیم کھیلتی رہی۔ کتنا فضول کام تھا یہ بھی مگر سکندر پر توجہ دینے اس کی بات سننے سے کئی درجے بہتر' سکندر جو اس کی ایک نگاہ کا خواہش مند تھا۔ بے حسی کی بھینٹ چڑھتا بالآخر پلٹ گیا تو تھکن کا شدید احساس اس کے قدموں سے لپٹا ہوا تھا۔ دروازہ پار کر کے وہ برآمدے میں آ گیا۔ یہ ہی وہ لمحہ تھا۔ جب غصے میں پھنکارتے کف اڑاتے وقاص نے بیرونی دروازہ ایک طوفانی ٹھوکر سے کھولا اور اندر آن گھسا۔ سکندر اور وقاص دونوں کی یکبارگی نگاہ ملی تھی۔ کتنا قہر و غضب تھا اس کی شرابی آنکھوں میں سکندر کے لیے سکندر تو بھونچکا رہ گیا تھا اسے یہاں دیکھ کر۔

"اوئے...... کمیوں کی اولاد تیری یہ جرأت کہ ہمارے خاندان کی لڑکی کے ساتھ عیش کرے۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔" اس سے آگے مغلظات کا ایک طوفان تھا جو وقاص کی زبان سے ابل رہا تھا۔ سکندر کہاں اس صورتحال کے لیے تیار تھا۔ جبھی اسے ریوالور نکال کا نشانہ باندھتے نہیں دیکھ سکا۔ خوفناک دھماکے کے ساتھ پسٹل نے آگ اگلی تھی اور جیسے موت کا رقص ہر سو شروع ہو گیا۔ پہلی گولی سکندر کے بازو کا گوشت پھاڑتی شائیں کی آواز کے ساتھ دیوار میں جا گھسی۔ دوسری اس کے کاندھے میں لگی تھی۔ سکندر ایسے تیورا کر زمین پر گرا جیسے کسی مضبوط درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ وہ اتنا کم حوصلہ نہیں تھا کہ یوں گرتا تو پھر اٹھ نہ پاتا۔ اسے اپنی جگہ پر ساکن کر دینے والی لاریب کی ہذیانی چیخیں تھیں جو صورتحال کو جاننے کی خاطر بھاگ کر باہر آتے ہی اس کے حلق سے نکلی تھیں۔

وہ بھی وقاص کو مزید گولی چلانے سے باز رکھنے کو

طاہرہ مہر

السلام علیکم ماہدولت کو طاہرہ کہتے ہیں جی تو جناب ستمبر کی ایک سہانی صبح اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی (آہم)۔ امی ابو کی بہت لاڈلی ہوں' پانچ بھائیوں کے بعد اس دنیا میں اپنے ماں باپ کے آنگن کو مہکانے آئی۔ پانچ بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن ہوں' سب سے بڑے بھائی شہزاد ہیں جو کہ ماشاء اللہ سے شادی شدہ ہیں' ان کے دو بچے احمد معیز طاہر اور سعدیہ طاہر ہیں۔ اس کے بعد فرہاد بھائی اور جواد بھائی ہیں۔ کلرز میں مجھے بلیک' وائٹ اور پنک پسند ہیں۔ کھانے میں آئس کریم' بریانی اور رس ملائی پسند ہے۔ کھانے کے معاملے میں اتنے نخرے نہیں کرتی' سب کچھ کھا لیتی ہوں۔ کپڑوں میں لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پسند ہے۔ بی ایڈ کر چکی ہوں' آگے ایم اے کرنے کا ارادہ ہے۔ رات دیر تک جاگنا اور چاند کو دیکھنا بہت پسند ہے چاندنی راتیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ بارشوں کے موسم میں گرم گرم پکوڑوں کے ساتھ چائے پینا بہت پُر لطف لگتا ہے۔ شور شرابا بالکل پسند نہیں' تنہائی اچھی لگتی ہے۔ لائٹ میوزک اور غزلیں شوق سے سنتی ہوں۔ پسندیدہ رائٹرز میں سمیرا شریف طور' نازیہ کنول نازی' ماہا ملک' ام مریم' عمیرا احمد میری پسندیدہ ہیں۔ دوست بہت ہیں مگر کبھی کسی کو اپنی کمزوری بننے نہیں دیا۔ گڑیا میری بیسٹ فرینڈ ہے اس کے علاوہ تنزیلہ' عاشی' عینی' نیناں' مشی اور جن کے نام یاد نہیں تو مائنڈ مت کرنا پلیز کسی پر بھی حد سے زیادہ بھروسہ نہیں کرتی' ایک دفعہ نتیجہ بھگت چکی ہوں۔ اپنی سب باتیں اللہ سے شیئر کرتی ہوں' سب فرینڈز جہاں بھی غائب ہو رابطہ ضرور کرو' اب اجازت چاہتی ہوں' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

چلائی تھی کبھی سکندر کو وہاں سے اٹھ کر اندر کمرے میں چھپنے کا کہتی اتنی دہشت زدہ اتنی بدحواس لگ رہی تھی کہ سکندر اپنی تکلیف اپنا بہتا خون بھلائے اسے دیکھے گیا۔ کچھ دیر قبل اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو اپنی سفاکی کے ہمراہ سکندر کے ذہن میں خنجر گاڑھنے لگی۔ موت کو پانے کے لیے خودکشی جیسی حماقت ضروری تو نہیں تھی۔ اس کے اور بھی رنگ اور بھی انداز تھے پھر بھی کیوں نہیں وہ جیسے وحشت کے صحراؤں میں جا پہنچا۔

"ہٹ جاؤ وقاص ورنہ میں مار ڈالوں گی تمہیں۔"

وقاص کے ریوالور سے گولیاں ختم ہوگئی تھیں۔ شاید جبھی اس نے ریوالور کو جیب میں اڑسا اور شلوار کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلی سے بندھا دو دھاری خنجر کھینچ کر نکال لیا۔ گویا اس پر پوری طرح خون سوار تھا۔ لاریب کے حواس اس کے ارادوں کی خطرناکی کو بھانپ کر ہی پوری طرح اڑے گئے تھے۔ اس سے قبل وہ سکندر کی آنکھوں میں وہ کیفیت بھی دیکھ چکی تھی جس نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔ اگر ایک قتل کر دینے کے تیور لیے ہو اور دوسرا مرنے کو بخوشی تیار ہو تو پھر کسی کو قتل کرنا اتنا ہی آسان جتنا جگ میں موجود پانی کو گلاس میں انڈیلنا۔ اب جو بھی کرنا تھا اسے خود کرنا تھا۔

اضطرابی کیفیت میں اس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی تو برآمدے کے کونے میں کلہاڑی پر نظر پڑتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے کلہاڑی جھپٹ کر اٹھاتی وقاص کو مخاطب کرکے للکارنے کے انداز میں چیخی تھی۔ وقاص جو سکندر سے کچھ ہی فاصلے پر ہی تھا چونک کر مڑا اور لاریب کو بکھرے بالوں کے ساتھ کلہاڑی اٹھاتے دیکھ کر بے ساختہ قسم کا قہقہہ لگانے لگا۔

"افوہ...... ڈاکورانی۔ کیا ایکشن ہے قسم سے مگر یار اپنے بدصورت شوہر کی خاطر اب کیا تم اپنی بہن کو بیوہ کرو گی...... سہاگ اجاڑو گی اس کا؟" اس کا لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا ہی نہیں حقارت سے بھی بھرپور تھا۔ لاریب کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشہ سرخ ہوا۔

اس نے اسی طیش و غیض بھرے انداز میں بلا دریغ اس کے سر کے نشانے پر پوری قوت سے کلہاڑی کا وار کر دیا۔ جو وقاص کے سر سے تو نہیں ٹکرایا کہ وہ بروقت خود کو سنبھال کر پیچھے کو چت ہوا تھا۔ مگر ٹھک کی زوردار آواز سے وقاص کی ٹانگوں کو ضرور ناکارہ کر گیا۔ لاریب نے پروا نہیں کی اور تیز قدموں سے پلٹ کر سکندر کی جانب آ گئی جو اس کی کارکردگی بلکہ کارنامے پر دم بخود رہ گیا تھا۔ یوں جیسے وہ جو کچھ دیکھ چکا ہوں وہ محض نظر کے دھوکے کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

"اپنے چمچے سے کہو آ کر تمہیں لے جائے۔ ورنہ دوسرا وار ہرگز غلط نہیں ہوگا۔ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں، اندازہ تو ہوگیا ہوگا تمہیں۔" سکندر کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے بھی اس کا مخاطب وقاص ہی تھا۔ لہجہ جیسے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ اس نے وقاص پر جو نگاہ ڈالی تھی وہ جھلستی ہوئی تحقیر آمیز انگارہ صفت نگاہ تھی۔ وقاص کو صحیح معنوں میں اس سے ڈر لگنے لگا۔ جبھی ہمتیں مجتمع کرتا ٹانگ کو گھسیٹتا کسی نہ کسی طرح رفو چکر ہوگیا۔ فائرنگ کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔ آس پڑوس کے لوگ اپنے اپنے دروازے کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے مگر کسی کی ہمت نہ ہو سکی وڈیروں کے معاملے میں دخل دینے کی۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس وقت اماں اور بابا ساتھ والے گاؤں رشتہ داروں کی فوتگی پر گئے ہوئے تھے۔

"آپ یہ زحمت نہ کریں۔ اتنا زخمی نہیں ہوا کہ آپ کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آئے۔ ویسے اس طرح وقاص سائیں کے اڑے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کام ختم ہو رہا تھا۔ جان چھوٹ رہی تھی اور آپ کو کیا چاہیے تھا۔" سکندر جیسے بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔ پتا نہیں کس کس آگ میں جبھی اس کے ہاتھ جھٹک دیے اور خود اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ وہ جانتا تھا خدا اگر مشکل راستے نصیب میں لکھتا ہے تو پہلے اپنے بندوں کو ہمت اور حوصلہ کے ساتھ صبر و برداشت کی نعمت سے بھی نوازتا

ہے۔ وہ بھی بے حوصلہ نہیں تھا۔ لہجہ گوکہ دھیما تھا مگر غضب کی ناراضی بے رخی اور تپش رکھتا تھا اپنے اندر۔ لاریب نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا دل جو اس پل کینسر کا پھوڑا تھا اذیت کے ساتھ اس کی کج ادائی پر بھی دکھ سے بھرنے لگا۔

"تم بابا جان کو کال کرکے کسی کو بلوا لو۔ ڈاکٹر کے پاس فوری جانا ازحد ضروری ہے بلیڈنگ بہت ہو رہی ہے۔" سکندر کمرے میں آ کر بے دم سے انداز میں بستر پر آ گرا تو لاریب اس کی خود سے برتی بے پروائی پر گھبرا کر بولی تھی۔ سکندر کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر صاف لگتا تھا۔ اس کی ہمتیں ختم ہو رہی ہیں۔ لاریب کی اس کو تکتی نگاہوں میں تشویش بھی تھی اور تفکر بھی۔

"تم اتنے آرام سے کیوں لیٹے ہو سکندر؟ میں نے کہا نا بابا جان کو......!" وہ یکدم چیخی مگر سکندر کو ساکن دیکھ کر خوفزدہ سی نزدیک آ گئی۔ اس نے ہونٹوں کو باہم سختی سے اس طرح دبا رکھا تھا جیسے تکلیف برداشت کرنے کی جدوجہد میں مبتلا ہو۔

"سکندر......!" لاریب کا دل خوف سے بند ہونے لگا۔ کس قدر سہمی ہوئی لگتی تھی وہ سکندر کی خود سے بڑھتی ہوئی بے پروائی اسے سراسیمہ کرنے لگی۔

کسی بھی بات کو کہہ دینا جتنا آسان ہو سکتا ہے اسے ہوتے دیکھنا اتنا آسان ہرگز نہیں۔ اس نے کچھ دیر قبل اسے کھری کھری سنائی تھیں مگر تب ایسا گمان بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا تو کیا بیتے گی اس پر۔ گولی اس کے جسم میں تھی اور یہ کتنا خطرناک تھا وہ جانتی تھی مگر سکندر دانستہ اسے دکھ سے دوچار کر رہا تھا۔

"اب کیا کروں میں، یہ تو سن بھی نہیں رہا میری؟" وہ روہانسی ہوئی۔

"تم مانو گے میری بات؟" لاریب کی نظر اس کے زخموں سے آبشار کی مانند پھوٹتے لہو کے فوارے پر تھی۔ جو بستر کی چادر کو سرعت سے رنگین کرتا جا رہا تھا۔ وہ پھر بھی حواس نہ کھوتی۔ اس کی شرٹ کا گریبان پکڑ کر بے بس لاچار لہجے میں کراہنے کے انداز میں کہتی بلآخر رو پڑی۔ کچھ ہو جانے کا واہمہ اس کے وجود کو سرد کر رہا تھا۔

"آپ کو وقاص سائیں کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہونے کے باوجود آپ نے آگ کا کھیل کھیلنے سے دریغ نہیں کیا۔ کہاں چھپاؤں گا اب میں آپ کو بتائیں؟" وہ بولا بھی تو کیا لاریب کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا۔

"مجھے بھاڑ میں ڈالو تم اس وقت مجھے صرف تمہاری فکر ہے۔ فار گاڈ سیک کچھ تو خیال کرو۔" وہ بلک رہی تھی۔

سکندر نے جواباً اسے کچھ دیر عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر ہاتھ اٹھا کر جیب سے سیل فون نکالنا چاہا۔ لاریب نے اس کا مقصد سمجھتے ہوئے خود اس کی خون آلود شرٹ کی جیب سے موبائل نکالا پھر اسے دوپٹے سے صاف کرکے تھمایا۔ سکندر نے جب تک نمبر ملایا۔ ملازم کو فوری طور پر آنے کی تاکید کی۔ لاریب اس دوران آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی شرٹ کے بٹن کھول چکی تھی۔

"چپ کرکے بیٹھے رہو سمجھے، میں جو کر رہی ہوں نا کرنے دو مجھے۔" شرٹ قینچی سے کاٹ کر اس کے جسم سے الگ کرتے ہوئے وہ اس کے زخموں کو ہونٹ بھینچ کر دیکھتی خون اپنے دوپٹے سے صاف کرنے میں مصروف تھی۔ جب سکندر نے جانے کس احساس کے تحت روکنا چاہا تھا کہ وہ ڈپٹ کر بولی۔ سکندر بس اسے دیکھتا ہی رہا۔ آخر کیا شے تھی وہ۔ وہ کبھی بھی کسی ایک خیال پر متفق نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنا ایک الگ انداز الگ رنگ دکھانے لگتی۔

"اس ہمدردی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ اس کی نظروں کی طرح آنچ دینے لگا تھا۔ لاریب نے بے حد کرب سے گزرتے ہوئے اک نگاہ اسے دیکھا پھر ہاتھ کی پشت سے اپنی بہتی آنکھیں بے

دردی سے رگڑیں۔

"جب عباس مجھے چھوڑ کر گیا اور میں نے تم سے نکاح کرلیا تو سب سمجھتے ہیں میرا ایک ہی نقصان ہوا تھا۔ عباس کو کھو دینے کا نقصان۔ حالانکہ صرف وہی تو نہیں تھا۔ میں نے تمہیں شوہر بنایا تو اس سکندر کو کھو دیا جو میرا دوست تھا۔ اتنا اپنا اتنا قریبی کہ ہر بات بلا جھجک اس سے کہا کرتی تھی۔ یہ ملال اور رنج بھی کوئی چھوٹا اور معمولی نہیں تھا۔ تم میری غلطی معاف کر سکتے تھے۔ پھر سے دوست بن سکتے تھے۔ سکندر مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ شاید کوئی بھی مرد شوہر بننے کے بعد دوستی کا رشتہ نہیں رکھ سکتا۔ وہ بس شوہر ہوتا ہے حاکم و جابر شوہر۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سکندر گنگ تھا۔ اپنے دکھ اپنے غموں میں مبتلا وہ اس کے مسائل اس کے اذیتوں سے بے بہرہ ہوگیا تھا۔ حالانکہ اس نے تو اس سے محبت کی تھی۔ پھر یہ کوتاہی کیوں کی۔

"ایک ایک کرکے تم نے سارے دکھ مجھ سے علیحدہ کرلیے۔ میں کیسے اٹھاتی یہ اتنے بھاری بوجھ جبھی منہ کے بل جا گری۔ مجھے گرنا ہی تھا۔ اس لیے کہ میں تنہا جی ہی نہ سکتی تھی۔ مجھے سہارے کی ضرورت تھی۔" سکندر سے کچھ بولا نہ گیا۔ اس نے کچھ بولے بغیر لاریب کو تھام کر خود سے لگالیا۔ لاریب نے کوئی مزاحمت نہیں کی اس کے کاندھے پر سر رکھ کر روتی رہی۔

❁ ……۞…… ❁

"بابا سائیں کو فی الحال کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھے، میں خود بات کرلوں گا ان سے۔" سکندر نزدیکی شہر سے ٹریٹمنٹ لینے کے بعد واپس آیا تو گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو خصوصی تاکید کی تھی۔ ملازم نے محض سر ہلایا اور سلام کرتا گاڑی لے اڑا۔ لاریب جو بے تابی سے اس کی منتظر تھی لپک کر اسے سہارا دیا۔ سکندر کے ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میں ٹھیک ہوں لاریب، کیوں پریشان ہوتی ہیں۔" وہ دانستہ خود کو بشاش ظاہر کر رہا تھا۔ لاریب نے کان نہیں دھرا۔ اسے یونہی تھامے ہوئے اندر آئی۔ پھر اسے بستر پر لٹانے کے بعد کمبل اوڑھایا۔

"آپریشن ہوا ہے تمہارا، ایڈمٹ ہونا پڑتا ہے مگر گھر چلے آئے۔ بالکل خیال نہیں تمہیں اپنا۔" وہ جھنجلا کر کہتی رہی۔ سکندر کو یہ توجہ یہ محبت کا احساس بے حد بھا رہا تھا۔ تکلیف کا احساس آدھا بھی نہیں رہ گیا تھا۔ آتش دان جل رہا تھا سکندر کے ٹھٹھرے ہوئے اعصاب اس حدت آمیز ماحول کی گرمائش سے زیادہ لاریب کی توجہ و اپنائیت پاکر زیادہ سکون محسوس کر رہے تھے۔

"کھانا کھاؤ گے؟" لاریب چند منٹ میں گرم دودھ کا گلاس لے آئی تھی۔ سکندر کا دل گداز ہوتا چلا گیا۔ اس لڑکی کی ہمدردی و توجہ اتنی پاورفل تھی تو محبت کا رنگ کتنا گہرا ہوسکتا تھا۔ عباس واقعی بہت بدقسمت نکلا تھا۔

"مجھے کھانا نہیں کھانا، تم بیٹھو پلیز میرے پاس۔" سکندر کے نرمی سے ٹوکنے پر لاریب قدرے جھجک گئی۔ انداز میں گریز تھا۔ سکندر نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر بٹھالیا۔ وہ یقیناً اس کے گریز کو پاچکا تھا۔ جبھی اسے ختم کرنا چاہ رہا تھا۔

"ہم پھر سے دوست بن سکتے ہیں نا لاریب؟" وہ کتنی آس بھری نظروں سے اسے تک رہا تھا۔ لاریب نے حیران نظریں اٹھائیں۔ گویا پوچھ رہی ہو۔

"ایسا ممکن ہے؟"

"بالکل ممکن ہے لاریب، میں تمہارے یقین تمہارے اعتماد کو کبھی مجروح نہیں کروں گا۔" وہ آہستگی سے مسکرایا اور یوں اپنا ہاتھ آگے کیا گویا عہد دینا چاہ رہا ہو۔ لاریب یکدم گم صم ہوکر رہ گئی۔

(جاری ہے)

امیدِ صبح

ام اقصیٰ

یوں ہی رنجشوں میں گزر گئے کبھی وہ خفا کبھی میں خفا
چاہتوں کے موڑ پر کبھی وہ رُکا کبھی میں رُکا
وہی رنجشیں، وہی چاہتیں نہ اسے خبر نہ مجھے پتا
ہم اپنی اپنی انا میں گم، کبھی وہ جدا کبھی میں جدا

وہ لق و دق صحرا میں کھڑی تھی، چہار سو کانٹے نما جھاڑیاں تھیں اور صحرا کی آبلہ پا کرتی انتہائی گرم ریت، وہ یہاں کیوں پہنچی؟ وہ یہاں کیسے پہنچی؟ جیسے سوال اس کے دماغ کو شل کیے دے رہے تھے۔ کسی ذی روح کا نام و نشاں تک نہ تھا۔ پیاس نے اس کے حلق میں کانٹے اگا دیئے تھے نوکیلے کانٹے، وہ یہاں سے جلد از جلد بھاگ جانا چاہتی تھی مگر اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ اچانک ایک طرف سے طوفان اٹھا، ریت روئی کے بگولوں کی مانند اوپر اٹھنے لگی تیز نوکیلی جھاڑیاں اسے اپنے پنجوں میں دبانے کو آگے بڑھیں۔ وہ جلد از جلد ان آدم خور جھاڑیوں سے دور ہونا چاہتی تھی مگر اس کے قدم اٹھنے سے انکاری تھے، خوف سے اس نے آنکھیں بند کرلیں اور زور و شور سے چیخنے لگی۔ آواز اس کے حلق سے پھنس پھنس کے نکل رہی تھی۔

"مہر...... مہر! آنکھیں کھولو......" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کا شوہر اسے پکار رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں' شکر کہ وہ خواب تھا وہ ابھی تک خوف سے لرزاں تھی۔

"کوئی بُرا خواب دیکھا؟" وہ پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"بہت بُرا خواب...... میں بالکل اکیلی تھی میں نے دیکھا......"

"بُری چیزیں بھول جانے کے لیے ہوتی ہیں مہر! اور تم اکیلی نہیں ہو میں ہوں تمہارے ساتھ' ہمارے تین بچے ہیں۔" وہ اسے ٹوکتے ہوئے اس کا ہاتھ سہلاتا کہہ رہا تھا۔ "لیٹ جاؤ مہر!" وہ بیٹھے بیٹھے غنودگی میں جانے لگی تھی جب اس کے مجازی خدا نے کہا۔ مہر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اس کی آنکھیں نیند ٹوٹنے کے سبب بوجھل تھیں' وہ خود بھی لیٹ گیا' مہر کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میں آپ کو بہت تنگ کرتی ہوں نا......؟" اپنا دوسرا ہاتھ بھی ان ہاتھوں کے اوپر رکھتے مہر نے کہا۔

"یہ تو سچ کہا تم نے۔" اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ مہر نے شرمندگی سے نگاہیں جھکائیں۔ وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا' مہر بھی مسکرا دی۔

"ابتہاج کا رویہ کبھی کبھی میری سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ میں کسی سائیکاٹرسٹ سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔" اپنے شوہر کی سوالیہ نگاہوں پر اس نے وضاحت کی۔

"وہ ابھی بچہ ہے مہر! خیر تمہاری تسلی کے لیے میں کسی سے اپائنمنٹ لیتا ہوں۔"

"نہیں اپائنمنٹ کی ضرورت نہیں' میری ایک دوست ہے راحت' یہیں قریب میں ہی رہتی ہے' میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔

❀......❀......❀

تقریباً گیارہ بجے مہر نے اسے ایس ایم ایس کیا۔

"مجھے راحت آپا کے گھر چھوڑ آئیں۔" خود وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کے اپنا آرٹیکل مکمل کرنے لگی۔ وہ پوری طرح مگن تھی جب کوئی جھٹکے سے دروازہ کھول کے اندر آیا۔

"ایک گھنٹے سے میں ہارن دے رہا ہوں مہر! کتنی دیر ہے؟"

"سوری مجھے پتا نہیں چلا' میں بس تیار ہوں' یہ آرٹیکل تھوڑا سا رہ گیا تھا' راستے میں صفی صاحب کو دیتے جائیں گے آج کا وعدہ کیا تھا ان سے' آپ پلیز ان کاغذات کو پن اَپ تو کردیں۔" وہ جلدی جلدی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ اور وہ میز سے کاغذات اٹھا کے نمبرنگ چیک کرکے ترتیب دینے لگا۔

"بھئی واہ...... زبرست بہت ہی زبردست۔"

جوتے کے اسٹریپ بند کرتی مہر نے استعجابیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ماں جس کے قدموں تلے اس کے بچوں کی جنت ہے جس کے ہاتھ اس قلم کی پہنچ سے کوسوں دور ہوتے ہیں جن سے یہ جنت وہ اپنے بچوں کے نصیب میں لکھ سکے۔" اس کا شوہر بآواز بلند پڑھ رہا تھا۔ "ہر شخص کی جنت اس کی ماں کے قدموں تلے ہے لیکن ہر شخص کا نصیب جنت نہیں' زبردست ہے بھئی......"

"یہ صفی صاحب نے لکھنے کو کہا تھا' مدرز ڈے کے حوالے سے آرٹیکل ہے۔"

"یار تم کبھی کوئی ناول بھی لکھو ناں' رومینٹک سا' ہیرو بے شک مجھے بنالو۔"

"جس طرح ہر شخص ہر کام نہیں کرسکتا' ایسے میں بھی یہ ناول وغیرہ نہیں لکھ سکتی۔ اک دو بار کوشش بھی کی مگر کرداروں کی نفسیات سمجھ تو پائی ہوں پر لکھ نہیں پائی سو......" وہ گاڑی میں بیٹھتے وضاحت کررہی تھی۔

راحت آپا کے گھر وہ ایک بار پہلے بھی آچکے تھے

راستے میں ان کی گاڑی خراب ہوگئی تھی' سو انہوں نے راحت آپا اور ان کی بیٹی کو گھر تک ڈراپ کیا تھا۔ اس کا شوہر اسے گیٹ پر چھوڑ کر چلا گیا کہ اسے آفس میں کچھ کام تھا' راحت آپا اسے پرتپاک انداز میں ملیں۔

راحت آپا مہر کی کالج ٹیچر سیما کی بھابی تھیں' شادی کے دو سال بعد ہی راحت آپا کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا' ایک چھ ماہ کی بیٹی نورالعین تھی۔ وہ اکثر ان کے کالج کے فنکشنز وغیرہ میں آجاتی تھی' کبھی کبھار مس سیما بزی ہوتیں تو ان کی جگہ وہ ان کا انگلش کا پیریڈ لے لیا کرتیں۔ ان کی جو بات مہر کو اٹریکٹ کرتی وہ انسانی نفسیات پر عبور تھا۔ وہ سائیکاٹرسٹ تھیں نہ ان کا سبجیکٹ سائیکالوجی تھا پھر بھی وہ محض ایک دفعہ کسی سے مل کے اس کے بارے میں بتادیتی تھیں۔ وہ جب بھی ان کی کلاس میں آتیں مہر کو حد درجہ خوشی ہوتی یہ اور بات کہ مہر نے انہیں کبھی بتایا نہ تھا۔ شادی کے بعد البتہ ایک بار اسپتال میں ان کی ملاقات ہوئی تو مہر نے ایک نظر انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور اپنا تعارف کروایا تھا۔

"راحت آپا! میں اصل میں آپ سے بچوں کی نفسیات کے بارے میں علم لینے آئی ہوں۔" تھوڑی دیر بعد مہر اصل موضوع کی جانب آگئی۔

"مجھے پہلے ہی پتا تھا تم بغیر کسی کام کے نہیں آتیں' خیریت......؟" راحت آپا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی' بس ایک آرٹیکل لکھنا تھا۔" وہ اصل بات گول کرگئی۔

"دیکھو بیٹا! مجھے شاید سائیکالوجی کی اسپیلنگ بھی ٹھیک طرح نہ آتی ہو' مجھے اس کی ٹرمز اور کنڈیشنز کا بھی خاص علم نہیں۔ میرے پاس محض تجربہ' مشاہدہ اور تجزیہ ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے۔ بچوں کی اسّی فیصد اقسام بچپن میں شرمیلے ہوتے ہیں میرے نزدیک اس کی وجہ عزت نفس کے جذبے کا غالب ہونا ہے۔ میرے مشاہدے کے مطابق بچوں میں عزتِ نفس کا جذبہ بڑوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ جھجکتے ہیں بڑوں کے سامنے کہ کوئی ایسا سوال نہ پوچھ لیں جن کا انہیں پتا نہ ہو اور انسلٹ ہوجائے اور کبھی بھی بچے کو بھرے مجمع' ہجوم کے سامنے نہیں ڈانٹنا چاہیے اس بات کے میں نے اپنی زندگی میں بہت خطرناک نتائج دیکھے ہیں اور سب بچوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے والا اصول کبھی مت اپنائیں کہ ہر بچے کی سوچ' ذہن الگ الگ ہوتا ہے خواہ انہوں نے ایک ہی ماں باپ اور ایک سا ماحول ہی کیوں نہ پایا ہو۔ بچوں کے انداز بھی مختلف ہوتے ہیں مثال کے طور پر ایک بچے کو اس کی مما اچھی لگ رہی ہیں وہ بے دھڑک ماں کا بوسہ لے کر کہتا ہے مما آپ بے حد خوب صورت لگ رہی ہیں' ایسے بچوں اور ایسے لوگوں کے خلوص پر مجھے کوئی شک نہیں لیکن ایسے لوگ بہت کامیاب رہتے ہیں دنیا میں بے شک ظاہری طور پر ہی سہی۔ اب دوسرے بچے کا انداز دیکھو وہ کہے گا مما یہ رنگ کتنا پیارا ہے' یہ شوز کتنے پیارے ہیں وہ بھی اپنی ماں کی تعریف کررہا ہوتا ہے بس انداز مختلف ہوتا ہے۔ اب ایک اور قسم کے بچے کو اگر اپنی ماں اچھی لگ رہی ہے تو وہ بہانے سے ماں کے پاس رہے گا' اسے اپنے کام بتائے گا یہ اس کی تعریف ہی کا انداز ہے' اسے اپنی ماں اچھی لگ رہی ہے اور وہ اسے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ یہ دراصل مثال کے ذریعے میں نے بچوں کی اقسام بتائی ہیں' کچھ بے دھڑک بول دیتے ہیں' کچھ اپنے اظہار کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں ویسے جو چیز یا بات دل یا دماغ میں رہے اس کا اثر دیر تک ہوتا ہے۔ جن کے متعلق ہمارے دل یا دماغ نے لفظ جوڑے ہیں وہ ان کے سپرد کردینے چاہئیں اور کچھ بچے......"

"مما! کھانا لگا دیا ہے۔" ان کی بیٹی نورالعین اندر آئی۔

"آؤ مہر! پہلے کھانا کھالیتے ہیں۔"

"نہیں راحت آپا! میں چلتی ہوں بچوں کو اسکول

سے لینے جانا ہے‘ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بنیادی باتیں تو مجھے پتا چل ہی گئی ہیں‘ ضرورت پڑی تو پھر آجاؤں گی بلکہ اب آپ آئیے گا کبھی ہماری طرف نور العین کو لے کر۔“ مہر اٹھ کھڑی ہوئی۔

❀......❀......❀

”تو پھر چوہا ان کی دلہن کو اٹھا کے لے جاتا ہے......“ اماں کہانی سناتے ہوئے لمحہ بھر کو رکیں اور سیب کی قاش اٹھا کر منہ میں رکھی۔ چار سالہ مہر سے مزید صبر نہ ہوسکا وہ کب سے یہ عمل دیکھ رہی تھی بلکہ اس کا دھیان کہانی سے زیادہ سیب کی طرف تھا۔

”اماں تھوڑا سا سیب مجھے بھی دے دیں۔“ مہر کا لہجہ التجائیہ تھا۔

”ہاں ہاں اس بھوکی ندیدی کو دو پہلے......“ اس سے بڑی مریم بولی۔

”اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسے اپنے کھانے کی پڑی رہتی ہے‘ پیٹ ہے کہ کنواں بھرتا ہی نہیں۔“ مریم سے چھوٹا مزمل بولا۔

اماں نے ناگواری سے سیب کی قاش اس کی جانب بڑھائی‘ بستر کے اندر منہ کرکے سیب کی قاش کھاتے نجانے کیوں اس کے آنسو نکل آئے۔ چار سالہ مہر فاطمہ کو سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ اس کے آنسو کیوں نکل آتے ہیں‘ کبھی کبھار کھانا کھاتے ہوئے مزمل یا مریم اس کے آگے سے کھانا اٹھا لیتے۔

”دیکھو دیکھو پیٹو یہ روئے گی اب‘ کھانا نہ ملے تو رونا شروع کردیتی ہے۔“ اور مہر کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے‘ اسے سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ اس کے بہن بھائی جب اس کا مذاق اڑاتے ہیں تو اس کے آنسو کیوں نکل آتے ہیں حالانکہ جب اسے بھوک لگی ہو اور کھانا نہ ہو اس وقت تو اس کے آنسو نہیں نکلتے۔ مہر کی اپنے سے ایک سال چھوٹے مدثر سے کبھی نہیں بنی تھی‘ اس وقت بھی دونوں ٹوٹی ہوئی سائیکل کے پہیے سے کھیل رہے تھے کھیلتے کھیلتے مدثر نے پہیہ اسے دے مارا وہ خاصا وزنی تھا۔ مہر نے پہیہ اٹھایا تو مدثر بھاگ کر دور کھڑی مہک کے کپڑے بدلواتی ماں کے پاس جانے لگا‘ مہر نے بھاگ کے پہیہ اس کی کمر پر مارا وہ رونے لگا اور پہیہ اٹھا لیا۔

”میں بھی اسے ماروں گا۔“

”اماں! اس نے پہلے مجھے مارا تھا۔“ مہر نے صفائی دی۔

”نہیں نہیں مجھے نہیں پتا‘ میں نے اسے مارنا ہے بس......“ وہ اور زور و شور سے رونے لگا۔

”مہر! رکو تم‘ چلو مدثر آہستہ سے مارنا۔“ اس کی ماں نے کہا‘ مہر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

مدثر نے پہیہ آہستہ مارا یا تیز یہ مہر کو پتا نہیں چلا کیونکہ درد تو کہیں پہلے سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ یہ بے اعتباری کا پہلا بیج تھا جو مہر نے اپنی ماں کی طرف سے اپنے دل میں بویا تھا‘ وہ لاعلم تھی کہ اگر بیج بونے کے بعد دیکھ بھال بھی کی جائے تو اس سے ایک پودا نکلتا ہے اور پھر وہ تناور درخت بن جاتا ہے اور پھر اس پر پھل بھی لگتا ہے۔ اس کے بابا کام کے سلسلے میں کہیں گئے تھے واپسی پر وہ مدثر کے لیے سنہری پروالا کانچ کا چوزہ لائے تھے‘ وہ بہت خوش ہوا اور کھیلنے لگا‘ وہ اپنے چوزے کو کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتا تھا۔

”اماں! بابا چوزہ کیوں لے کے آتے ہیں اب اس سے اور کتنا کھیلوں گا‘ گاڑی لے کے آتے ناں۔“ ننھا مدثر منہ بسورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”چوزے کے ساتھ بھی تو اتنے کھیل ہوتے ہیں‘ آؤ میں تمہیں بتاؤں۔“ مہر نے کہا۔

رات کو مدثر نے الماری کے اندر چوزہ رکھا اور سوگیا‘ سب باہر بیٹھے تھے مہر اندر آکے اس چوزے کو دیکھنے لگی‘ چند لمحے دیکھ کر وہ چوزہ الماری کے اندر رکھ رہی تھی تبھی چوزہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور کئی ٹکڑوں میں منقسم ہوگیا وہ گھبرا گئی اور باہر آکر خاموشی سے سوگئی۔ صبح مدثر نے اٹھتے ہی شور مچا دیا‘ اس کی ماں نے بغیر پوچھے تھپڑوں سے اس کا چہرہ لال کردیا۔

وہ گراؤنڈ میں کھیل رہی تھی جب اس نے اپنی دو کلاس فیلوز کو ایک دوسرے سے گتھم گتھا دیکھا‘ وہ ان کے قریب آ کھڑی ہوئی‘ ارادہ انہیں چھڑانے کا تھا مگر وہ جس طرح ایک دوسرے کو پیٹ رہی تھیں مہر کی آگے جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اسے سمجھ ہی نہیں آئی کیا کرے دفعتاً ایک کا بینڈ سر سے گرا اور دوسری کے پاؤں تلے آکے دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

”تم نے میرا بینڈ توڑا ہے ناں؟“ وہ لڑکی مہر کے پاس آکے کہنے لگی‘ مہر ہکابکا رہ گئی۔

”میں تو تم سے نہیں لڑ رہی تھی؟“ وہ بوکھلا ہی تو گئی۔

”تم لڑ نہیں رہی تھیں مگر میرا بینڈ تم نے ہی توڑا ہے۔“ وہ لڑکی اور قریب آگئی۔

”سو روپے کا بینڈ تھا میرا‘ تمہارے بابا کو بتاؤں گی‘ مجھے نیا لے کے دو بینڈ۔“

”دیکھو تم میرے بابا کو مت بتانا۔“ وہ منمنائی۔

”کیوں نہ بتاؤں تمہارے بابا کو۔“ مہر حیرت سے دیکھتی رہ گئی‘ اس دن وہ گھر آئی تو بہت ڈری سہمی تھی۔

”آج تمہیں کیا ہوا ہے اس قدر چپ چپ کیوں ہو؟“ مریم نے حسب عادت نارمل سی بات بھی طنزیہ لہجہ میں پوچھی۔

”آج یقیناً اسکول میں مار پڑی ہے‘ سبق یاد نہیں ہوگا۔“ مزمل نے کہا۔ اس نے امید بھری نظروں سے اپنی ماں کی جانب دیکھا۔

”یا اللہ اماں مجھ سے پوچھ لیں میں سب سچ سچ بتادوں‘ بابا تو ڈانٹیں گے۔ آپ تو جانتے ہیں ناں اللہ میاں بینڈ میں نے نہیں توڑا۔“

”یاد کیوں نہیں کرتی ہو سبق‘ آج تمہارے بابا آئیں بتاؤں گی انہیں۔“ اس کی ماں نے اس کے تمام ارمانوں پر اوس گرادی۔

”یا اللہ آج کا دن جلدی سے گزر جائے۔ وہ بدتمیز لڑکی بابا کو نہ بتائے اور اللہ میاں بابا میری بات کا یقین کریں۔“ سارا دن کانپتے دل سے مہر دعا مانگتی رہی۔

”مہر! بات سنو۔“ رات بابا نے اسے بلالیا۔

”جی......“

”میں تمہیں اسکول پڑھنے بھیجتا ہوں یا لڑائیاں کرنے۔“ قدرے غصے سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کا کان کھینچا‘ مہر کی آنکھیں بھر آئیں۔ ”آئندہ مجھے تمہاری کوئی شکایت ملی تو کھال کھینچ لوں گا۔“ انہوں نے غصے سے تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ مہر کے والدین کا تعلق ان لوگوں میں سے تھا جو سمجھتے تھے کہ اولاد مار پیٹ سے سیدھی رہتی ہے۔ مہر کے اندر بے اعتباری کے بیج سے ایک کونپل نے سر اٹھایا۔

اگلے دن وہ لڑکی ایک خوب صورت سا بینڈ لگا کے آئی جو مہر کے بابا نے اسے لے کے دیا تھا اور پھر اس لڑکی نے اپنا وطیرہ ہی بنالیا‘ ذرا سے نقصان پر مہر کو دھمکیاں دیتی اور مہر منمناتے ہوئے اپنی پاکٹ منی اس کے حوالے کردیتی۔ وہ سکس کلاس میں تھی جب ایک دفعہ مدثر سے پھر اس کی لڑائی ہوگئی اور حسب عادت مار اسے ہی پڑی تھی اماں سے بھی اور مدثر سے بھی۔

”تم دونوں ایک دوسرے کو بلایا ہی مت کرو‘ جب بنتی نہیں تم دونوں کی تو‘ خبردار آئندہ میں تم دونوں کو ایک دوسرے سے بولتے ہوئے نہ دیکھوں۔“ اماں کی ہدایت پر مہر کو تو خوشی ہی ہوئی آئندہ آنے والے دنوں میں دونوں نے ایک دوسرے کو بالکل بھی نہ بلایا‘ وہ دونوں اجنبیوں کی طرح رہتے۔ اماں کا یہ فیصلہ صحیح تھا یا غلط مہر کو تو بہت سکون میسر آگیا تھا‘ مدثر کو نہ بلانے کا مطلب تھا اس کے کام بھی نہیں کرنا۔ ایک آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر گرا‘ اسے دھیان سے سنتے اس کے شوہر نے نرمی سے اس کا سر تھپتھپایا۔

”مہر! تمہیں نہیں لگتا کہ تمام باتیں نارمل سی ہیں‘ اکثر بچوں کو بچپن میں ایسے حالات کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ تمام باتیں ایسی نہیں ہیں کہ کوئی حواس کھو بیٹھے۔“ مہر نے سر اٹھا کے لحظہ بھر اپنے شوہر کو دیکھا۔

"جس طرح ایک بیج زرخیز، بنجر، پتھریلی، تھور زدہ، ریتیلی زمین میں بونے سے مختلف نتائج دیتا ہے بالکل ایسے ہی ایک بات بھی مختلف ذہنوں پر مختلف طرح سے اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک ماں باپ کے آٹھ بچے ہوتے ہیں کوئی ڈاکٹر بن جاتا ہے کوئی انجینئر، کوئی جج، کوئی معمولی دکاندار کوئی قاتل...... ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ وہ تمام ایک ہی شعبے سے وابستہ ہوں۔ ایک سا ماحول پانے والے ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے بچے ایک جیسے کیوں نہیں ہوتے۔ اسی لیے ناں کہ ان کی سوچ میں فرق ہوتا ہے آپ خود دیکھ سکتے ہیں ہم پانچ بہن بھائیوں کو ایک سا ماحول ملا باقی چار نارمل زندگی گزار رہے ہیں جب کہ میں......" مہر کی آواز رندھ گئی اس سے بولا ہی نہ گیا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا مہر! تم کیوں فکر مند ہوتی ہو۔" اس کے شوہر نے تسلی دی۔

"جب سب کچھ ٹھیک ہوجانا ہوتا ہے تو غلط ہوتا ہی کیوں ہے۔" مہر ڈبڈبائی آنکھوں سے پوچھ رہی تھی۔ اس کا شوہر اس کے معصوم انداز اور بچکانہ سوال پر مسکرادیا۔

"تاکہ ہمیں پھر ٹھیک کی قدر ہوسکے۔"

"یہ غلط سے صحیح ہونے کے درمیان کا جو مرحلہ ہوتا ہے ناں یہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ تمام صلاحیتوں کو بھک سے اڑا لے جاتا ہے انسان کو مفلوج کردیتا ہے۔" آنسو تواتر سے مہر کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کا شوہر اسے پُرسکون رکھنے کے لیے اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

❀......❀......❀

مہر نے ایک نئی دنیا دریافت کرلی تھی اور اپنی اس دریافت پر وہ بہت خوش تھی۔ اسے اب اپنے ماں باپ کی بے اعتباری کھلتی نہ بے اعتمادی۔ وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگی تھی، رات کو سونے سے پہلے ایک خوب صورت خواب بنتی جس میں ایک بہت ینگ اور خوب صورت سی خاتون جو مہر پر اعتبار کرتی اس کی بات کا یقین کرتی، ان کے گھر آکے دعویٰ کرتی کہ مہر اُن کی بیٹی ہے پھر یہ ثابت ہوجاتا کہ مہر اُن ہی کی بیٹی ہے۔ وہ مہر کو اپنے ساتھ لے جانے کی ضد کرتی، مہر بھی اس کے ساتھ رہنے پر خوش ہوتی مگر اس کے ماں باپ...... یہاں آکے وہ جھجک جاتی، ٹھہر جاتی اسے سمجھ ہی نہ آتی آگے کیا بنے پھر اس نے آگے بننا ہی چھوڑ دیا وہ بس اتنا ہی دیکھتی۔

اس دن کلاس میں مہر کا اپنی کلاس فیلو سے جھگڑا ہوگیا، اس نے مہر کو تھپڑ مارا مہر بھی طیش میں آگئی اور اسے تھپڑ ماردیا اسی اثناء میں ٹیچر کلاس روم میں آگئیں اس نے مہر کو تھپڑ مارتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کچھ دوسری لڑکی نے بھی بڑھ چڑھ کر شکایتیں لگائیں، مہر بس حیرت سے اسے دیکھتی رہی وہ ٹیچر کو اصل بات بتانا چاہتی تھی مگر آواز اس کے حلق میں ہی پھنس گئی۔ بے بسی سے اس نے اپنے ہاتھوں پر موجود سرخ چھڑی کے نشان کو دیکھا اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"مہر! پتا ہے جب کوئی مجھ پر زیادتی کرتا ہے ناں تو دل میں کہتی ہوں جب وقت یا موقع ملے گا تو میں اس سے بدلہ ضرور لوں گی اور جب وقت یا موقع ملے تو یا تو معاف کردیتی ہوں یا بدلہ لے لیتی ہوں۔ اس طرح تم بھی رنجیدہ مت ہو جب بھی تمہیں موقع ملے ناں تو اس لڑکی سے بدلہ لینا۔" اس سارے واقعہ کی گواہ اور اس کی دوست نادیہ نے کہا اور اس نے وہ بات جیسے گرہ سے باندھ لی۔ وہ کلاس میں سب سے پیچھے بیٹھتی تھی، انگلش کا اورل ٹیسٹ ہورہا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" فر فر سبق سناتی مہر سے اس کی ٹیچر نے پوچھا۔

"مہر فاطمہ!"

"کل سے آپ سب سے اگلی سیٹ پر بیٹھا کریں، اوکے۔" ٹیچر نے ہدایت کی۔ مہر نے ہولے سے سر ہلادیا۔

وہ اپنی کلاس میں فرسٹ آئی تھی اس کے بابا نے اسے ڈھیروں پیار کیا تھا اور پھر اس کی کامیابیوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا وہ ہر کلاس میں پوزیشن لیتی تھی۔ وہ میٹرک میں تھی جب اس نے اپنی اس کلاس فیلو کو دیکھا جس نے بچپن میں اس پر الزام لگایا تھا اور جو اس کی ساری پاکٹ منی بٹور لیا کرتی تھی، وہ چھٹی جماعت میں تھی اور مہر کو دیکھتے ہی نظریں چرالیا کرتی۔

"واقعی نادیہ ٹھیک کہتی ہے، وقت ہر کسی کو موقع دیتا ہے اور اس لڑکی سے وقت نے کیسا اچھا بدلہ لیا ہے۔" وقت گزرنے کے ساتھ مہر کی نیچر عجیب ہوتی جارہی تھی، اس کی کامیابیاں جہاں اسے اعتماد بخش رہی تھیں، وہیں گھر والوں کا بے اعتبار رویہ اسے ڈرپوک اور دبو بنا رہا تھا۔

"مہر سبق سناؤ؟" اس کی ٹیچر نے کلاس میں آتے ہی کہا۔

"جی......" وہ ہونق بنی انہیں دیکھتی رہی۔

"مہر آپ پر گھر والوں کا بہت پریشر ہے کیا؟" اس کی ٹیچر پوچھ رہی تھیں۔ مہر نے آنسو پیتے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر اتنا گھبرا کیوں جاتی ہو، بات بات پر رونے لگتی ہو۔" مہر خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ "کل تم اسمبلی میں اچھی بات کہو گی، سب فیس کروگی تو کانفیڈنس آئے گا تم میں اور انکار بالکل بھی نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلانے ہی والی تھی جب اس کی ٹیچر نے کہا۔

گھر آکے وہ پریکٹس کرتی رہی، اگلے دن اسمبلی کے بعد ٹیچر نے اسے اشارہ کیا، وہ ہولے سے قدم اٹھاتی اسٹیج پر مائیک کے سامنے کھڑی ہوئی۔ دو ہزار طالبات، چالیس ٹیچرز اور پرنسپل...... اس نے ابھی کہنا شروع ہی کیا تھا کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ خود پر قابو پانا چاہ رہی تھی مگر اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ یہ کپکپاہٹ اس کی آواز میں در آئی اور پھر اس کی آواز حلق سے نکلنا ہی بند ہوگئی، بے بسی سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا، پیچھے سے لڑکیوں کے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں اچانک پرنسپل اس کے پاس آئیں، اس کے آنسو پونچھتے ہوئے انہوں نے حوصلہ افزائی کی تو مہر کو اور زیادہ شرمندگی نے گھیر لیا۔

"کیا ہوا مہر!" پاس بیٹھی میگزین دیکھتی اس کی ساس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مما!" اسے اور بھی شرمندگی ہوئی، وہ اسی طرح ماضی کو یاد کرتے ہوئے حال کو فراموش کردیا کرتی۔

"بیٹا کیوں ہر وقت ماضی کو سوچتی ہو، ماضی تو بھول جانے کے لیے ہوتا ہے۔" اس کی ساس نرمی سے کہا۔

"ماضی ہی تو نہیں بھولتا مما!" وہ بے بسی سے بولی۔

"کیا میرے بیٹے کی محبت، اعتماد اور مان، ماضی کی بری یادوں کو کھرچنے میں ناکام ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے مما! میں ماضی یاد رکھنے کے لیے نہیں، میں تو اپنی غلطیوں کا جائزہ لینے، احتساب کرنے کے لیے ماضی میں جھانکتی ہوں کہ میں کہاں غلط تھی جو میرے والدین......" اس نے برسنے کو بے تاب آنکھوں کو پونچھا۔

"مرحہ دو سال کی ہوگئی ہے اور......" اس کے حلق میں نمکین گولہ اٹکا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا مہر!" وہ اسے تسلی دیتی فون کی بجتی گھنٹی کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"میرے بابا جو مجھ سے بے حساب محبت کرتے تھے پر میرا اعتبار نہ کرتے تھے جنہوں نے مجھے بے پناہ چاہت دی پر مان نہ دیا۔ عزت دی پر اعتماد نہ دیا کب میری تکلیف ختم ہوگی میرے رب، کب انہیں پتا چلے گا میں غلط نہیں۔" اس نے درد سے پھٹتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

❀......❀......❀

"اُف! آج تو میں تھک گئی، اتنے ڈھیروں ڈھیر کام کیے، صبح سب کا ناشتا بنایا پھر صفائیاں کیں، دوپہر کا

کھانا پکایا اور بھی اتنے کام......" مہک دہائیاں دے رہی تھی۔ اس کے بابا نے ایک نظر مہر کو دیکھا' وہ شرمندہ ہوگئی۔ مریم کی شادی کے بعد مہر ہی کام کرتی' کبھی اس کا پیپر ہوتا یا طبیعت خراب ہوتی تو مہک بھی ہاتھ بٹا دیتی۔ مہک کی ایک عادت تھی کہ وہ ایک کام بھی کرتی تو ہر فرد کو بتاتی اور احسان جتلاتی' یہی عادت شادی سے پہلے مریم کی تھی۔

اگلے دن ان کے گھر امی کے ماموں کی فیملی آئی تھی سو خاطر مدارت بھی شانِ شایان ہونا تھی۔ اماں تو مہمانوں کے پاس ہی بیٹھی رہیں جب کہ کھانے کا انتظام مہر کے ذمہ تھا مہک بھی ہاتھ بٹا رہی تھی۔ سارے مسالے چوپر میں ڈال کے مہر نے بٹن آن کرنا چاہا مگر یہ کیا لائٹ ہی چلی گئی سو کباب کے تمام مسالے اس نے ہاتھ سے پیسے' قورمہ' بریانی' کھیر' سلاد' رائتہ اور تمام کھانے کی اشیاء ٹیبل پر لگا کے خود وہ نہانے چلی گئی' مہمان تین چار گھنٹے رکے تھے بس۔

"بابا آج میں چٹنی بنانے لگی تو لائٹ چلی گئی' میں نے چٹنی ہاتھ سے پیسی۔ اُف! ابھی تو کل کی تھکان ہی نہ اتری تھی۔" مہک حسب معمول رات کو دہائیاں دے رہی تھی۔

"اوہ! تو میرا بیٹا کیا کھائے گا؟"

"آئس کریم ڈھیر ساری۔" مہک خوش ہو کے بولی۔

"یہ دنیا واقعی بولنے والوں کی ہے۔" مہر نے دل میں سوچا۔ ایک برائی مہر میں یہ تھی کہ اس کے دل میں کوئی بات اٹک جاتی تو نکلتی نہ تھی اور اسے کوئی بات بھولتی ہی نہ تھی سو اس کا رویہ بھی کسی سے بے تکلف نہ تھا۔ اپنے بھائی بہنوں تک سے وہ تکلف برتتی۔ اب اچھی خاصی میچور ہو چکی تھی' وہ سیکنڈ ائیر کی اسٹوڈنٹ مگر بچپن کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرتی۔

ان کے کالج میں سالانہ فنکشن تھا چیف گیسٹ مشہور سماجی شخصیت ڈاکٹر جمشید حیات تھے۔ ٹی وی اخبارات میں مہر اُن کے انٹرویوز پڑھ اور دیکھ چکی تھی اس وقت بھی وہ ان سے آٹو گراف لینے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی جیسے ہی تمام ٹیچرز اِدھر اُدھر ہوئیں وہ اسٹیج پر آ گئی۔

"سر! آٹو گراف پلیز۔" اس نے ڈائری آگے کی۔

"سر! آپ پلیز اپنا نمبر بھی دے دیں۔" انہوں نے ڈائری واپس کی تو مہر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اب تو کوئی فائدہ نہیں بیٹے۔" وہ مصنوعی تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "بچے جوان ہیں اور پوتے بھی ہوگئے ہیں...... چچ چچ چچ......" مہر اُن کی بات پر بے ساختہ ہنس دی۔

"ایسی بات نہیں ہے سر! آپ چلڈرن اسپتال بنا رہے ہیں ناں تو میرے پاس کچھ فنڈز جمع ہیں۔"

"وہ تو آج کل میرے بیٹے اذان حیات کی ذمہ داری ہے' ان کا نمبر لکھ دیتا ہوں اور آپ میرا یہ کارڈ رکھ لیں۔" انہوں نے کارڈ اور ڈائری مہر کی جانب بڑھائی۔

"شکریہ سر!" مہر اپنے کالج میں یوتھ ونگ کی فنانس سیکریٹری تھی' تمام فنڈز وغیرہ اس کے پاس ہوتے تھے۔ کالج کی طالبات کی ضروریات سے جو فنڈ بڑھ جاتے وہ اپنی مرضی اور ٹیچرز کی اجازت سے کبھی شوکت خانم اسپتال تو کبھی سہارا فار لائف ٹرسٹ یا ایدھی سینٹر بھجوا دیتی مگر اس بار اس کا ارادہ ڈاکٹر جمشید حیات کی سرپرستی میں بننے والے اسپتال کو فنڈ دینے کا تھا۔

ایف اے میں مہر حسب معمول بہت شاندار نمبروں سے پاس ہوئی تھی اس کا ارادہ آگے جرنلزم پڑھنے کا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ جس کالج میں وہ زیر تعلیم تھی وہ حال ہی میں بنا تھا جب کہ دوسرا کالج جو شہر سے باہر تھا ان کے گھر سے پون گھنٹے کے فاصلے پر تھا۔ وہ میٹرک کے بعد ہی اس کالج میں جانا چاہتی تھی مگر اس کے بابا نے منع کر دیا۔

"کرنا ہے تو یہیں سے کر لو ورنہ جتنا پڑھ لیا ٹھیک ہے۔" مہر اپنے آنسو پی کے رہ گئی اسے وہ لمحے یاد آئے

جب کبھی چھٹی کے ٹائم کوئی ٹیچر کلاس میں آ جاتی تو اس کا دل ڈوبنے لگتا' نظریں گھڑی سے چپک جاتیں۔ کالج کا ٹائم ختم ہوتے ہی وہ گھر کی جانب بھاگتی' کبھی پانچ منٹ بھی راستے میں تاخیر ہو جاتی تو اماں سے مع الزام ایک لیکچر سننا پڑتا۔ اسے کوئی دوست بنانے کی اجازت تھی نہ کسی کے گھر جانے کی۔ رشتہ داروں کے ہاں بھی دو تین سال بعد جانا ہوتا۔

چھٹیوں میں تو اسے یہی لگتا کہ وہ کسی قید خانے میں ہے جہاں بے جا حبس اور نہایت گھٹن ہے۔ سیل فون صرف بابا کے پاس ہوتا ایک اماں کے پاس بھی جسے وہ ہر وقت یوں چھپا چھپا کے رکھتیں کہ نجانے وہ کوئی بلا ہو جو مہر کو اُچک لے۔ اس کی دوست کا کبھی کبھار فون آ جاتا تو اماں اسپیکر آن کر کے سنوایا کرتیں۔ خود سے فون کرنے کا تو تصور تک نہ تھا' ہاں مہر نے امید کا دامن بہت مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ وقت سدا ایک سا تو نہیں رہتا وہ خود کو تسلی دیتی۔

"وہ بھی کتنے عجیب سے شب و روز تھے ناں......" مہر نے بے اختیار جھرجھری لی۔

"کیا ہوا؟" اس کے شوہر نے پوچھا۔ وہ سمندر کنارے بیٹھے تھے ان کے تینوں بچے دور ساحل کی گیلی ریت سے کھیل رہے تھے۔

"کچھ نہیں' یونہی ایک خیال سا آ گیا تھا۔"

"آج کل محترمہ پر خیالات کی یلغار ہو رہی ہے۔" مہر نے نوٹس کیا اس کا لہجہ طنز سے عاری تھا۔

"پاپا! بھائی مجھے ساتھ نہیں کھلاتے۔" دو سالہ مرحہ منہ بسورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ارے کیوں نہیں کھلاتے بھئی' آپ میرے ساتھ کھیلو آؤ۔"

"نہیں مجھے بھائیوں کے ساتھ کھیلنا ہے۔" وہ ٹھنکی۔

"آؤ آج بھائیوں کی تو کلاس لیتے ہیں' کیوں نہیں کھلاتے میری گڑیا رانی کو۔" اس کا شوہر مرحہ کو اٹھا کر دور کھیلتے اس کے دونوں بیٹوں ابتہاج اور منہاج کے پاس جانے لگا۔ اس نے رشک سے دیکھا اور تشکر سے آسمان کی جانب نگاہ کی پھر بے ساختہ جھکا لی۔ مصنف ہاشم ندیم ٹھیک ہی کہتا ہے خدا تو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے پھر ہم آسمان کی جانب نگاہ کیوں کرتے ہیں اور میں کہتی تھی امید کا تو وجود ہی نہیں اس زندگی میں' ندامت اس کے دل میں جمع ہونے لگی۔

❀......❀......❀

کبھی کبھار اسے لگتا وہ اپنے والدین سے نفرت کرتی ہے' کبھی کبھار اس کا دل چاہتا وہ اس دنیا کو آگ لگا دے۔ اس کا سب سے بڑا مسئلہ نہ بولنا تھا' اس پر کوئی الزام بھی لگ رہا ہو تو وہ بس خاموشی سے سر جھکائے رونے لگتی' اسے وضاحتیں دینی آتی تھیں نہ وہ دلائل دے سکتی تھی۔ اس کے گلے سے آواز ہی نکلنی بند ہو جاتی ایک چیز جو اس کے اندر گڑ گئی تھی کہ میرا اعتبار کوئی نہیں کرتا۔ اس کے بہن بھائیوں نے بھی تو انہی والدین سے تربیت پائی تھی ہاں وہ کوئی بات دل میں نہ رکھتے تھے' انہیں ماں باپ سے ناراضگی ہوتی یا شکایت وہ دھڑلے سے کہہ دیتے اور مہر سب کچھ دل میں رکھتی۔ پتا نہیں ایسے بچوں کو خود کا احتساب کر کے خود کو ٹھیک کرنا چاہیے یا ان کے ماں باپ کو ان کی تربیت نارمل بچوں سے ہٹ کے کرنی چاہیے لیکن یہ طے ہے ایسے بچے اجیرن زندگی گزارتے ہیں۔ یہ بظاہر نارمل ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر آتش فشاں ہوتا ہے یہ خود کو مضبوط ظاہر کرتے ہیں مگر ہوتے نہیں۔ کنفیوژڈ پرسنلٹی ہوتی ہے ان کی' یہ بظاہر جسمانی طور پر نارمل ہوتے ہیں مگر ان کے دل میں بغاوت کا پھوڑا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔

اس تنگ و تاریک ماحول میں مہر کے آرٹیکلز اور کالمز اسے ہوادار کھڑکیاں محسوس ہوتیں' اس کے آرٹیکلز اور کالمز بہت پسند کیے جاتے اور جب لوگوں کو پتا چلتا کہ وہ بی اے کی اسٹوڈنٹ ہے تو سب اس کی سوچ پر اس کے لکھنے کے انداز پر حیران رہ جاتے۔ جرنلزم نہ پڑھنے

کی خواہش البتہ اسے کبھی کبھار تنگ کرتی تو وہ خود کو تسلی دیتی کہ ساری خواہشات پوری ہوجانے کے لیے تو نہیں ہوتیں یہ اور بات کہ دل میں رستا ناسور کہتا' تو کیا ساری خواہشات ہی نامکمل ہونے کے لیے ہوتی ہیں۔ وہ اگر آرام سے دلائل دے کر اپنے بابا کو کہتی تو اس کے بابا مان ہی جاتے مگر بات تو وہی اسے دلائل دینے ہی کہاں آتے تھے اسے تو بس رونا آتا تھا اور وہ جی بھر کے اپنا یہ شوق پورا کرتی' اپنے دل میں لگے بے اعتباری کے تناور درخت پر جھولا ڈال کے جھولتی رہتی۔

بی اے میں اس نے ولیم بلیک کی نظم Poison Tree پڑھی مس سیما کے پڑھانے اور سمجھانے کا انداز اور شاعر کے استعارے' اسے لگا یہ نظم اسی کے لیے لکھی گئی ہے۔

I was angry with my Freind
I told my Friend, my wrath did end

اور مہر چاہے جتنی بھی کسی سے ناراض ہوتی جس سے بھی ہوتی اس نے کبھی اظہار نہ کیا تھا۔

I was angry with my toe
I told it not, my wrath did grow

والدین اس کے دشمن نہیں تھے اسے اپنی فیلنگز بہت پہلے ہی ان سے شیئر کرنی چاہیے تھیں۔

And i watered it, in Fears,
night and Morning with my tears

مہر کو بس آنسو بہانے آتے تھے اور رات دن وہ آنسو بہا کے اپنے اندر بے اعتباری کے پودے کو بڑا کرتی رہی۔

And i Sunned it with smiles
And with Soft deeitful wiles

وہ بظاہر پُرسکون ہونے' خوش ہونے اور مطمئن ہونے کا سگنل چہرے پر سجائے رکھتی۔

شاعر کا انتقام پورا ہوچکا تھا مگر وہ بہت خوش نہ تھا' تو کیا میں بھی......وہ الجھ کے رہ گئی۔

"نادیہ اگر کسی جگہ بیج بویا جائے اس سے درخت بھی نکل آئے اگر اس درخت کو کاٹ دیا جائے تو کیا پھر وہ دوبارہ اُگ آئے گا۔" اس نے نادیہ سے پوچھا۔

"اگر جڑ سے اکھاڑ دیا جائے پھر نہیں اُگ سکتا۔"

"نہیں' اتنے بڑے درخت کو ایک دم سے جڑ سے اکھاڑنا تو ممکن نہیں ناں' بس اوپر سے کاٹ دیا جائے۔"

"ہاں اگر دیکھ بھال کی جائے تو اُگ سکتا ہے۔"

"اور اگر دیکھ بھال نہ کی جائے تو......؟"

"تو بس وہ موٹا سا تنا یونہی رہے گا۔" اس نے سوچا وہ اپنے اندر اُگے بے اعتباری کے درخت کو اب کاٹ دے گی' اسے شاعر جیسا انجام نہیں چاہیے تھا مگر یہ اتنی جلدی کہاں ممکن تھا۔

اس دن اسے دعوت نامہ موصول ہوا تھا اسے آل پاکستان بیسٹ آرٹیکل رائٹر کا ایوارڈ دیا جارہا تھا۔ تقریب الحمراہ ہال میں تھی وہ اپنے بابا کے ساتھ گئی تھی' نگاہیں گھمائے اس نے دائیں جانب دیکھا وہ ڈاکٹر جمشید حیات تھے ساتھ بیٹھے شخص کی شکل تو ملتی تھی شاید وہ ان کے بیٹے تھے اور ان کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ......تقریب ختم ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی' بابا کو کچھ کام تھا جو اسے یہیں رکنے کا اشارہ کر کے خود وہ باہر چلے گئے۔ کچھ دور اسے ڈاکٹر جمشید حیات کھڑے نظر آئے وہ لپک کے گئی اور انہیں سلام کیا۔

"کیسی ہو بیٹا؟" انہوں نے سلام کے جواب کے بعد پوچھا۔

"ارے وہ مہر فاطمہ تم ہو' میں تو کوئی ایجڈ خاتون سمجھتا تھا۔ وہ ڈاکٹرز پر آرٹیکل لکھا تھا ناں بڑی بات ہے تمہارے انداز میں۔ وہ میرا بیٹا ہے اذان اور اس کی گود میں اس کا بیٹا منہاج۔" مہر نے سر اٹھا کے اس کی جانب نگاہ کی وہ فون کی جانب متوجہ تھا جب کہ اس کا ننھا سا بیٹا فون چھیننے کی کوشش میں تھا۔

"بیٹا میں تمہیں فون کرنا چاہ رہا تھا۔"

"چھوڑیں سر! اب کیا فائدہ' آپ کے بچے جوان ہیں' پوتے پوتیاں بڑے ہورہے ہیں۔" مہر نے عرصہ پہلے کہے گئے ان کی الفاظ لوٹائے' انہوں نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"الفاظ کا کب کہاں اور کیسے استعمال تم نہیں جانو گی تو کون جانے گا۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے' ان کے بیٹے بھی پاس آ کھڑے ہوئے۔

"خیر فون میں اس لیے کرنا چاہ رہا تھا کہ ہسپتال بنوانے میں جن لوگوں نے ہماری مدد کی ہے انہیں ہم ایوارڈ دے رہے ہیں' آپ ضرور آیئے گا۔" انہوں نے پلٹ کے دیکھا۔

"یہ اذان حیات ہے' تمہاری بات ہوتی ہوگی اس سے۔" ان کے تعارف پر مہر کو یاد آیا تین چار بار اس سے بات ہوئی تھی' آفیشل لہجہ' پروفیشنل انداز۔

"اذان بیٹا یہ مہر فاطمہ ہے وہ آرٹیکل تم نے......"

"پاپا! زیدی صاحب بلارہے ہیں اور منہاج بھی بہت تنگ کررہا ہے۔" اذان نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا' مہر کو ڈھیروں شرمندگی نے گھیر لیا۔

"مہر بیٹا تم منہاج کو ذرا دیر کو پکڑلو۔ ہم زیدی صاحب کی بات سن کے آتے ہیں۔" جمشید نے منہاج کو اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اُف بدتمیز نہ ہو تو......" اذان کا انداز یاد آتے پھر اسے شرمندگی ہونے لگی۔

منہاج بہت چھوٹا تھا' اس نے ابھی بولنا شروع کیا تھا اور اتنے چھوٹے بچے کو سنبھالنا مہر کو بہت مشکل لگتا تھا' اوپر سے اذان صاحب کے انداز' وہ دور کھڑے کسی شخص سے بات کرتے گاہے بگاہے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ تو بچے کو لے کے بھاگ ہی جائے گی' اسے سخت ناگواری کا احساس ہوا تو اس نے اس کی جانب سے رخ موڑ لیا۔ بابا بھی نہیں آرہے تھے' وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی اتنے میں بچے نے بھی بسورنا شروع کردیا۔

"بیٹا اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہارے بسورنے پر لاڈ اٹھاؤں تو وہ میں نہیں کرسکتی' ان فیکٹ مجھے تمہاری عمر کے بچوں کے لاڈ اٹھانے نہیں آتے' تھوڑی دیر چپ رہو پلیز ابھی تمہارے پاپا آئیں گے تو ان کے سامنے بسور بھی لینا اور جی بھر کے رو بھی لینا اور نہیں......"

"جی مجھے دے دیں اسے......" وہ چونک کے مڑی' پیچھے اذان کھڑے تھے' مہر نے خاموشی سے بچے کو اس کے حوالے کیا۔

"اُف پتا نہیں کیا کیا سن لیا ہے' خیر مجھے کیا۔" اس نے کندھے اچکائے' بابا آرہے تھے وہ ان کی جانب چل دی۔

❀......❀......❀

اس کا ایم اے مکمل ہوا ہی تھا کہ چاچو اپنے بیٹے کا پرپوزل لے آئے' پڑھا لکھا تو تھا ان کا بیٹا اسد پر ان کی سوچ میں اچھا خاصا فرق تھا اور اس کی چاچی مہر کو ان سے بہت خوف آتا تھا' عجیب چنگیزی طبیعت کی تھیں وہ ہر ایک پر رعب ڈالنے کی شوقین' سات بیٹوں کا زعم۔ مریم نے اس پرپوزل کی بارے میں مہر سے پوچھا تو وہ بالکل خاموش رہی۔

"جن والدین نے جنم دیا اور تیئس سال میں جن کی پاس رہی انہیں ابھی تک میری پسند کا پتا نہیں چلا تو کیا میرے بتانے سے وہ سمجھ جائیں گے' یارب مجھے بچا لینا۔" وہ دن رات دعائیں مانگتی مگر وہ پرپوزل قبول کرلیا گیا یہ اور بات کہ دل سے اماں خوش تھیں نا بابا۔ مہر اندر ہی اندر گھٹتی رہی' قسمت ہاتھ بھر کے فاصلے پر کھڑی تھی لیکن اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ اپنے بابا یا اماں سے بات کرتی۔ مہر نے اپنی ذات کے گرد ایک خول بنایا لیا تھا وہ نہ کسی کو اس کے اندر گھسنے دیتی نہ خود اس سے باہر نکلتی۔ اس خول کے اندر بے اعتباری تھی' گھٹن تھی' بے سکونی تھی اور بدگمانی تھی۔ اس کے والدین کے اس

فیصلے نے اسے ان سے اور زیادہ بدگمان کردیا تھا۔
آخری دن، آخری وقت اور آخری لمحے تک وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی لیکن بے سود۔ کچھ تو پہلے ہی اسے اپنی چچی اچھی نہ لگتی تھیں اور کچھ اس کے دل کی بدگمانی نے اسے اور متنفر اور قدم جمانے کی راہ کو مسدود کردیا تھا۔ اس دن چچی نے اسے اُپلے بنانے کو کہا تھا اسے تو گوبر کو دیکھ کر ہی قے آجاتی تھی کہاں اس میں ہاتھ ڈالنا۔

"میں نے کبھی نہیں بنائے۔"

"بنائے نہیں تو کیا نہ بنانے کی بھی قسم کھائی ہوئی ہے، جلدی کرو۔" اس کی چچی بھی عجیب سائیکو کیس تھیں۔ سات بیٹے جن میں تین کماتے تھے اور خاوند بھی کماتا تھا۔ ان کی کمائی اپنے ہاتھ میں رکھتیں یا تو اپنے لیے گولڈ کی کوئی چیز بنوالیتیں یا گھر کی کوئی نئی اور غیر ضروری چیز لے آتیں۔ چولہا مگر ہاتھ کا بنا تھا جس میں لکڑیاں جلاتیں یا اوپلے کیونکہ گاؤں میں گیس نہیں تھی۔

منہ دوسری طرف کرکے آنکھیں بند کرکے اس نے ہاتھ ڈالے اور قدرے بے بسی سے اوپلے بنائے، نتیجہ سامنے تھا ساری رات اس کے ہاتھوں میں جلن اور خارش ہوتی رہی۔ اسد تو صبح ہی کام پر چلے گئے تھے۔ شام کو اسد نے آ کر اس کے سوجے ہاتھوں کی بابت استفسار کیا تو وہ خاموشی سے لب کاٹنے لگی۔

"ارے ہاتھ اللہ نے کام کے لیے بنائے ہیں جب استعمال نہیں کریں گے تو یہی حال ہوگا نا۔ اپنی مہارانی سے کہو کام وغیرہ کیا کرے۔" چچی کی باتوں پر اس کی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

"مہر! اب اماں اس عمر میں کام کرتی ہیں، تم فارغ رہتی ہو تو اچھا لگتا ہے کیا۔ تین ماہ ہوگئے ہیں شادی کو کچھ تو ہاتھ بٹایا کرو۔" رات سونے سے پہلے اسد کہہ رہے تھے۔

خلیل جبران کہتا ہے اور کتنا سچ کہتا ہے کہ "اگر تم وہ دیکھتے ہو جسے روشنی ظاہر کرتی ہے اور وہی سنتے ہو جس کا اقرار آواز کرتی ہے تو دراصل تم نہ دیکھتے ہو اور نہ ہی سنتے ہو۔" مہر اپنی اماں سے کچھ بھی ڈسکس نہ کرتی تھی۔

"آپ پہلے سے ہی ان کے بارے میں سب کچھ تو جانتے تھے۔" دبا دبا سا شکوہ اس کے اندر ہر وقت موجود رہتا جواباً اس کے والدین یہی سمجھتے کہ وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔ اس کی چچی کا رویہ دن بہ دن اس کے ساتھ خراب ہی ہوتا جارہا تھا۔ سارا دن کاموں میں جتی وہ اپنا آپ تک بھول گئی۔ اس دن اس کی ساس نے اسے چائے بنانے کو کہا، اوپلوں کی آگ خاصی دیر سے جلی اور کچھ بے تحاشا دھوپ۔

"دن بہ دن ہڈحرام بنتی جارہی ہو تم۔" اس کی چچی پاس آکر چلائی تھیں۔

"چچی جان میں......" وہ کچھ بولنے کو تھی جب چچی نے جھلستا چمٹا اس کے ہاتھ پر دے مارا۔ شدتِ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ چچی کیتلی لے کے اندر جاچکی تھیں، ڈبڈبائی آنکھوں سے اس نے دروازے کی جانب دیکھا، اسد کھڑے تھے یقیناً وہ سب منظر دیکھ چکے تھے۔

"آؤ......" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اندر دوائی لگانے لگے۔

"چائے کا ایک کپ کہا تھا سر درد سے پھٹا جارہا ہے، ارے جان بوجھ کے ہاتھ جلا کے اب میرے ظلم کی کہانیاں گھڑ کے سنا رہی ہے۔" چچی جان واویلا کرتی ہوئی اندر آئیں۔

"اماں اس نے تو کبھی مجھے اصل بات بتائی نہیں ظلم کی کہانیاں کیا گھڑے گی۔" اسد کے لہجے میں شکایت تھی۔ "اماں آپ آرام کریں۔" اسد نے کہا تو وہ مہر کو گھورتے ہوئے چلی گئیں۔ اسد بیڈ کے کنارے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"اسد......" مہر نے قریب جاکر کے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"مہر! تم نے کبھی مجھ پر اعتبار نہیں کیا؟" اس کے

لہجے میں ڈھیروں شکوے تھے۔

"میں آپ پر خود سے زیادہ اعتبار کرتی ہوں اسد! بس مجھے بتانا نہیں آتا، میں نے کبھی آپ کی اماں کو کوئی تکلیف نہیں دی مجھے یوں رو رو کے ہر بات بتانے کی عادت نہیں ہے، آپ میرا اعتبار کرتے ہیں ناں۔"

"ہاں، بہت بہت زیادہ......" اس نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھ سے بھی بدگمان نہ ہوئیے گا، میں بس ہر بات نہیں بتا سکتی، مجھے آپ پر بہت اعتبار ہے مگر مجھے ہر بات بتانا نہیں آتی۔" وہ امید بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی جواباً اسد نے اسے بھرپور یقین دلایا تھا۔ سخت سے سخت پتھر پر بھی قطرہ قطرہ پانی گرنے سے اس میں سوراخ ہوجاتا ہے اسد تو پھر انسان تھا۔ اماں ہر روز رات کو مہر کے خلاف رپورٹ دیتیں وہ خاموشی سے سر جھکائے سنتا رہتا۔ مہر ان دنوں تخلیق کے ابتدائی مراحل میں تھی جب اسد کے کزن کی شادی کا بلاوا آیا وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر اسد کے اصرار پر اسے جانا پڑا۔ چچی جان کا بلاوا اسے مل چکا تھا مگر اس میں اٹھنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔ تیسری بار اسد سے چھوٹے احمر نے اماں کا بلاوا دیا تھا، اپنے دوستوں میں بیٹھا وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہوا۔

"یہ اماں بھی ناں بس......" وہ جھنجلاتا ہوا اماں کے پاس آیا۔

"ارے کچھ اپنی بیوی کی خبر لو جب آنا نہیں چاہتی تھی وہ تو نہ لاتے، اب منہ سجائے بیٹھی ہے۔ ہمت ہے بھئی ہماری جو اسے برداشت کررہے ہیں۔"

"واقعی آپا بس اچھی شکل اور تعلیم کا زعم ہے اسے۔" کسی دل جلی نے تبصرہ کیا۔

"ارے میں ہوتی تو ابھی کے ابھی بھرے مجمع میں نکال باہر کروں۔"

"واقعی آپا ہمت ہے تمہاری، حوصلہ ہے تمہارے بیٹے کا۔" آخری چند قطرے گرے اور پتھر میں سوراخ ہوگیا۔ اسد کی جھنجلاہٹ غصے میں تبدیل ہوچکی تھی اور غصہ تو ہوتا ہی شیطانی ہے، جھٹ پٹ بھرے مجمع میں تین حرف بول دیے۔

"ارے یہ کیا کردیا تم نے۔" چند لوگ جھوٹی ہمدردی کو آگے بڑھے مہر ساکت کھڑی تھی۔ اسد جاچکا تھا۔ چچی جان اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے میدان میں اتر آئیں۔

"ارے تم کیا جانو اس کے لچھن!" وہ چچی جان کی جانب متوجہ نہیں تھی کہ کیچڑ اچھالنے والا فقط پہلا ہاتھ ہی یاد رہتا ہے وہ تو اپنے والدین کی جانب دیکھ رہی تھی جن کی نگاہوں میں بے اعتباری تھی، بداعتمادی تھی اور مہر کے لیے نفرت تھی فقط نفرت۔ مجمع میں کیا ہورہا تھا اسے پروا نہیں تھی، وہ خاموشی سے گیٹ پار کرگئی۔ وہ کہاں جارہی تھی وہ کیوں جارہی تھی جیسے سوال اس سے کوسوں دور کھڑے اس کی راہ تک رہے تھے۔

امید...... امید کا اس دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہیں، امید کا وجود اس دنیا سے عنقا ہوگیا ہے۔ امید اور مایوسی کے کنارے پر کھڑی بدگمانی اور بے اعتباری کے درخت پر جھولنے لگی۔ اچھا وقت جواب شاید کبھی نہیں آئے سامنے سے آتی گاڑی نے بمشکل بریکس لگائے مگر وہ اس سے ٹکرا کے نیچے گر گئی تھی۔

"کہاں تھیں......؟" اذان نے اس کے سامنے آکے ٹیبل بجاتے ہوئے کہا۔

"ماضی میں......"

"نکل آؤ یار! اچھے وقت میں بُرے وقت کو یاد رکھنا صرف اور صرف ناشکری ہے۔"

"میں بُرے وقت کو یاد نہیں رکھتی بلکہ بُرے وقت کی غلطیاں یاد کررہی تھی۔"

"اچھا تو کہاں غلط تھیں؟"

"جہاں جہاں غلط تھی میں نے باور کروایا خود کو، ایمان داری سے۔"

"میں تمہیں بتاؤں تم کہاں غلط تھیں، تم نے زندگی

میں ایک بہت بڑی غلطی کی۔ تمہاری غلطی تمہارا نہ بولنا تھا' اپنی پوزیشن کلیئر کیے بغیر پیچھے ہٹنا' اس ایک غلطی نے تم سے بہت ساری غلطیاں کروائیں۔"

"میں کیا کروں اذان! بچپن میں میں جب بہت کم بولا کرتی تھی تو اماں اور سب کہتے تھے کہ یہ کتنی اچھی بچی ہے' مجھے لگا نہ بولنا بہت ہی اچھی بات ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ کچھ بولنا تو شاید میں سیکھ ہی گئی لیکن یہ خامی کہہ لیں یا خلاء کہ میرے اندر یہ بات گڑ گئی میں کسی کو وضاحت یا دلائل نہ دے پاتی۔ مجھے بہت سارا رونا آجاتا یا میرے حلق سے آواز نکلنا ہی بند ہوجاتی۔ میں نے اپنی اس خامی کے ہاتھوں بہت بڑے بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔"

"جب آپ کو پتا چل گیا تھا کہ یہ خامی ہے تو پھر کیوں نہ اسے دور کرلیا۔" اذان نے پوچھا۔

"مجھے بہت دیر بعد احساس ہوا کہ یہ خامی ہے اب تو یہ عادت بن چکی ہے اور آپ جانتے ہیں عادتیں بدلنا بہت ہی مشکل کام ہے ویسے بھی اب مجھے کوئی خاص ضرورت بھی نہیں رہی۔ آپ بغیر کہے میری ہر بات جو سمجھ لیتے ہیں ہاں اگر مجھے اب پتا چل جائے کسی اور میں اس خامی کا تو ضرور درست کرنے میں مدد دوں گی۔" وہ عزم سے بولی۔

"پاپا دادو بلا رہے ہیں۔" منہاج اندر آیا۔

"مما! کیا ہوا ہے؟" منہاج اس سے مخاطب ہوا۔

"کچھ بھی تو نہیں بیٹا!"

"مما آپ یوں ہر وقت چھپ چھپ کے کیوں روتی رہتی ہیں۔" مہر نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "میں نے اکثر آپ کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔" منہاج سر جھکائے اعتراف کررہا تھا۔

"کچھ نہیں بیٹا بس بابا اور اماں کی یاد آتی ہے تو......"

"مما ہمیں پاکستان آئے کتنی دیر ہوگئی ہے نانو اور نانا ہمیں ملنے کیوں نہیں آتے۔" مہر کوئی مناسب جواب سوچ رہی تھی جب منہاج بولا۔

"وہ آپ سے اور ہم سے ناراض ہیں ناں' مما مجھے پتا ہے میں ہر نماز میں دعا کرتا ہوں وہ اپنی ناراضگی ختم کردیں' اللہ تعالیٰ بچوں کی دعا ضرور سنتے ہیں' ہیں ناں مما!"

"میری جان......!" مہر نے فرطِ جذبات سے اسے گلے لگالیا۔

❁......❁......❁

اس دن اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے' اسد دوسروں کی باتوں میں بہت جلد آجاتا تھا لیکن ایسے فیصلے اور لہجے کا تو مہر نے کبھی سوچا بھی نہ تھا' وہ خاموشی سے چلی جارہی تھی جب بے دھیانی میں اذان کی گاڑی سے ٹکرا کر نیچے گری جب تک اذان اس کے پاس پہنچا وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔ اذان نے اسے پہچان لیا تھا' راہ گیر کی مدد سے گاڑی میں ڈال کے وہ اسے بچوں کے لیے بنائے گئے اسپتال میں لے آیا تھا۔ اس کی ذہنی حالت بے حد خراب تھی' جمشید حیات نے اس کے بابا کو فون کرکے اس کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ان کے بابا کی زبانی ہی انہیں مہر کے حالات کے بارے میں پتا چلا تھا۔ ابتہاج کی ڈلیوری تک وہ اسپتال میں ہی رہی تھی اس دوران بابا اس سے ملنے آتے تھے' تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھتے اور چلتے جاتے۔ مہر اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی وہ ایسے گناہوں کی سزا پارہی تھی جو اس نے کیے ہی نہیں تھے۔ ابتہاج کی پیدائش کے بعد جمشید حیات نے اذان کے لیے اس کا پرپوزل دیا' جسے بابا نے قبول کرلیا' نکاح میں صرف بابا شریک ہوئے تھے' انہوں نے فقط اتنا کہا۔

"کوشش کرنا جو غلطیاں پہلے ہوئیں اب نہ کرنا۔"

"غلطیاں......" وہ دل میں محض کراہ کر رہ گئی۔

اذان سے نکاح سے قبل اس نے محض یہی سوچا کہ سانسیں ہی پوری کرنی ہیں ناں یہیں سہی لیکن اذان حقیقتاً اس کے لیے بے حد اچھے شوہر ثابت ہوئے۔ وہ مہر کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ابتہاج کے

لیے بھی وہ سگے باپ سے بڑھ کے ثابت ہوا' چار پانچ ماہ بعد وہ لندن چلے گئے' مہر نے وہاں سے اپنا ایم فل اور پی ایچ ڈی مکمل کرلی۔ مرحہ دو سال کی تھی جب وہ واپس پاکستان آئے' زندگی آسودہ و مطمئن تھی کہیں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی مگر......

❁......❁......❁

"اعظم بھائی!" وہ جارہے تھے جب پیچھے سے کسی نے آواز دی' وہ رک گئے اور پیچھے دیکھا ان کے کولیگ تھے۔

"بیٹی ہوگئی پاس آپ کی۔"

"ہاں مہک پاس ہوگئی' فرسٹ ڈویژن ہے۔"

"اچھا میری بیٹی بھی پاس ہوگئی ہے' دونوں ساتھ ہی تھیں ناں' اعظم بیٹی تو آپ کی مہر تھی پڑھائی میں تو اچھی تھی ہی ہر کام میں وہ آگے تھی۔ میں تو اس کے آرٹیکلز کو بہت یاد کرتا ہوں۔"

"ہوں......" وہ خاموشی سے چلتے رہے۔

"میری بیٹیوں کو بہت شوق ہے ان سے ملنے کا لندن گئی ہوئی ہیں' کبھی آئیں تو بتائیے گا۔"

"جی ضرور۔" وہ ہولے سے بولے۔

یہی کوئی آدھی رات کا وقت ہورہا ہوگا' ان کے دل میں ہلکا سا درد اٹھا' وہ خاموشی سے اٹھ کے باہر صحن میں آگئے فریج سے پانی پیا اور کیاری کے قریب بیٹھ گئے۔ انہیں وہ ننھی سی بچی یاد آگئی جو اُن کے گھر آنے پر خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاتی دیگر بہن بھائیوں کی طرح وہ کبھی بھاگ کے ان کے پاس آکے کوئی فرمائش نہ کرتی تھی' جیسے جیسے کہا جاتا وہ ویسے مان جاتی۔ پوزیشن لینے پر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں سے چپک جاتی اور سارا دن وہ دھیرے سے مسکراتی رہتی۔ وہ بچوں پر سختی کے قائل تھے' ان کے سیل فون پر کوئی میسج یا کال آجاتی تو وہ از خود پاس بیٹھ کے سنواتے۔ اسے کوئی آرٹیکل لکھنا تھا وہ خانہ بدوشوں کی بستی جانا چاہتی تھی اسے کچھ معلومات درکار تھیں مگر کیسے انہوں نے بُری طرح ڈانٹ دیا تھا۔ وہ جرنلزم پڑھنا چاہتی تھی مگر انہوں نے منع کردیا وہ ایک لفظ بھی تو نہ بولی تھی بعد میں انہوں نے اسے وکالت کرنے کے کتنے ہی طعنے دیئے وہ خاموشی سے سنتی رہتی۔

اپنے بھائی اور بھابی کا انہیں اچھی طرح علم تھا انہیں مہر کی سوچ کا بھی پتا تھا مگر محض بھائی کی محبت میں انہوں نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھمادیا' مہر ان دنوں کتنی کملائی ہوئی سی رہنے لگی تھی۔ مہر کی وجہ سے ان کی اس شہر میں کتنی عزت تھی' کیسے ان کا سر فخر سے بلند ہوجاتا جب لوگ پوچھتے آپ مہر کے پاپا ہیں حالانکہ انہوں نے مہر کے ساتھ لکھنے کے حوالے سے کبھی تعاون نہ کیا تھا۔ کیا اس سے بڑی بھی کوئی فرماں برداری ہوگی اور وہ ہر وقت مہر کو نافرمان ہونے کے طعنے دیتے اور وہ منظر تو جیسے ان کی آنکھوں میں ٹھہر سا گیا تھا' پورا خاندان اکٹھا تھا' اسد طلاق کے بول بول رہا تھا اور وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ماں الزام لگا رہی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی بھی خاموش تماشائی بنے کھڑے تھے۔ اس نے ایک نظر اُن کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔ وہ سارا وقت اسپتال میں پڑی رہی اور وہ بیگانوں کی طرح مل کے آجاتے' کیا وہ ان کی ذمہ داری نہیں تھی' وہ فون کرتی تو وہ بے رخی سے بولتے۔ ہاتھ سے بہتے آنسو صاف کیے تو محسوس ہوا کوئی اور بھی پاس بیٹھا ہے انہوں نے گردن موڑ کے دیکھا ان کی بیوی تھیں۔

"ہم نے اس پر کبھی اعتبار نہیں کیا' بھابی نے الزام ہی ایسے لگائے کہ...... آج ان کا فون آیا مہر کے گھر کا ایڈریس پوچھ رہی تھیں جو بویا ہوا سے کاٹنا تو ہوتا ہی ہے' اسد کی بیماری کی تو آج تک کسی کو سمجھ ہی نہیں آئی خود بھابی کو ڈاکٹرز نے بلڈ کینسر بتایا ہے' آخری اسٹیج ہے' بچنے کے چانسز بھی زیرو ہیں۔"

"آمنہ بچوں کو ہم نے اپنے خون سے سینچا ہوتا ہے' خود ان کی آبیاری کی ہوتی ہے خود ان کو سانچے میں ڈھالتے ہیں پھر ان پر شک' بے اعتباری' بداعتمادی......

اس کا مطلب ہے ہم کو خود پر اعتبار ہوتا ہے نہ بھروسہ۔ کتنا بے اعتبار بنا دیا نہ ہم نے اس کو لوگ مجھ سے آج بھی پوچھتے ہیں مہر کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں لکھتی؟ بوڑھے لوگ جنہیں میں جانتا تک نہیں میرے پاس آتے ہیں سوال کرتے ہیں۔ مہر بیٹی کہاں ہے اس نے ہمارے متعلق لکھا تھا اس نے ہمارے مسائل حل کروائے تھے ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اب ہمیں فلاں مسئلہ ہے اسے کہیں آئے اور لکھے اسی کاٹ دار انداز میں اشاروں کی زبان میں مثالوں کی چاشنی میں تو پتا ہے میرا ضمیر کیا کہتا ہے وہ کہتا ہے مہر کو مار دیا مہر کو دفن کر دیا ہمارے بے اعتبار رویوں نے جس پر غیروں کو بے حد اعتبار تھا اپنوں نے اسے بے اعتبار بنا دیا۔" وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہے تھے۔

❀......❀......❀

وہ کاغذات کا پلندہ اپنے اردگرد بکھرائے بیٹھی تھی آخری سین رہتا تھا اس کے ناول کا یہ ناول اس نے اذان کی فرمائش پر ہی لکھنا شروع کیا تھا مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ پن لبوں میں دبائے سوچوں میں گم تھی وہ تمام ناول کی طرح اختتام بھی حقیقی کرنا چاہتی تھی مگر اسے سمجھ نہ آ رہا تھا یہ تو طے تھا اسے امید لکھنی ہے اختتام میں امید دکھانی ہے مگر امید کا سرا...... تبھی کوئی دروازہ کھول کے اندر آیا۔ مہر نے بے دھیانی سے دیکھا اور ساکت رہ گئی۔

"بابا......" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کے اسے گلے لگا لیا وہ ابھی تک سخت حیران تھی اماں بھی ساتھ تھیں۔

وہ یوں نارمل انداز میں خوش گپیوں میں مصروف تھے منہاج اور ابتہاج جہاں بے تحاشا خوش تھے وہاں مرحہ کی خوشی کا تو ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ وہ دونوں بھائیوں کی شکایتوں میں مصروف تھی نانا ابو بھی اسے شاید کوئی بات بتا رہے تھے جسے وہ حیرت سے سن رہی تھی پھر باپ کی جانب بڑھی۔

"پاپا......! مما چھوٹی سی میرے جتنی بھی ہوتی تھیں۔"

"یہ تو آپ نے بڑی انوکھی بات بتائی بیٹا!" اذان ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"خوب دل لگا کے پڑھا کرو مما جیسے ذہین بننا ہے آپ کو۔" نانا ابو کہہ رہے تھے۔

"اور اماں کی بہت فرماں بردار بھی۔" اماں نے لقمہ دیا۔

اور مہر کو لگا جیسے سالوں کی محنت وصول ہوئی ہو لفظ نرم پھوار بن کے اس کے اوپر اور اردگرد برس رہے تھے اور وہ پور پور سرشاری سے بھیگ رہی تھی۔ شام کو وہ بہت خوب صورت دن گزار کے ان سے آنے کے ڈھیروں وعدے لیے لوٹ گئے۔

"آخر آخری سین مل گیا مادام آپ کو۔" رات وہ کاغذات لیے بیٹھی تھی جب اذان پاس آ کر بولا۔

"جی جناب مل گیا اور لکھ بھی لیا۔" مہر نے مفصل جواب دیا۔

"اذان! مجھے نہیں لگتا کہ یہ چھپ جائے گا ایک تو میں نے کبھی ناول ٹائپ شے لکھی ہی نہیں دوسرا کرداروں کی نفسیات میرا انہیں خیال میں ٹھیک سے لکھ پائی ہوں۔"

"کچھ باتیں جو مبہم ہوں اَن کہی ہوں ان کو بسا اوقات بندہ زیادہ اچھے سے سمجھ سکتا ہے بہ نسبت جو واضح کہی ہوں۔"

"امید اس دنیا کی حقیقت اس دنیا کی اٹل سچائی ہے یہ دنیا تو قائم ہی امید پر ہے۔ مایوسی کفر ہے اور جن کے اندر مایوسی در آئے امید اپنے پر سمیٹ لیتی ہے ہر کام کا آغاز امید ہر صبح امید اور ہر خوشی امید کے دم سے ہی ہے۔" مہر نے اپنے اندر سے بے اعتباری کے درخت کی آخری جڑ بھی نکال دی کہ یہ امید صبح کے راستے میں حائل ہوتی تھی۔

❀

روحانی مسائل کا حل

حافظ تبیر احمد

صائمہ اقبال...... چیچہ وطنی

جواب:۔ آیت شفا 6 آیات ہیں یہ کسی وظائف کی کتاب میں مل جائیں گی اور انٹرنیٹ پر بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ صبح شام 7,7 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ اپنے اوپر دم کیا کریں۔ جو دوا استعمال میں ہے اس پر اور پانی کی بوتل پر بھی دم کر لیں پانی بھی صبح شام پیا کریں۔

فرحانہ فیض...... میر پور آزاد کشمیر

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74 ,70 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

ھما...... کراچی

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74 ,70 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

اقصیٰ اسلم

جواب: استغفار اور درود شریف کثرت سے پڑھا کریں سکون قلب کے لیے۔

رافیہ اسلم...... کینیڈا

جواب: عشاء کی نماز کے بعد سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جاب اور معاشی حالات اچھے ہونے کی دعا کریں آپ بھی پڑھیں اور شوہر بھی۔ صدقہ بھی دیں۔

اصباح زاھد

جواب: سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم کیا کریں ہر نماز کے بعد 3,3 مرتبہ۔ وظائف جاری رکھیں۔

زوبیہ زھرہ...... سکھر

جواب: عشاء کی نماز کے بعد سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف جاب کے لیے دعا کریں۔

نازیہ نوید...... دبئی

جواب: عشاء کی نماز کے بعد سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف، آسانی اور جلد رہائی کے لیے، صدقہ لازمی دیں۔

ایس زھرہ

جواب: سورۃ الشمس اور سورۃ العصر 11,11 مرتبہ اول وآخر 3,3 مرتبہ درود شریف صبح شام پڑھ کر شوہر پر دم کیا کریں۔ ہو سکے تو پانی پر دم کر کے بھی پلائیں۔ نیت یہ ہو کہ میری طرف اور بیٹی کی طرف توجہ دیں۔

زین کرامت

جواب: آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کریں عشا اور فجر کی نماز کے بعد 21,21 مرتبہ۔ اول وآخر 3,3 مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ سورۃ یٰسین ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد تمام معاملات ٹھیک ہونے کے لیے دعا کیا کریں صدقہ بھی دیں۔ اولاد کے مسئلے میں میڈیکل رپورٹ کیا ہے آپ دونوں کی؟

طوبیٰ عمران...... سعودی عرب، جدہ

جواب: آیت شفا ہیئر آئل پر دم کر کے استعمال کریں۔ 7 مرتبہ پڑھ کر دم کر لیں۔

ص،ز...... گجرات

جواب:۔ عبدالوحید پر عمل کروایا گیا ہے اس کا مکمل علاج کرائیں۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان کی آیت نمبر 74 ,70 مرتبہ اول وآخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ (دعا کریں اگر یہ

رشتہ میرے حق میں بہتر ہو تو یہاں ہو جائے اگر نہیں تو جہاں بہتر ہو وہاں ہو۔ اللہ تعالیٰ اسباب بنانے والا ہے)

بعد نماز عشاء 1 تسبیح استغفار 1 تسبیح درود شریف پڑھ کر اپنے لیے دعا کیا کریں۔

سائرہ بی بی...... چکوال

جواب:۔ صبح:۔

سورۃ شمس 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے روزانہ پلائیں اول آخر درود شریف 3,3 مرتبہ۔ (نیت ہو کہ اس لڑکی کو چھوڑ دیں)

شام:۔

سورۃ عصر 21 مرتبہ (اول آخر 3,3 مرتبہ درود شریف)

رات میں سو جائیں تو سرہانے کھڑے ہو کر پڑھیں۔

(نیت گھر پر توجہ دیں ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ (3 ماہ تک) روزانہ۔

سکینہ بی بی...... فیصل آباد

جواب:۔ وظیفہ شادی ہونے تک جاری رکھیں۔

سورۃ یسین اور سورۃ رحمن پڑھا کریں فجر کی نماز کے بعد۔

حرا احمد...... چکوال

جواب:۔ مالی حالات/ روزگار کے لیے۔

سورۃ قریش 111 مرتبہ اول آخر 11,11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء۔

رشتوں کے لیے:۔

سورہ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول آخر 11،11 مرتبہ درود شریف بعد نماز فجر۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

عائشہ اقبال...... گجرات

جواب:۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ سورۃ بقرۃ پانی پر دم کر کے پورے گھر میں چھڑکیں۔ (حمام کے علاوہ) اور گھر کے تمام افراد کو پلائیں۔

فجر کی نماز کے بعد سورۃ یسین ایک مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد سورۃ قریش 111 مرتبہ (اول آخر 11,11 مرتبہ درود شریف)

تمام مسائل کے حل کے لیے نیت بھی رکھیں اور دعا بھی کریں۔

صدقہ دیا کریں۔

نوٹ:۔ (مستقل بھی پڑھ سکتی ہیں) ورنہ مدت 6 ماہ۔

ایس...... شور کوٹ

جواب:۔ (۱) بھائی روزانہ ایک تسبیح استغفار، ایک تسبیح درود شریف پڑھے اور اپنے لیے دعا کرے۔

(۲)(۳) علاج کروائیں۔

روزانہ ایک مرتبہ سورۃ عبس پانی پر دم کر کے پورے گھر میں چھڑکیں (حمام کے علاوہ) اور گھر کے تمام افراد کو بھی پلائیں۔

وظیفہ جاری رکھیں۔ صدقہ بھی دیں سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس 7,7 مرتبہ پڑھا کریں۔

مرتبہ پڑھا کریں۔

رکاوٹ جو ہے وہ ختم ہو جائے رشتوں کی۔

نجمہ شاہین...... صدف، کراچی

جواب:۔ خاور پر آپ کی طرف سے اثرات ہیں۔

نام تبدیل کریں تو بہتر ہے (نام کے معنی ٹھنڈے مزاج میں آتے ہوں)

وقت کے ساتھ خاور ٹھیک ہو جائے گا۔

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 21,21 مرتبہ تیل پر دم کر لیں۔ روزانہ سر پر لگایا کریں دونوں۔

درود شریف پڑھا کریں روزانہ ایک تسبیح۔

ر۔پ...... فیصل آباد

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان والا وظیفہ جاری رکھیں۔

بعد نماز عشاء۔ ایک تسبیح استغفار۔ ایک تسبیح درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔ باقی وظائف بند کر دیں۔

ناہید اختر...... حیدر آباد

جواب:۔ فجر والا وظیفہ بند کر دیں۔

مغرب کی نماز کے بعد 3 مرتبہ سورۃ عبس پڑھیں۔ رکاوٹ/ بندش رزق اور مالی دونوں کا تصور رکھ کر دعا بھی کریں کہ ختم ہو جائیں۔

عشاء والا وظیفہ جاری رکھیں۔

رشتوں کے لیے:۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔

جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

عائشہ عابد...... حافظ آباد

جواب:۔ "یا لطیف یا ودود" 101 مرتبہ بعد نماز عشا (اول آخر 3,3 مرتبہ درود شریف) دعا بھی کریں۔

ثوبیہ ناز...... راولپنڈی

جواب: ثوبیہ پر اثرات ہیں، روحانی علاج کرائیں مکمل۔

عظمیٰ جمیل...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

جواب:۔ رشتے کے لیے سورۃ فرقان والا وظیفہ جاری رکھیں۔ (مخصوص ایام میں نہیں پڑھنا)

والدہ کا علاج کروائیں۔ (حکیمی)

وظیفہ دونوں کریں رشتوں کے لیے سورۃ الفلق سورۃ الناس کثرت سے پڑھا کریں۔

مریم بنت طیبہ...... کراچی

جواب:۔ آپ پر جادو ہے کس نے کیا ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔

سورۃ عبس 3 مرتبہ بعد نماز مغرب پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں اور پانی پر بھی دم کر کے پیا کریں۔

میمونہ پر ہوائی اثرات ہیں علاج کروائیں۔

رشتے کے لیے:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول آخر 11,11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

http:facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@ghcaom

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے اپریل ۲۰۱۴ء

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ....

biazdill@aanchal.com.pk

بیاضِ دل

میمونہ رومان

امبر گل...... جھڈو، سندھ

تم نے تو کہہ دیا کہ محبت نہیں ملی
مجھ کو تو یہ بھی کہنے کی فرصت نہیں ملی
پھر اختلاف رائے کی صورت نکل پڑی
اپنی یہاں کسی سے بھی عادت نہیں ملی

ثمینہ شیخ عرف نینا شیخ...... گوجرانوالہ

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

حافظہ سمیرا...... 157 این بی

ہزار چہروں میں ملی مجھے مشابہت اس کی
پر دل کی یہ ضد کہ وہ نہیں تو اس جیسا بھی نہیں

نگینہ عمران...... چیچہ وطنی

مجھے لہجوں کے بدلنے سے ہمیشہ خوف آتا ہے
کہ لہجے جب بدلتے ہیں کوئی اپنا نہیں رہتا

منیبہ نواز...... گجرات

کبھی خوشی کبھی غم دے کر آزماتا ہے
میرا رب مجھے حسب حال دیتا ہے
اسی نے چاند ستاروں کو بخش دی ہے ضیاء
وہی جو رات کو دن سے اجال دیتا ہے

ماروی یاسمین...... سرگودھا

اے زندگی تو ہی بتا تجھے کیسے پیار کروں
تیری تو ہر سانس میری عمر گھٹا دیتی ہے

نادیہ یاسین...... ساہیوال

مٹ جائے گناہوں کا تصور ہی جہاں سے اقبال
اگر ہوجائے یقین کہ خدا دیکھ رہا ہے

فائزہ بلال اقرا آفرین...... جام پور پنجاب

بھیڑ اتنی تو نہ تھی شہر کے بازاروں میں
مجھے کھونے والے تو نے کچھ دیر تو ڈھونڈا ہوتا

منزہ بھٹی...... پتوکی

میرے حصے میں کتابیں نہ کھلونے آئے
خواہش رزق نے چھینا ہے میرا بچپن مجھ سے

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دل منتظر تو پھر کس لیے تیرا جاگنا' اسے بھول جا
وہ بساط جاں ہی لٹ گیا وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے پکارنے سے حصول کیا اسے مت بلا اسے بھول جا

عائشہ پرویز...... کراچی

اگر ہو گود ماں کی تو فرشتے کچھ نہیں لکھتے
جو ممتا روٹھ جائے تو کنارے پھر نہیں دکھتے
یتیمی ساتھ لاتی ہے زمانے بھر کے دکھ عابی
سنا ہے باپ زندہ ہو تو کانٹے بھی نہیں چبھتے

شمع فیاض...... بستی بزدار

ارمان' شوق' حسرت' غم' آرزو' دل کا ٹوٹنا
اتنے طویل قصے تھوڑی سی زندگی میں

ایس آر مسکان...... جام پور

ٹوٹ وہ بھی گئے ٹوٹ ہم بھی گئے
بکھر وہ بھی گئے بکھر ہم بھی گئے
یہ بس اک انا کی جیت تھی ورنہ
ہار وہ بھی گئے ہار ہم بھی گئے

ناہید چوہدری...... احسان پور

تیرے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے
بکھر چلے ہیں تیرا انتظار کرتے ہوئے
تمہیں خبر ہی نہیں ہے کہ کوئی ٹوٹ گیا
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

چلو مانا کہ جیون بھی سزا سے کم نہیں ہوتا
مگر چاہت میں مرجانا کہاں آسان ہوتا ہے
محبت کے فسانوں میں بہت سے موڑ آتے ہیں
پر حد سے گزر جانا کہاں آسان ہوتا ہے

زونائشہ خان...... گوجرانوالہ

شہیدوں کو سنا ہے کہ کفن پہنایا نہیں کرتے
اور ان کو جب دفن کرتے ہیں تو نہلایا نہیں کرتے
جنہیں رب نے عطا کی جرأت و ایمان کی دولت
کوئی گولی وہ اپنی پیٹھ پر کھایا نہیں کرتے

ایم مبین...... ایم ای کیو

کسی جلتے ہوئے سگار کی مانند
تیری جدائی میں یوں دل جلتا ہے

مکیہ نذیر' مصباح نذیر...... شادیوال گجرات

بسا کے خود کو میری آنکھوں میں کہاں چلے ہو
یہ شہر عشق ہے یہاں ہجرت کی اجازت نہیں

فصیحہ آصف خان...... ملتان

گل کتنے کھلے ہیں صحنِ گلشن میں
تم جو نہیں تو ہر پھول اداس ہے

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی

مائدہ شمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

لاکھ اپنے گرد حفاظت کی لکیریں کھینچوں
ایک بھی ان میں نہیں ماں کی دعاؤں جیسی

صالحہ امتیاز...... چیچہ وطنی

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

ثوبیہ کوثر...... ملتان

کتابوں کی طرح بہت سے الفاظ ہیں مجھ میں
اور کتابوں کی طرح ہی میں خاموش رہتی ہوں

ماریہ نور...... شاہکوٹ

کھو گئی صبح کی امید اور اب لگتا ہے
ہم نہیں ہوں گے کہ جب ہوں گے اجالے محسن
حاکم وقت کہاں' میں کہاں عدل کہاں
کیوں نہ خلقت کی زباں پہ لگائیں تالے محسن

شفاعت بتول نین تارا...... جام پور

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
سنو کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

سیدہ علیشاہ...... بہاول پور

محسوس کیا تم کو تو گیلی ہوئی پلکیں
بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو
ان اجنبی راہوں میں نہیں کوئی بھی میرا
کس نے یوں مجھے اپنا کہا' تم تو نہیں ہو

فوزیہ کوثر...... لاہور

تیرے جام میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاق نہیں ہے

انعم دانش...... ملتان

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا
ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

ماہ رخ ندیم...... فیصل آباد

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کردیا

ارم حسن...... گوجرہ

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

حنا ابر...... گلشن اقبال

شوق وصال ہے یہاں لب پہ سوال ہے یہاں
کس کی مجال ہے یہاں ہم سے نظر ملا سکے

دِش مُقابلہ

طلعت آغاز

کھڑے مسالے کا دکنی سالن

اجزاء:-

گوشت — تین پاؤ
ثابت لال مرچ — آٹھ عدد
دار چینی — ایک ٹکڑا
سبز الائچی — دو عدد
ہری مرچ (کٹی ہوئی) — چھ عدد
تیل یا گھی — حسب ضرورت
پیاز — ایک پاؤ
کالی مرچ — چھ عدد
لونگ — چھ عدد
نمک — حسب ذائقہ
دکنی مرچ (پاؤڈر) — ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:-

گوشت کو دھو کر حسب پسند ٹکڑے کرلیں، ایک دیگچی میں تیل گرم کرکے اس میں گوشت تمام مسالوں سمیت اور ایک پیاز باریک کاٹ کر چار گلاس پانی کے ساتھ ڈال دیں۔ دیگچی کو ڈھانپ کر سالن درمیانی آنچ پر پکنے دیں، تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب گوشت کا پانی خشک ہوجائے اور تیل ظاہر ہونے لگے تو اچھی طرح بھون کر ایک گلاس پانی ڈال کر دم پر چھوڑ دیں۔ اتارنے سے پہلے کٹی ہوئی ہری مرچ ڈال دیں اس سے خوشبو اچھی ہوجائے گی۔

ثمرین کنول...... کراچی

چٹ پٹا قیمہ

اجزاء:-

قیمہ (گائے یا بکرے کا) — ایک کلو
ٹماٹر (درمیانہ سائز) — دو عدد
انار دانہ (پسا ہوا) — ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہری مرچ — حسب ضرورت
نمک — حسب ضرورت
کالی مرچ — آدھا چائے کا چمچہ
ادرک کا پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
پیاز — ایک پاؤ
دہی — ایک پیالی
گھی/تیل — ایک پیالی
ہرا دھنیا — آدھی گڈی
سفید زیرہ (پسا اور بھنا ہوا) — ایک چمچہ
لہسن کا پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
سرخ مرچ — حسب ذائقہ

ترکیب:-

پیاز کو آملیٹ کی شکل میں کاٹ لیں یعنی چوپ کرلیں گرم گھی/تیل میں پیاز فرائی کریں جب تک نرم نہ ہوجائے زیادہ براؤن نہ کریں۔ اس دوران آدھا چائے کا چمچہ نمک بھی ڈال دیں۔ پیاز نرم ہوجائے تو گھی میں سے نکال لیں، اسی گھی میں لہسن، ادرک ڈال کر بھون لیں۔ جب یہ بھن جائے تو قیمہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی نمک ڈال دیں۔ قیمہ اپنا پانی چھوڑے گا، دو منٹ بعد دہی اور ٹماٹر ڈال دیں اس کے ساتھ ہی سرخ مرچ، کالی مرچ اور سفید زیرہ بھی ڈال دیں۔ چمچہ ہلا کر ڈھکن ڈھک دیں، جب پانی خشک ہوجائے تو دوبارہ سے بھوننا شروع کردیں لیکن چیک کرلیں قیمہ گل چکا ہے اگر نہیں تو ایک پیالی پانی ڈال کر ڈھک دیں جب گل جائے تو بھوننا شروع کردیں۔ اب اس میں فرائی کی ہوئی پیاز اور انار دانہ ڈال لیں۔ انار دانے کا کچا پن ختم ہونے تک بھون لیں اور اتنا بھونیں کہ قیمہ گھی چھوڑ دے۔ اب اس میں ہرا دھنیا، ہری مرچیں کاٹ کر ڈال دیں۔ اوپر سے گرم مسالا چھڑک دیں اور دس منٹ کے لیے دم پر رکھیں، دس پندرہ منٹ بعد قیمہ مکس کرکے دوبارہ پانچ منٹ کا دم لگائیں پھر چولہے پر سے اتار لیں۔ دہی کی چٹنی اور نان کے ساتھ پیش کریں۔

صائمہ احمد...... کراچی

اچار کے مسالے والا قیمہ

اجزاء:-

قیمہ (باریک) — ایک کلو
نمک — حسب ذائقہ
لہسن (پسا ہوا) — ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر — آدھا کلو گرام
ہری مرچ (ثابت) — چھ عدد
ہلدی (پسی ہوئی) — آدھا چائے کا چمچہ
میتھی کے دانے — چھ عدد
سفید زیرہ — ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک (پسی ہوئی) — ایک چائے کا چمچہ
کلونجی — ایک چائے کا چمچہ
کڑی پتہ — چھ عدد
سرخ مرچ (پسی ہوئی) — ایک چائے کا چمچہ
پیاز درمیانی (باریک کٹی ہوئی) — دو عدد
تیل پکانے کے لیے — آدھی پیالی

ترکیب:-

دیگچی میں تیل ڈال کر گرم کریں، زیرہ، کڑی پتہ اور میتھی دانہ ڈال کر سیاہ کریں۔ جب سیاہ ہوجائے تو پیاز ڈالیں اور ہلکی بادامی کریں، جب پیاز ہلکی بادامی ہوجائے تو اس میں ادرک، لہسن، مرچ اور ہلدی ڈال دیں۔ مسالے کو ہلکا بھون کر قیمہ ڈال دیں، حسب ضرورت پانی ڈال کر قیمہ گلا لیں۔ اب اس میں کلونجی، ٹماٹر اور ثابت ہری مرچ ڈال دیں ان سب کو اچھی طرح بھونیں اور اتار لیں۔

رمشاء نور...... کراچی

گوشت کے رول

اجزاء:-

گوشت (ثابت ٹکڑا لیکن پتلا) — آدھا کلو
گھی — ایک پاؤ
کالی مرچ (پسی ہوئی) — حسب پسند
انڈے — دو عدد
سرخ مرچ — حسب ذائقہ
نمک — حسب ذائقہ
آلو — آدھا پاؤ
ڈبل روٹی کا چورا — حسب ضرورت

ترکیب:-

گوشت کے ٹکڑے کو کانٹے سے چھید لیں اور نمک، سرخ مرچ، کالی مرچ، گوشت پر مل دیں۔ آلو ابال کر پیس لیں، ایک صاف ستھرے کاغذ پر گھی لگا کر مسالہ لگا کر گوشت اس پر رکھ دیں اور پسے ہوئے آلوؤں میں نمک مرچ ملا کر گوشت کے اوپر ایک طرف لپیٹ لیں اور اب دوسری طرف سے گوشت کے ٹکڑے کو لپیٹ دیں اور اچھا سا رول بنا لیں اور کچھ دیر کے بعد ان کو فریج میں رکھ دیں تاکہ رول سخت ہوجائے پھر اسے نکال کر آدھا انچ موٹے ٹکڑے تیز چھری سے کاٹ لیں اور پھر ڈبل روٹی کا چورا اور انڈا لگا کر گھی میں تلتے جائیں۔ سرخ ہونے پر اتار لیں، بہت لذیذ رول تیار ہیں۔

علیشاہ نور...... کراچی

بادامی قورمہ

اجزاء:-

گوشت (بغیر ہڈی کا) — آدھا کلو
بادام — دس عدد
سرخ مرچ ثابت — ایک چائے کا چمچہ
خشخاش ثابت — ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ ثابت — ایک چائے کا چمچہ
بھنے ہوئے چنے (چھلے ہوئے) — دو چائے کے چمچے
چھوٹی الائچی — تین عدد
لونگ — تین عدد
کالی مرچ — چھ عدد
بڑی الائچی — ایک عدد
دہی — ایک پیالی
ادرک — ایک چائے کا چمچہ

لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز (درمیانہ سائز)	دو عدد
گھی	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

گوشت کو دھو لیں، پیاز چھیل کر لچھے دار کاٹ لیں۔ بادام، لال مرچ، دھنیا، سفید زیرہ، خشخاش اور ناریل کو فرائی پین میں بغیر گھی کے بھون لیں پھر چنے ملا کر سل پر باریک پیس لیں۔ دہی کو خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ ایک دیگچی میں گھی اور پیاز کے لچھے ڈال کر آنچ پر رکھ دیں۔ پیاز بادامی ہو جائے تو گھی سے نکال کر وہ بھی سل پر باریک پیس لیں۔ گھی میں چھوٹی و بڑی الائچی، لونگ اور کالی مرچ ڈال دیں۔ الائچیاں پھول جائیں تو ادرک، لہسن، تمام پسے ہوئے مسالے، نمک اور پاؤ پیالی پانی ڈال کر مسالہ بھون لیں پھر گوشت ڈال دیں۔ گوشت کا باقی پانی بھن جائے تو دہی ڈال دیں۔ دہی کا پانی بھن جائے تو گوشت گلنے کا پانی ڈال دیں۔ گوشت گل جائے اور تھوڑا سا شوربا باقی رہ جائے تو آنچ سے اتار لیں۔

صبا علی......لاہور

لاہوری بریانی

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو
گوشت	آدھا کلو
لونگ	تین عدد
پیاز	آدھا پاؤ
ہلدی	چوتھائی چمچہ
سیاہ مرچیں	چار عدد
ناریل	دس گرام
زعفران	چوتھائی چمچہ
ادرک	پانچ گرام
بادام کی گریاں	دس عدد
گھی	آدھا پاؤ
زیرہ	آدھا چمچہ
لہسن	تین جوئے
دہی	ایک کپ
نمک	حسب منشاء
سرخ مرچیں	حسب منشاء

ترکیب:۔

چاول صاف کر کے پانی میں پندرہ منٹ کے لیے بھگو کر رکھ دیں۔ لہسن، پیاز اور ادرک چھیل کر کاٹ لیں، گوشت کے حسب پسند ٹکڑے کر کے دھو لیں پھر ان کو نوک دار چھری سے گودھ لیں۔ اب ایک برتن میں دہی ڈال کر ساتھ ہی ادرک، لہسن اور نمک ملا کر مکس کریں۔ اس میں گوشت کے ٹکڑے ڈال دیں، پون گھنٹہ تک اسی طرح پڑے رہنے دیں پھر ایک برتن میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اس میں پیاز بھون کر، بادام کی گریاں کاٹ کر اور کترا ہوا ناریل ڈال کر بھونیں، دو منٹ کے بعد ہی دہی والا گوشت ڈال دیں اور اوپر سے ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں پھر اس میں ایک کپ پانی ڈال دیں تھوڑی سرخ مرچیں اور نمک بھی شامل کر دیں۔ بیس منٹ تک پکانے کے لیے چولہے سے نیچے اتار دیں۔ اب ایک خالی برتن میں گھی گرم کر کے سیاہ مرچیں، لونگ، زیرہ، ہلدی اور زعفران ڈال کر مسالا بھونیں اور تین کپ پانی ڈال دیں جب جوش آنے لگے تو چاول ڈال کر پکائیں۔ اس کے بعد ایک خالی برتن میں آدھے چاول ڈال کر اوپر گوشت کے ٹکڑے ڈالیں۔ ان کے اوپر باقی چاول ڈال دیں اور اوپر ڈھکن دے کر ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں، اس کے بعد چولہے سے نیچے اتار لیں۔ لاہوری بریانی تیار ہے۔

ندا......کراچی

اسپیشل کھیر

ضروری اشیاء:۔

چاول	ایک کپ
چینی	حسب ذائقہ
دودھ	پانچ لیٹر
پستہ	50 گرام
بادام	120 گرام
چھوٹی الائچی	چار عدد
گھی	تھوڑا سا
ناریل	100 گرام

ترکیب:۔

چاول صاف کر کے دھو کر بھگو دیں، ایک دیگچی میں گھی گرم کر کے اس میں چاول بھون لیں۔ ہلکی سی چاولوں کی رنگت تبدیل ہونے پر اس میں چار گلاس پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چاول اچھی طرح گل جائیں تو اس میں دودھ ڈال دیں۔ چھلکوں سمیت بادام پیس لیں (زیادہ باریک نہیں بلکہ ذرا موٹے ہی ہوں) دودھ ڈالنے کے بعد اس میں مسلسل چمچہ چلاتے رہیں نیچے نہ لگے۔ جب دودھ گاڑھا ہو جائے تو الائچی باریک پیس کر شامل کریں اور ساتھ ہی چینی بھی ڈال دیں اور آخر میں بادام ڈال دیں۔ باریک کٹا ہوا پستہ اور باریک کٹا ہوا ناریل اوپر چھڑک کر سجا دیں، مزے دار اسپیشل کھیر تیار ہے۔

نازیہ جمشید......بہاولپور

سویٹ کٹلس

ضروری اشیاء:۔

دال چنا	آدھا کلو
دودھ	ایک لیٹر
چینی	250 گرام
تازہ کھویا	250 گرام
کیوڑا	چند قطرے
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستے	حسب پسند

ترکیب:۔

دال کو دو گھنٹے تک گرم پانی میں بھگو دیں، اس کے بعد پانی نتھار کر دال میں نیم گرم دودھ ڈالیں اور پکنے کے لیے رکھ دیں۔ دال کو اتنی دیر تک پکائیں کہ دال گل جائے اس کے بعد دال کو چوپر میں پیس لیں۔ آدھا کپ چینی نکال کر دال میں مکس کریں، کھوئے میں کیوڑا، بقیہ آدھا کپ چینی، الائچی پاؤڈر، بادام، پستے باریک کاٹ کر ڈالیں اور مکس کریں۔ پسی ہوئی دال ہاتھ میں لے کر اس کے اندر کھوئے کا مکسچر رکھیں اور اسے کٹلس کے شیپ میں تیار کر لیں۔ سارے کٹلس کو اس طرح تیار کریں بیکنگ ٹرے کو چکنا کر کے اس پر یہ کٹلس رکھیں اور بقیہ بادام، پستہ چھڑک دیں۔ اوون کو 280 پر گرم کریں اور ٹرے رکھ کر بیس منٹ بیک کریں اتنا بیک کرنا ہے کہ گولڈن کلر آ جائے، نکال کر چاندی کا ورق لگا کر گارنش کریں، سویٹ کٹلس تیار ہیں۔

علیزہ شانزے......حیدرآباد

بٹر میکرونی

اشیاء:۔

مکھن	دو کھانے کے چمچے
میکرونی (ابلی ہوئی)	ایک کپ
پنیر (کش کیا ہوا)	آدھا کپ
ڈبل روٹی کا چورا	آدھا کپ
نمک	حسب ضرورت
پیاز (کاٹ لیں)	ایک عدد
ہری مرچ (کاٹ لیں)	دو عدد
کالی مرچ	حسب ضرورت

ترکیب:۔ دو کھانے کے چمچے مکھن کو فرائنگ پین میں پگھلا لیں، ڈبل روٹی کا چورا ڈال کر بگھار لیں حتیٰ کہ ڈبل روٹی کا چورا براؤن ہو جائے اس دوران بار بار چمچہ چلاتے رہیں۔ جب تیار ہو جائے تو ایک طرف رکھ دیں۔ ایک اور پتیلی میں باقی مکھن کو گرم کر لیں، پیاز اور ہری مرچ کو دو سے تین منٹ تک فرائی کر لیں۔ میکرونی ملا دیں اور مسالے بھی ڈال دیں، اچھی طرح مکس کر لیں اور دو سے تین منٹ تک پکائیں۔ ایک بیکنگ ڈش میں میکرونی کی تہہ پھر پنیر کی تہہ لگائیں اور ان تہوں کو دہراتے جائیں۔ جب مکمل ہو جائے تو ڈبل روٹی کے

چورے سے ٹاپنگ کر کے اوون میں معقول درجہ حرارت پر بیس منٹ تک بیک کریں۔ جب تیار ہوجائے تو کیچپ کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

طلعت نظامی

مغلئی ہانڈی

اجزاء:۔

مٹن (بغیر ہڈی)	ایک کلو
دیسی گھی	ڈیڑھ کپ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
لونگیں	پانچ عدد
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
لہسن (باریک کٹا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
کاجو	ایک سو گرام
خشخاش	ایک کھانے کا چمچ
ثابت سیاہ مرچیں	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
لال مرچ (باریک کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچیں (کاٹ لیں)	تین عدد
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ڈیڑھ کپ
دودھ	ایک کپ
کریم	دو کھانے کے چمچ
پانی	چار کپ

ترکیب:۔

ایک پین میں چار کھانے کے چمچے دیسی گھی گرم کریں اور اس میں آدھا ادرک اور لہسن ہلکا براؤن کریں۔ اس کے بعد اس میں زیرہ، لونگیں، دار چینی، کاجو، ثابت سیاہ مرچیں اور خشخاش ڈال دیں اور 2,3 منٹ بھون کر چولہے سے اتار کر اس میں ڈیڑھ کپ دودھ ڈال کر فائن پیسٹ بنالیں اور الگ رکھیں۔ دوسری دیگچی میں بقایا گھی گرم کریں اور باقی ادرک، لہسن ڈال کر بھونیں۔ جب بھن جائے تو گوشت اور ساتھ ہری مرچیں، نمک اور کٹی لال مرچ ڈال دیں اور کچھ دیر بھونیں اور پانی ڈال کر گوشت بھونیں۔ اس کے بعد پیسٹ جو بنایا ہے وہ ڈال دیں اور بھونیں۔ گوشت بھون کر گھی الگ نظر آنے لگے تو پودینہ، ہرا دھنیا اور کریم ڈال کر مکس کر کے ایک منٹ پکائیں۔ مغلئی ہانڈی تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر کریم سے گارنش کر کے سلاد اور تافتان کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

لب خاص

اجزاء:۔

دودھ	ایک لیٹر
آم	3 عدد درمیانے سائز کے
چینی	4 کھانے کے چمچ یا حسب ضرورت
میدہ	ایک چمچ
کارن فلور	ایک چمچ
کریم	ایک کپ
سجاوٹ کے لیے	بادام، پستہ، چاندی کے ورق

ترکیب:۔

دودھ کو ابلنے کے لیے رکھ دیں۔ اس میں چینی ڈال کر جوش آنے دیں۔ جوش دینے کے بعد اس میں آم کا گودا اچھی طرح میش کر کے ڈال دیں۔ پانی میں میدہ اور کارن فلور گھول کر شامل کردیں اور ساتھ ہی کریم ڈال کر تقریباً 10 سے 15 منٹ تک پکائیں۔ جب اچھی طرح پک جائے اور گاڑھا ہوجائے تو ڈش میں نکال کر گارنش کریں۔

فرخندہ نورین...... خانیوال

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

صائمہ...... 157 این بی

سوال:۔ السلام علیکم آپی! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر بہت بال ہیں بہت سے بیوٹی ٹپس آزمائے لیکن کوئی خاص فرق نہیں پڑا پلیز کوئی آسان سا گھریلو حل بتائیں جس سے چہرے کے بالوں سے چھٹکارا مل سکے۔

جواب:۔ جو کا آٹا، پاؤڈر کا دودھ، عرق گلاب پیسٹ بنا کر منہ پر آہستہ آہستہ رگڑیں Opposite سائڈ کے بالوں کی طرف۔

ہومیو ڈاکٹر سے ماہانہ ایام کے بارے میں مشورہ کریں۔ ماہانہ ایام کی خرابی کی وجہ سے بھی چہرے پر بال ہوتے ہیں۔

سجل سحاب شاہ...... سرگودھا

سوال:۔ میرا چہرہ پہلے بالکل صاف تھا دو ہفتے پہلے باریک باریک دانے بن گئے اب وہ سرخ رنگ کے ہوگئے ہیں، بہت درد بھی ہوتا ہے کوئی بہتر حل تجویز کریں۔

جواب:۔ اسپغول کی بھوسی، پاؤڈر کا دودھ، عرق گلاب ملا کر ماسک لگائیں ہفتے میں دو دفعہ۔

سوال:۔ میری بہن کے چہرے پر باریک باریک دانے ہیں ان میں سے کچھ تو بڑے ہو کر سرخ ہوگئے ہیں لیکن کچھ باریک ہی ہیں کافی دنوں سے ہیں ختم ہی نہیں ہو رہے ہیں اچھا سا حل بتائیں ان باریک دانوں کا؟

جواب:۔ بہن بھی یہی ماسک لگائے۔

ھما شیراز

سوال:۔ میرے منہ پر براؤن کلر کے نشان ہیں بائیں طرف ہونٹوں کے پاس یہ نشانات زیادہ ہیں۔ اس طرح جیسے تل ہوتے ہیں پلیز اس کا کوئی حل بتائیں۔

جواب:۔ ماہانہ ایام کی خرابی کی وجہ سے ہوتے ہیں ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

اقرا فرید...... بورے والا

سوال:۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے ہاتھ، پاؤں، گردن اور بازو بلیک ہیں اور فیس وائٹ ہے پلیز کوئی ایسی کریم بتائیں جس سے میرے ہاتھ، پاؤں، گردن اور بازو وغیرہ چند دنوں کے استعمال سے وائٹ ہوجائیں۔ دو ماہ بعد میرے بھائی کی شادی ہے میں بہت پریشان ہوں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں دبلی پتلی ہونا چاہتی ہوں۔ پلیز کوئی ایسی ٹپ بتائیں جو آسان، سستی، مفید اور گھریلو ہو اور جس کے استعمال سے میں ایک ماہ کے اندر اندر دبلی پتلی ہوجاؤں۔

جواب:۔ فائزہ بیوٹی کریم لگائیں۔

چائے بغیر دودھ کے استعمال کریں۔ میٹھا کم سے کم لیں۔ رات کے کھانے کے بعد واک کریں 15 منٹ۔

صائمہ طاہر سومرو...... حیدر آباد

سوال:۔ السلام علیکم! میرا سوال یہ ہے کہ میرے چہرے پر بہت چھائیاں ہیں اور چہرے پر بہت بلیک ہیڈز نکلتے ہیں جو پھر دانے بن جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سارا چہرہ خراب ہو رہا ہے پہلے میرا چہرہ بالکل صاف تھا میں کوئی بھی کریم نہیں لگاتی فیئر اینڈ لولی لگاتی ہوں۔ دوسرا مسئلہ میرے ہاتھوں اور پیروں پر خشکی ہے تیسرا مسئلہ میرے بال بہت لمبے اور گھنے تھے سلکی بھی تھے لیکن دو شاخہ تھے پھر میں نے بالوں کی کٹنگ کروائی تب سے میرے سارے بال جھڑ رہے ہیں اور سر میں بہت خشکی ہوگئی ہے اور بال بھی سارے سفید ہو رہے ہیں۔ پہلے رنگ بھی صاف تھا اب کالا پڑتا جارہا ہے۔ میں بالوں کے لیے DOVE شیمپو استعمال کرتی ہوں اور ہر 2 روز بعد سرسوں کے تیل کا مساج کرتی ہوں۔

جواب:۔ اسپغول کی بھوسی، پاؤڈر کا دودھ، عرق گلاب میں ملا کر ماسک لگائیں۔

سر میں دہی انڈا ملا کر 15 منٹ کے لیے لگائیں پھر سر دھولیں نیم گرم پانی سے ہفتے میں ایک دفعہ۔

ناریل کا تیل استعمال کریں۔ SunSilk بلیک استعمال کریں کچھ عرصہ کے لیے۔

فائزہ اکبر

سوال:۔ السلام علیکم! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا کلر فیئر ہے لیکن گردن بہت زیادہ کالی ہے اور میرا ایک ہونٹ بالکل گلابی ہے لیکن دوسرا ہونٹ کالا ہے کوئی ایسی ٹپ یا کریم بتائیں جس سے میرے دونوں مسئلے حل ہو جائیں۔ میرے پاؤں پر بھی کالے نشان ہیں اس کا بھی کوئی حل بتائیں میری عمر 25 سال ہے۔

جواب:۔ Aochie کریم لگائیں Face Freach کریم کے ساتھ ملا کر اور پھر دھوپ میں اسے لگا کر نہ جائیں۔

فروا یعقوب...... فیصل آباد

سوال:۔ السلام علیکم! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر اور خصوصاً آنکھوں کے بالکل پاس نیچے بھورے رنگ کے نشانات ہیں اس کے علاوہ رخسار پر کالے رنگ کے تل بھی ہیں جو کہ بلیچ کرنے کی وجہ سے بن گئے تھے۔ اب میں ان بھورے نشانات اور تلوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے ہونٹ تو پہلے ہی گلابی ہیں لیکن ان پر ہلکے کالے سے دو تین نشانات بنے ہیں آپی میں ہونٹوں کے نشانات سے کیسے چھٹکارا پاؤں؟ اس کے علاوہ مجھے کسی اچھے سے صابن کا نام بھی بتا دیجیے جس میں کیمیکلز کم مقدار میں ہوں اور بہترین کوالٹی کا ہو۔ میں آپ کی بہت زیادہ ممنون ہوں گی۔

جواب:۔ پاؤڈر کا دودھ عرق گلاب کے ساتھ ملا کر لگائیں پابندی سے روزانہ۔

بالوں کی بلیچنگ

بالوں کو بلیچ کرنے کا طریقہ بالوں کا اصل رنگ ختم کرنے اور نیا رنگ دینے سے ہے۔ یہ کام ذرا محنت طلب اور توجہ مانگتا ہے اگر آپ بالوں کو ایک بار بلیچ کروائیں گی تو پھر بار بار انہیں بلیچ کروانے کا شوق دل میں پیدا ہوگا۔ بالوں کے اپنے رنگ کے شیڈ کو ہلکا کرنے کے لیے ہیئر بلیچ کیا جاتا ہے اور یہ پورے بالوں کا پورا رنگ بدلنے کے لیے بھی کیا جاتا ہے

بالوں کو بلیچ کرنے کی قسمیں

نیچرل بلیچ۔ یہ پورے بالوں پر کیا جاتا ہے اور اصل رنگ اتار دیتا ہے۔

جلد اثر ہونے والا بلیچ۔ یہ مقررہ وقت میں بالوں کا رنگ تبدیل کر دیتا ہے اور نرم بالوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔

کلر آئل بلیچ۔ بالوں کا اصل رنگ اتار کر نیا رنگ دیتا ہے۔ یہ سنہری اور سرخ رنگ کے مختلف شیڈوں میں دستیاب ہے۔

کریم بلیچ۔ یہ بصارتی اثرات رکھتا ہے اور بالوں کو خراب ہونے سے بچاتا ہے۔

بلیچ کے بالوں پر اثرات

ہر بلیچ کو اس کے اوپر درج ہدایات کے مطابق استعمال کریں۔
پورے سر کے بالوں کے لیے۔
بالوں کے رنگ کو ہلکا کوئی شیڈ دینے کے لیے۔
اپنے ہی رنگ کو چمکیلا کرنے کے لیے
بلیچ کرنے سے پہلے بالوں کو نرم کرنے کے لیے۔
درمیان میں تھوڑے سے بال بلیچ کرنے کے لیے۔
بالوں کا رنگ یکجا کرنے کے لیے۔
رنگ کیے ہوئے بالوں کو مزید ہلکا کرنے کے لیے۔
ناپسندیدہ رنگ ختم کرنے کے لیے۔
پہلے تبدیل کیے ہوئے رنگ کو گہرا یا ہلکا کرنے کے لیے۔

بھنویں بلیچ کرنا

بھنوؤں کے لیے ایک اونس ہائیڈروجن میں تین قطرے امونیا کے ملائیں اور سفید مہندی ملا کر کریم سی بنالیں اور بھنوؤں پر لگائیں۔ یہ خیال رکھیں کہ جلد پر نہ لگے۔ اتنی دیر رکھیں کہ ہائیڈروجن کی وجہ سے جلد پر سوزش نہ ہو۔ اگر کمرشل بلیچ استعمال کریں تو اس کے اوپر لکھی ہوئی ہدایات پر عمل کریں۔ ویسے بھنوؤں کے لیے مندرجہ بالا طریقہ ہی محفوظ رہتا ہے۔

غزل

فریب ہستی یہ خواب کب تک سوال یہ ہے
یہ دشت و دریا سراب کب تک سوال یہ ہے
ہمارے دامن میں کرچیاں ہیں عداوتوں کی
ترے چمن میں گلاب کب تک سوال یہ ہے
یہ بانجھ آنکھیں تو منتظر ہیں کہ خواب اترے
تمہارے ورثے میں خواب کب تک سوال یہ ہے
حسین ہونٹوں پر جھلملاہٹ ہنسی کے جیسی
ہماری آنکھوں میں آب کب تک سوال یہ ہے
کبھی تو ہم بھی پلٹ ہی دیں گے بساط ساری
رہیں گے زیر عتاب کب تک سوال یہ ہے
جنہیں سماعت نہیں میسر، جو بے خبر ہیں
ہمیشہ ان سے خطاب کب تک سوال یہ ہے
خود اپنی دنیا تراش لیں گے محبتوں سے
یہ نفرتوں کا عذاب کب تک سوال یہ ہے
سرائے دنیا، لمحے سفر ہیں، کہاں ہے منزل
ملیں گے ہم کو جواب کب تک سوال یہ ہے

سیما غزل

غزل

تمہیں جب سے ہم چاہنے لگے
مزے زندگی کے آنے لگے
پڑھائی کا اب کہاں موسم رہا
کتابوں میں خط آنے جانے لگے
تم آؤ گے اس کا یقیں تھا مجھے
انتظار کے لمحات بھی سہانے لگے
وصل میں کوئی رکاوٹ نہ تھی
ہم ہجر میں ضبط آزمانے لگے
بھولنا تمہیں آساں تھا مگر
ہمیں اس کام میں بھی زمانے لگے
اپنا آپ اجنبی سا لگا
سائے بھی اب کترانے لگے
اپنوں کے ستم نے دکھ ایسا دیا
غیر تھے جو ہمیں جانے پہچانے لگے
زندگی بڑی دور تک ساتھ اپنے گئی
قدم مگر راستے میں ٹھہر جانے لگے

فوزیہ غزل...... پسرور

المیہ

لہر مایوسی عروج پر ہے
دہشت گردی عروج پر ہے
حاوی ہر سو بربریت ہے
لت پت خون میں انسانیت ہے
ڈھنگ دولت کی دوڑ میں
بہت نازک اس موڑ میں
کہیں آہ و پکار عام ہے
کہیں عیش و عشرت کا نام ہے
محبت ڈھونگ دکھاوا ہے
چھایا مفاد کا چھلاوا ہے
ردائیں سر سے ہٹی ہوئی ہیں
عصمتیں کچھ کی بکی ہوئی ہیں
فرقہ واریت کی جنگ میں
مغربیت کے ڈھنگ میں
نام اسلام مٹایا جا رہا ہے
راہ حق کو ہٹایا جا رہا ہے
بچھا قرضوں کا جال ہے
بھکاریوں کا سا حال ہے
اور حکمران مدہوش میں
گم ان کے حواس و ہوش ہیں
جمہوریت کے دعویدار وہ

آہ! نام نہاد غم خوار وہ
کس قدر سکون میں ہیں
اور رعایا لت خون میں ہیں
قدم بڑھتے نہیں ہیں لوگوں کے
وہ نکلتے ہی نہیں ہیں سوگوں سے
قیمت بیچ اک گولی ہے
انسانوں کی لگی بولی ہے
ساری خدائی افسوس کرتی ہے
ہمارے اس حال پر سوچتی ہے
کیا کوئی آگے بڑھنے والا ہے؟
آواز حق بلند کرنے والا ہے؟
کیا کوئی بجھتی لو بچائے گا؟
بڑھ کے ملک کو تھامے گا؟
یا ایسے ہی رواں رہے گا سب؟
یا کوئی معجزہ ہی ہوگا اب

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

غزل

روپڑی شام نظاروں نے کفن پہن لیا
چھپ گیا چاند ستاروں نے کفن پہن لیا
گلشن وقت نے کیسا یہ دکھایا منظر
جل گئے پھول بہاروں نے کفن پہن لیا
لوگ آئے تھے محبت کا اٹھائے پرچم
تیری نفرت سے ہزاروں نے کفن پہن لیا
بھوک سے بچے کی وہ معصوم چھلکتی آنکھیں
ہوگئیں بند سہاروں نے کفن پہن لیا
ہم تہی دست سمندر میں سنبھلتے کیسے؟
ناؤ ٹوٹی تو کناروں نے کفن پہن لیا
بستر مرگ پر یاد ان کی رلاتی ہے حکیم
مجھ سے پہلے مرے یاروں نے کفن پہن لیا

حکیم خان حکیم...... اٹک

چند سکے

آؤ
لے جاؤ یہ چند سکے ہیں
جن پر عزت، مروت
صحت اور محبت رقم ہے
جو بھی سکہ چل جائے تو اس کو
غنیمت جانو اور......
شکر کے سجدے کرتے رہو
اک دن تم یہ دیکھو گے کہ
کھوٹے سکے، کھرے ہوئے ہیں
خالی دامن بھرے ہوئے ہیں
خوف اور خدشے مرے ہوئے ہیں
سوکھے پتے ہرے ہوئے ہیں
پس! یہ سکے لے جاؤ تم
یہ چند سکے
انمول بہت ہیں!

سباس گل...... رحیم یار خان

غزل

رویا نہیں ہوں کرب سے دامن بچا رہا
آنکھوں کی گہری جھیل میں ساون بچا رہا
سب کچھ لٹا چکا ہوں میں راہ حیات میں
لیکن مرے خلوص کا سب دھن بچا رہا
رشتے تمام ٹوٹ گئے لمحوں کے ساتھ ساتھ
ٹوٹا نہیں ہے پیار کا بندھن بچا رہا
سائے کی مثل ڈھل گیا میرا شباب تو
اس حسن باکمال کا جوبن بچا رہا
ہر چند مجھ کو دولت دنیا نہ مل سکی
لیکن خدا کا شکر مرا فن بچا رہا
دیوار و در تو گر گئے بارش کے زور سے
لیکن مرے مکان کا آنگن بچا رہا
اپنے پرائے آگ لگاتے رہے اسے
رب کے کرم کی بات ہے گلشن بچا رہا
آلائشوں میں کھو گئے جتنے تھے ہم سفر
شاکر ہوں خوش نصیب مرا من بچا رہا

شاکر نظامی...... سرگودھا

نظم

رات کے پچھلے پہر
بیڈروم میں پھیلی
زرد بلب کی مدھم روشنی میں
جب اس کی آنکھ کھلتی ہے
میری جگہ بستر پر، خالی سلوٹیں پا کر
پھر وہ یکدم اٹھتا ہے
اس کے قدم خود بہ خود
چھت کی طرف بڑھتے ہیں
پھر دبے قدموں سے
میرے پیچھے آ کر وہ
دھیرے سے میرے شانوں پر
ہاتھ رکھ کر کہتا ہے
"کیا چاند کا شاعرانہ حسن
تمہیں اس قدر بھاتا ہے
کہ تم راتوں کو اٹھ اٹھ کر
پہروں اس کو تکتی ہو"
"کچھ یہی سمجھ لو تم"
اتنا کہہ کر میں اس کو ٹال دیتی ہوں
پھر اس کی سنگت میں سیڑھیاں اترتے وقت
دل کے تنہاں خانے سے اک آواز آتی ہے
کس طرح بتاؤں میں
کیا تمہیں سمجھاؤں میں
مجھ سے دور کہیں کوئی گرمیوں کی راتوں میں
لائٹ کے جانے پر
حبس زدہ کمرے کی
جب کھڑکی کھولتا ہوگا
چاند کو دیکھتا ہوگا!

ام ثمامہ...... جھڈو، سندھ

غزل

قیامت کی بھلا کیسی گھڑی ہے
جدائی بال بکھرائے کھڑی ہے
میرے آنگن پر سناٹا تھا طاری
یہ کیسی بوند آ کر پڑی ہے
یہی کچھ فرق ہوگا سال بھر کا
وہ مجھ سے عمر میں کتنی بڑی ہے
ستارے ہی بتا سکتے ہیں تم کو
یہ ہم پر رات بھی کتنی کڑی ہے
نہیں تھمتے ہمارے اشک رانا
لگی کیسی یہ ساون کی جھڑی ہے

قدیر رانا...... راولپنڈی

غزل

تیرے میرے سات کی دنیا
دن کی دنیا رات کی دنیا
جھوٹے سارے میرے تصور
سچی تیرے ہات کی دنیا
جیت ہوئی اس کی لوگو
ہم نے دیکھی مات کی دنیا
تیرے بعد اے جانے والے
سونی ہے جذبات کی دنیا
آنکھوں میں برسات خوشی کی

دل میں ہے صدمات کی دنیا
جھڑنے خشک ہوئے موسم کے
اجڑ گئی نغمات کی دنیا
لائے انصر کہاں سے بولو
آنکھوں میں برسات کی دنیا

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ

یادیں

اے ہم نفس
تیری کہی باتیں
تیری یادیں
رفتہ رفتہ
ٹھہر ٹھہر کر
لمحہ بہ لمحہ
دھیرے دھیرے
میرے احساس میں
ذہن کے کسی گوشے میں
اپنے وجود کا احساس جگاتی رہتی ہیں
مجھے رلاتی رہتی ہیں
مجھے تڑپاتی رہتی ہیں

سیف الاسلام...... کراچی

غزل

چاند بھی لگتا ہے اس کو آج روٹی کی طرح
بھوک کی شدت سے ہے جو شخص روگی کی طرح
جس کی نیت صاف اور شفاف ہوتی ہے اے دوست
ہے چمکتا اس کا اندر ایک موتی کی طرح
جو چلائیں اپنے گھر کو بیچ کر اپنے بدن
ان کو پھر یہ کام بھی لگتا ہے روزی کی طرح
جس کے من کو عشق چھولے ہم نے دیکھا ہے یہی
عمر بھر وہ شخص تو پھرتا ہے جوگی کی طرح
جان لینے کی لگن ہو جن کے اندر ہر گھڑی
ڈھونڈ لیتے ہیں وہ اک دن راہ کھوجی کی طرح
دیکھ خانم روبرو جن کے خدا کا خوف ہو
نفس کو کرتے ہیں قابو وہ تو فوجی کی طرح

فریدہ خانم...... لاہور

نظم

بھیگی پلکیں
یہ بھٹکتی آنکھیں
یہ ہاتھوں کی لغزش
کپکپاتا لہجہ
بتا رہے ہیں یہ سب کہ تم
انجان رستے پر چل پڑی ہو
کانٹوں کی راہ گزر کی
ہمسفر تم بن گئی ہو
سنو اے ہمدم!
بس اتنا یاد رکھنا
جو پلٹنا چاہو تو
آنہ سکوں گی
ابھی بھی وقت ہے
کہ سوچ لو سمجھ لو
چاہے تم جتنا بھی سفر کرلو
محبت تم نہ پاسکو گی
خالی ہاتھ ہی رہو گی
ہمیشہ ہوں گی یہ بھیگی پلکیں
سنو! نادان لڑکی
واپس پلٹ آؤ!

عائشہ تبسم...... چکوال

غزل

یاد رکھو گے ایسا تحفہ بھیجوں گی
اپنی آنکھ کا بہتا دریا بھیجوں گی
میری آنکھ میں عشق سمندر رہتا ہے
پاس رہو گے پھر بھی پیاسا بھیجوں گی
دامن میں۔ خیرات سنبھالے رکھنا تم
میں تم کو اس بار بھی کاسہ بھیجوں گی
تم پردیس سے واپس بھی آسکتے ہو
تم کو پیار بھرا سندیسہ بھیجوں گی
کاش تمہاری آنکھ سے جل تھل ہوجائے
دھوپ کا جنگل درد کا صحرا بھیجوں گی
خط میں آنسو کچھ تصویریں بھیجوں گی
بھیگی آنکھیں، بھیگا چہرہ بھیجوں گی
فری کیسے پیار ہوا اک لڑکے سے
چاہت سے بھرپور خلاصہ بھیجوں گی

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

پاگل لڑکی

دیوانی سی پاگل لڑکی
ہم کو جان بلا کر اکثر
جان ہماری لے لیتی ہے!

راشد ترین...... مظفر گڑھ

موم کی گڑیا

میں
اک موم کی گڑیا
سورج نکلا
اور پگھل گئی

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

امید

آنسوؤں کا اک سمندر
ٹھاٹھیں مار رہا ہے من کے اندر
آمدِ طوفان ہے
غم کا بحر بے کراں ہے
رونا چاہتی ہوں
درد بھلا کر کچھ دیر سونا چاہتی ہوں
رکھ کے سر تیرے کاندھے پر
کچھ نہیں اور طلب دل کو
فقط تیرا محبت بھرا لہجہ
اور اک شانہ چاہیے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

غزل

یہ آمد کی خوشی ہے یا کہ تمہید جدائی ہے
عجیب پُرغم سی کیفیت، رخ تاباں پر چھائی ہے
سکندر کو سمندر کو سمجھتے ہیچ ہیں عاشق
کہ طاقت ایسی عاشق میں عجب خفیہ سمائی ہے
دل زاہد بھی کہتا ہے کہ "بوسے لوں ترے در کے"
گلی میں جب سے تیری انجمن ہم نے جمائی ہے
مجال بندۂ ناقص نہیں اک بات کرنے کی
کہانی وہ سر محفل تیری ہم نے سنائی ہے
غم دنیا نے گھیرا ہے، غم برزخ بھی لاحق ہے
اسی خاطر یہ تقریب محبت ہم نے سجائی ہے
ذرا فائق پر بھی نظر کرم کردو مرے ہمدم
رہیں گے عمر بھر تیرے قسم یہ ہم نے کھائی ہے

محمد عمران فائق...... اٹک

غزل

چراغ بن کے اندھیروں میں چمکتے رہنا
بوئے گل بن کے فضاؤں میں بکھرتے رہنا
آنکھ سے دور جو جانا ہے تو اتنا سن لو
اچھے لوگوں کی طرح خواب میں ملتے رہنا
جس کے لفظوں سے گلابوں کی مہک آتی ہو
ہم کو بھاتا ہے اسی شخص کو سنتے رہنا

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بُنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج کو کہو روز نکلتے رہنا
وقت کہتے ہیں جسے وہ نہیں رکنے پاتا
اس پرندے کا تو ہے کام ہی اڑتے رہنا
گھر کی دیوار کی تعمیر ضروری ہے کنول
اچھا ہوتا نہیں دیوار کا گرتے رہنا

یاسمین کنول...... پسرور

نظم

سنو
تم سے کہا تھا نا کہ یہ پل یہ لمحے
بہت ہی جلد گزر جائیں گے
کہ یہ سب چاہتیں یہ شدتیں
بہت دیر پا نہیں ہوتیں
آخر لوگ بھول ہی جاتے ہیں
جنہیں وہ اپنے قریب رکھتے ہیں
بلا آخر اک دن
جدا ہو ہی جاتے ہیں
کہ جو سانسوں میں بستے تھے
وہ ہی اب بن ہمارے سانس لیتے ہیں
کہ مختصر سی زندگی میں
یہ چاہتیں یہ شدتیں
بہت دیر پا نہیں ہوتیں
آخر لوگ چھوڑ ہی جاتے ہیں
آخر لوگ بھول ہی جاتے ہیں!

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

سورج

تم نے سورج کو ہمیشہ ہی ابھرتے دیکھا
ہم نے ہر شام کہیں ڈوبتے، ڈھلتے دیکھا
جو بھی بازار میں آتا ہے وہ بک جاتا ہے
جو نہ بک پایا کڑی دھوپ میں جلتے دیکھا
تم بھی سونا ہو یا چاندی ہو پگھل جاؤ گے
وقت کے سامنے پتھر بھی پگھلتے دیکھا
تم سے پہلے بھی کئی چاند زمیں پر آئے
جب وہ گہنائے، اذیت سے مچلتے دیکھا
پھول کھلتے ہیں سبھی اور مہکتے ہیں سبھی
جب وہ مرجھائے تو پیروں میں کچلتے دیکھا
پیار تو نام، تسلسل ہے ملاقاتوں کا
سلسلہ ٹوٹتے ہی سمت بدلتے دیکھا
تم یہ کہتے ہو کہ دشمن نہیں کچھ دوست بھی ہیں
ہم نے ہر دوست میں دشمن کو جھلکتے دیکھا
زندگی صبح کو یا شام کو ڈھل جائے گی
ماں کی آغوش سے ہی موت کو پلتے دیکھا

نواب کیفی

عشق کا نمونہ

سنو پگلی!
عشق محبت کھیل نہیں ہے
اک آگ ہے
جاں کا روگ ہے
یہ ایسا خود رو پودا ہے
جو جسم میں کینسر کی طرح پھیلتا ہے اور
مریضِ عشق کی جان لے لیتا ہے
اور اسے تمام کائنات کے لیے
عشق کا یادگار نمونہ بنا دیتا ہے

سویرا فلک...... کراچی

dkp@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

جان سے پیارے بھائی کے نام

کیسے ہو وقاص بھائی؟ یقیناً فٹ فاٹ اور بہت بزی، ہے نا...... 21 مارچ کو آپ کا برتھ ڈے ہے آپ کو یہ دن بہت مبارک ہو لیکن مجھے یہ ضرور بتایئے گا کہ آپ کتنے سال کے ہوگئے ہو، ہاہاہا۔ پتا نہیں میں اکیس مارچ کو آپ کو وش کر پاؤں یا نہیں۔ آپ کم از کم مہینے میں ایک بار تو آجایا کرو میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں لیکن مجھے آپ سے بہت ساری شکایات بھی ہیں۔ بھائی جانی، رشتے مصروفیات سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ بھائی میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں میں آپ سے ہمیشہ کانٹیکٹ رکھنا چاہتی ہوں پچھلے دو سال کے دوران وہ کچھ ہوتا رہا جس کی توقع ہی نہ تھی۔ بہر حال، ان سب باتوں سے قطع نظر ایک بار پھر ہیپی برتھ ڈے اور ڈھیر ساری دعائیں جن کے حصار میں آپ ہمیشہ خوش رہیں گے ان شاء اللہ۔ بھائی رابطہ کرتے رہا کریں آپ کا خود سے رابطہ کرنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ فارینا بھابی، عمارہ اپیا اور ماں جی آئی مس یو اینڈ لو یو دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ۔

ثانیہ...... للیانی، سرگودھا

دل کے مکینوں کے نام

امید ہے سب آنچل کی پریاں بخیریت ہوں گی۔ اقصیٰ کنزیٰ کہاں غائب ہو بھئی، حلیمہ بی بی مجھے آپ کی دوستی قبول ہے۔ خلوص بھرے ہاتھ جو ہماری طرف بڑھیں انہیں تھامنے میں ہمیں کوئی مذائقہ نہیں طیبہ نذیر اور نادیہ یاسمین دعاؤں اور سلام کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ پاک آپ سب کی مشکلیں آسان فرمائے آمین۔ شگفتہ خان آپ کے لیے بھی نیک تمنائیں۔ ایس انمول تم بھی حاضر ہوگی ملکہ پرستان کی محفل میں یا بھیجوں زکوتا جن کو تمہیں لانے؟ عاصمہ امداد علی، ہم سب کا یہ مشترکہ دکھ ہے ہمارے پیارے وطن کی جڑیں ہمارے اپنے ہی کھوکھلی کر رہے ہیں اور ہم صرف تماشہ دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ دعاؤں پر اپنا بس ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پاکستان کو ہم بلندیوں پر جاتا دیکھیں، آمین۔

عظمیٰ شاہین رفیق...... جڑانوالہ

آنچل فرینڈز اور ہما اظہر کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیا حال ہے کیسی گزر رہی ہے زندگانی شمع مسکان، شاہ زندگی، فوزیہ سلطانہ، سباس گل، نازیہ کنول نازی خدا آپ سب کو بہت خوش رکھے۔ آنچل کی جتنی بھی ریڈرز اور رائٹرز ہیں سب کے لیے دلی دعا ہے خدا آپ کو خوش رکھے اور آپ سب کو آپ کے نیک مقاصد میں کامیاب کرے آمین۔ میری دوست کولیگ ہما اظہر جو عنقریب بابل کا آنگن چھوڑ کر پیا دیس سدھار رہی ہیں اس کے لیے ڈھیر و ڈھیر دعائیں کہ تم اپنے گھر پر مہارانیوں کی طرح راج کرو اور ہاں ایک کام کی بات۔ "سہاگن وہی جو پیا من بھائے" (ہاہاہا) خوش رہو۔ طیبہ نذیر جزاک اللہ جی دوستی قبول کرنے کا اور دلکش مریم (چنیوٹ) آپ کا نام بہت دلکش ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ آپ بھی اپنے نام کی طرح دلکش ہو (ہیں نا) جواب ضرور دینا تمام فرینڈز سے درخواست ہے کہ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں اس ناچیز کو ضرور یاد رکھیے گا آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔

آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات

اپنے پیاروں کے نام

السلام علیکم! میری پیاری حنا کنول عرف اریبہ باربی ڈول کیسی ہو امید ہے کہ ٹھیک ہوں گی اے میری معصوم سی بہن۔ تمہاری 8 مارچ کو برتھ ڈے ہے سو میری طرف سے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سدا خوش رہو اللہ پاک تمہاری ہر جائز خواہش اور خواب پورے کرے

جہاں قدم رکھو وہ زمین تمہاری مغفرت اور بخشش کی دعا کرے آمین۔ اپنا خیال رکھنا مسکراتی رہو اور خوش رہو، آمین۔ تمہاری نٹ کھٹ سی دوست۔

ثناء کنول اللہ دتہ......لودھراں

آنچل کے چمکتے دمکتے ستاروں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب فرینڈز سب سے پہلے ڈیئر فضہ اسلم تین مارچ کو تمہاری برتھ ڈے ہے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ بیسٹ ویشز۔ اس کے بعد چندا مثال شہزادی سعادت' بشریٰ اعوان مارچ میں آپ تینوں کی برتھ ڈے ہیں تو بہت بہت مبارک جاناں تمہیں ہم یاد ہیں یہ کافی ہے ہمارے لیے۔ ثوبیہ مرزا آپ کی امی کے لیے بہت سی دعائیں اللہ ان کو صحت اور لمبی زندگی دے آمین میری تمام آنچل ریڈرز سے درخواست ہے کہ وہ سب ثوبیہ کی امی کے لیے دعا کریں شکریہ۔ جو آنچل فرینڈرز میری تحریریں پسند کرتی ہیں ان کا بے حد شکریہ۔ جیا عباس آپ کیسی ہیں فریحہ شبیر نوشین اقبال' امبر گل' شازیہ فاروق' پروین افضل' کوثر اعجاز' فصیحہ آصف' غزالہ راؤ' شگفتہ خان' زنیرہ طاہر' اریبہ شاہ' ایمان بٹ' شہنیل اور صنم ناز آپ سب کیسی ہیں بھئی آپ سب کی تحریریں دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔ انا احب ویل کم بیک اور بیٹی کی مبارک باد۔ حمیرا نگاہ آپ جلد از جلد کچھ لکھو آنچل کے لیے۔ صنم ناز تمہارا اسٹوڈیو کیسا چل رہا ہے اور میری جن فرینڈز کی اپریل میں برتھ ڈے ہے ان سب کو بہت بہت ایڈوانس مبارک' حمیرا نگاہ' ثوبیہ' ام کلثوم' سائرہ لنگڑیال' آپ سب کو ہیپی برتھ ڈے میری چھوٹی سی کیوٹ بھانجی عائفہ مریم کی 28 فروری کو چھٹی سالگرہ ہے عائفہ بہت بہت مبارک اور بہت سا پیار۔ فیضان فاران کو بھی پیار اور جناب آنچل کو بھی اپنی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔ آپ کی دعاؤں کی طلب گار۔

بشریٰ باجوہ......اوکاڑہ

آنچل قارئین اور رائٹرز کے نام

السلام علیکم! تمام قارئین آنچل اسٹاف اور رائٹرز کو سلام۔ کیا حال چال ہیں آپ سب کے؟ سب سے پہلے تو میری آپی شمیع بتول' عمران بھائی' زیان عمران اور علیشے عمران کو سلام اور پیار اور علیشے آپ کو سالگرہ مبارک ہو اور وہ فرینڈز جنہوں نے میرے نام میسج لکھا۔ صوفی خان' اقصیٰ اور حلیمہ بی بی آپ تینوں چاروں کی محبت کا بہت بہت شکریہ اور اب ہم فرینڈز ہوئے پکے فرینڈز' سیکنڈ مدیحہ نورین وعلیکم السلام اور دعاؤں کے لیے بہت بہت شکریہ دوست اور طیبہ جی تھینکس میرے جوابات پسند کرنے کا اور ہم خیال ہو میری' یہ جان کر خوشی ہوئی۔ صباحت مرزا آپ کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا تھا مگر آپ گم کہاں ہو کب سے علمہ شمشاد ریحانہ راجپوت' نادیہ یاسین' نورین شاہد' فوزیہ سلطانہ' سیدہ کنزیٰ زین' فریحہ شبیر آپ سب کدھر گم ہو شاہ زندگی کیا حال ہے تم سے رابطہ کیسے ممکن ہے۔ بشریٰ باجوہ' ام مریم' ثوبیہ مرزا' سمعیہ مریم اور سائرہ لنگڑیال آپ سب بہت نائس ہو میری طرف سے سب کو سلام۔ اینڈ لاسٹ اسپیشل میسج فار پری کیا حال ہے پری؟ سحرش نواز' زاہدہ آنٹی' رافعہ آنٹی اینڈ شبانہ آنٹی سب کیسے ہیں جی سحرش اینڈ آپی سعدیہ' بشریٰ ربیعہ اور فوزیہ آپی کو سلام ثومیہ زمان' نمیرہ (آپ بہت ہی گریٹ ہو یار سچی بہت خوش رہا کرو) نورین اقبال' رضوانہ مبشر' بشریٰ رزاق' طیبہ یاسمین اور طیبہ صدیق' زرتاشیہ' سدرہ کومل' شمع سردار' جویریہ طارق' کومل عروج' آپ سب کدھر ہو یار؟ سب کو سلام اور نادیہ اقبال تم گریٹ ہو یار بہت بہت اچھی اور نائس مائی بیسٹ فرینڈ خوش رہا کرو اب بائے بائے اور ہاں آپ سب سے ریکوئسٹ ہے کہ آنچل ریڈر اور ہماری دوست ثوبیہ مرزا کی امی بہت بیمار ہیں آپ سب ان کے لیے اسپیشلی دعا کریں آپ میں سے اللہ کسی کی بھی دعا سن کر ان کو صحت یابی دے سکتا ہے اس

لیے ضرور دعا کیجیے گا اور مسکان تم تو گم ہی ہوگئی ہو تمہارا پیغام پڑھ کر اطمینان ہوگیا کہ تم زندہ ہو۔ ایک لڑکی تھی شازیہ اعجاز شازی کہاں سے تھیں یہ نہیں پتا آنچل میں ان کا افسانہ آیا تھا "سارے دیے بجھا دیے" آپ جہاں کہیں بھی ہیں جلدی انٹری دیں میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ آپ سب سدا خوش رہو اینڈ میری بہت اچھی بچپن کی فرینڈ قرۃ العین (عینی) کو سلام اور میری جانب سے شادی مبارک ہو آپ سب کے جواب کی منتظر۔

سماریہ چوہدری......ڈوگہ گجرات

ماما جانی اور پاپا جانی کے نام

2 مارچ کو ہمارے ڈیئرسٹ کیوٹسٹ اینڈ لولی ماما جانی اور پاپا جانی کی شادی کی سالگرہ ہوتی ہے اللہ آپ کو سدا مسکراتا رکھے اور صحت و خوشیوں سے بھرپور لمبی زندگی عطا فرمائے اور اپنے بچوں کی کامیابیاں' خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے، آمین۔ ماما پاپا جانی ہر بار آپ کی شادی کی سالگرہ پر ہم سب آپ کو گفٹس دیتے ہیں ایسے مجھے مزا نہیں آتا اس بار کچھ ہٹ کے ہونا چاہیے تو اس بار آپ ہم سب کو گفٹس دیں گے اچھا ہے نا آئیڈیا۔ یہ آئیڈیا آپ کی جسٹ ایک ہی لاڈلی کیوٹ بیٹی سوچ سکتی ہے۔ ماما پاپا جانی آپ کے سویٹ بچوں سمیرا' معظمہ' مریم' ماریہ اور لاڈلے بیٹوں بلال' اجمل اینڈ عثمان علی کی طرف سے شادی کی سالگرہ مبارک ہو' اللہ تعالیٰ آپ کی جوڑی سلامت رکھے، آمین اور بڑے ماموں بڑی ممانی' چھوٹے ماموں چھوٹی ممانی بڑی آنٹی آنکل اور چھوٹی آنٹی انکل خاور اور بڑی خالہ' بڑے پاپا اور بچہ پارٹی انیس بھائی' نفیس' نوید' شجر ان' عالیان' سفیان' عمیر' عمر عبداللہ' ابوبکر' شعیب' شاہ زیب اسامہ' طیبہ' مروا' نیلم' مبین' بختاور کی طرف سے شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔

آپ کی سویٹ بیٹی عظمیٰ بٹ......سمندری

پیارے پیارے بھیا جانی کے نام

السلام علیکم بھیا جانی' ارے کیا سوچ رہے ہیں کہ یہ کون سی بہن ہے اوئے ایک ہی تو بہن ہے آپ کی لاڈو آپ کی مانو بلی' ہیپی برتھ ڈے بھیا جانی۔ خدا آپ کی عمر لمبی کرے آمین۔ کیک کب کاٹ رہے ہیں ارے ڈر کیوں گئے نہیں اس بار کچھ نہیں کروں گی ڈریں نہیں دیکھ لیں میرے ہاتھ خالی ہیں ویسے اگر پاس ہوتے تو بچ کر دکھاتے۔ پچھلی دفعہ مزا آیا تھا جب آپ کی لاڈو نے کیک سے آپ کی کلنیر نگ کی تھی؟ پہلے لڑائی ہوئی پھر روئی پھر آپ نے منایا پھر پیار سے لڑائی کی اور پھر کیک کاٹا۔ میں آپ کو بہت زیادہ مس کرتی ہوں ویسے آپ بھی مجھے بھول نہیں سکتے۔ میرے لیے دعا کیا کریں اپنا بہت زیادہ خیال رکھا کریں۔

نورعین......میاں چنوں

اپنے پیاروں کے نام

سب سے پہلے اپنی کیوٹ سی ٹیچر میم رئیسہ جی آپ کو ڈھیروں خوشیاں نصیب ہوں' معارج اور عبداللہ کے سر پر آپ کا سایہ ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ امی پاپا حسن حسنین حسام اب ناراض مت ہونا۔ رابعہ تم کیوں گھور رہی ہو۔ ثناء' لائبہ' صبا' عائشہ' اکرم' ماریہ صفدر' سدرہ رزاق' انعم' ریاض' ثوبیہ' حمیرا' شازہ' مدثرہ عنبرین اختر صبیحہ' ماریہ' ثوبیہ نذر' غزالہ' فرح' آسیہ' عائشہ شبیر' جویریہ' عیشا' ثانیہ' رفعت' حمیرا' آمنہ' ارم ان سب کو ڈھیروں سلام جہاں بھی ہو خوش رہو۔ شمائلہ جانو تم مجھ سے کس بات پر ناراض ہو پلیز ناراض مت ہو تم ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی ہو۔ ثناء اب تمہاری پھر مجھ سے ملاقات ہو رہی ہے کیسا لگ رہا ہے۔ اذان علی 10 مارچ کو تمہاری برتھ ڈے ہے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو جلدی سے ہمارے پاس آجاؤ۔ کیوٹو نعمان کیسے ہو تم آئی مس یو جلدی سے ہمارے پاس آؤ لیکن اپنی مما کو ساتھ ضرور لانا۔ روشان آنچل بھی پڑھ ہی لو اب تم مس یو۔

تم کیوں گھور رہی ہو صابرہ شریف اب گھورنا بند کرو اور یہ ایکشن مت مارو میرے سامنے۔

ہما شیراز

سوئٹ دل والوں کے نام

السلام علیکم! سویٹ دل والوں کیا حال ہے کیسی گزر رہی ہے زندگانی۔ ڈیئر پریٹی ڈول حورعین فاطمہ آپ وہ واحد لڑکی ہیں جس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو میں کیسے نہ تھامتی اب جلدی سے آنچل میں انٹری دو۔ شاہ زندگی ڈیئر آپ کی مارچ میں سالگرہ ہے تو بہت بہت مبارک ہو کبھی ماہ کو یاد کرتی ہو اور کبھی بھول جاتی ہو پھر بھی ماہ کو آپ کی دوستی پر فخر ہے۔ ارے ارے خوشی سے پھول کر کپا نہ ہو جانا ڈیئر جانی امبر طاہر سومرو اینڈ شمع مسکان آپ جیسی اتنی محبت کرنے والی دوستوں کو کون بھول سکتا ہے۔ نیناں شاہ کومل رباب اینڈ ڈیئرسٹ فرینڈ نورین شفیع شادی کی ڈھیروں مبارکباد نور شادی کے بعد مجھے بھول مت جانا سویٹی ثانیہ مغل جاناں اینڈ نبیلہ نازش کوئی ایسے بھی کرتا ہے آپ لوگ تو دوستی کر کے بھول گئی ہو مسکان قصور اینڈ نادیہ کامران آپ سے دوستی کی درخواست کی تھی مگر آپ نے جواب نہیں دیا۔ عافیہ چوہدری آپ کہاں ہیں آپ کی دوستیں آپ کو یاد کر رہی ہیں صباحت صباح عیشا نور عروسہ تعبیر فوزیہ سلطانہ سونی علی مشعال اسلام ماہ آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہے ایس انمول کیا تھوڑی سی محبت مجھے بھی ملے گی بلیو مون (نازیہ کنول) کیسی ہیں آپ اور آنٹی کا کیا حال ہے اگر کبھی غم حد سے بڑھ جائے مایوسی چھا جائے تو گھبرانا مت یاد رکھنا میرے یہ دونوں ہاتھ ہمیشہ آنٹی اور آپ کے لیے دعا گو رہیں گے۔ کاجل شاعری آپ کی پوئٹری بہت نائس ہوتی ہے کبھی کوئی غزل یا نظم ہمارے نام بھی لکھوانا۔ صنم جمال شاہ اللہ آپ کو ڈھیر ساری خوشی عطا فرمائے، آمین۔ سرگودھا والیوں آپ کو ماہ کا خصوصی اور پیارا بھرا اسلام کراچی والیوں کیا حال ہے عائشہ پرویز اینڈ حمیرا عروش آنچل ہم بھی پڑھتے ہیں کبھی ہمیں بھی یاد کرلیا کرو آنی فریدہ خانم فری کیسی ہیں آپ اور کیا مصروفیات ہیں۔ نادیہ جہانگیر کرن وفا چندا مثال انابیہ ثناء علی ثناء وقاص روبی علی غزل ناز ام کلثوم صنم ناز امبر گل خلوص کا پورا گلدستہ آپ کے نام ورنجف سیال ڈیئر پڑھائی اور جاب کیسی جا رہی ہے دلکش مریم زائمہ خٹک شہر بانو صوفیہ ملک ارم گل حور ارم دعاؤں کے پھول آپ سب کے نام اب اجازت دیں سدا خوش رہیں فی امان اللہ۔

ماہ رخ سیال...... سرگودھا

اپنوں کے نام

السلام علیکم! آنچل ڈائجسٹ کے تمام اسٹاف اور تمام قاری ولکھاری بہنوں کو بے حد محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ اللہ پاک سب کو یونہی آپس میں پیار ومحبت سے باندھے رکھے۔ بھئی اس سلسلے میں کیا لکھوں میری تو کوئی قلمی دوست ہی نہیں ہے۔ آنچل کی خاصیت یہ ہے کہ وہ لکھاری بہنوں کو دعوت دیتا ہے لکھنے کی۔ سارہ چوہدری لکھاری بننا چاہتی ہیں مجھے امید ہے کہ اسے ضرور کوئی رہنما ملے گا وہ ضرور اچھی مصنفہ بنے گی۔ سنبل ملک میں آپ کے ساتھ اپنی خوشیاں بانٹنا چاہوں گی اللہ پاک نے مجھے پھوپھو بنایا میرا پہلا بھتیجا شمعون باسط ہے۔ کاغذ قلم کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے لیے آپ دعاؤں کی مستحق ہوں آج کے دور میں جہاں الیکٹرانک چیزوں کی اور الیکٹرانک سہولیات کی بھرمار ہے وہیں اگر میرے جیسا پرانے خیالوں کا مالک (میرے دادا جی جو گورنمنٹ کے پٹواری تھے شوق سے ڈائجسٹ پڑھا کرتے تھے) جس کی وجہ سے مجھے رسالے پڑھنے کا چسکہ لگا۔ جب میرے دادا ابو کی ڈیتھ ہوئی تو میرے پاپا کی عمر صرف پندرہ برس تھی مگر میری عادتیں ہو بہو میرے دادا جیسی ہیں حالانکہ میں تو ان کے بہت بعد دنیا میں آئی ہوں ویسے ہی اردو ادب سے لگاؤ ویسے ہی علم کی پیاس۔ یہ بات میرے پاپا

کہتے ہیں مگر میں غصے کی تیز ہوں میرے دادا بالکل غصے والے نہیں تھے۔ اتنا کچھ آپ کے ساتھ شیئر کرلیا اب اجازت آئندہ تفصیلی تبصرہ کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ والسلام

سنبل ملک اعوان...... لاہور

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیسی ہو میں امید کرتی ہوں کہ سب ٹھیک اور فٹ فاٹ ہوں گی۔ سب سے پہلے طیبہ نذیر (شادیوال) آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری دوستی قبول کی ہے اور اس کے علاوہ میں فریحہ شبیر (شاہ نکڈر) سارہ چوہدری (گجرات) اور طیبہ نذیر آپ کو میں انوائٹ کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے گاؤں میں بہت بڑا میلہ لگتا ہے سو میں چاہتی ہوں کہ آپ سب آؤ اور میں آپ کو خوب گھماؤں بہت مزہ آئے گا۔ 6,7 مارچ کو میلہ لگتا ہے آپ ضرور آنا او کے، اللہ حافظ۔

سنیاں زرگر...... جوڑہ

حلیمہ بخاری کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو کیا حال ہے تم بھول گئی ہو تم کتنے دعوے کرتی تھی دوستی نبھانے کے کیا میں اتنی بری تھی کہ کبھی مس کال بھی نہیں دی اوپر سے اپنا نمبر بھی بند کیا ہوا ہے یاد ہے 7 فروری کو کیا ہوا تھا۔ حلیمہ نگینہ طیبہ کیسی ہیں سونیا اسماء صائمہ کبھی ہمیں بھی یاد کرلیا کرو کاشو نذیر زاہدہ کو سلام کہنا۔ مریم تجھ پر بہت افسوس ہے اقرا ذکیہ عظمیٰ کیسی ہو نازیہ کنول نازی تم تو جولائی کے بعد بالکل غائب ہو گئی ہو۔ منورہ کیا حال ہے تمہارا۔

نادیہ گل نادی...... مخدوم پور

آنچل فیملی کے نام

السلام علیکم! دوستوں کیا حال ہے فٹ فاٹ نا میں بالکل ٹھیک ہوں مگر گردش دوراں میں پھنسی تھی دوسری طرف ڈاک کے نظام نے ظالم سماج کا رول پلے کیا اور میں آپ سے دور ہو گئی آپ سب نے میری کمی محسوس کی مجھے بہت خوشی ہوئی آپ کے پیغام پڑھ کر۔ شاہ زندگی اب میں آئی تو تم کہاں غائب ہو گئی فٹافٹ حاضری لگواؤ ورنہ جرمانہ ہو جائے گا۔ شمع مسکان تم بھی نظر نہیں آ رہی خیریت شاباش واپس آؤ جلدی۔ مسکان سارہ چوہدری عائشہ پرویز نادیہ یاسین طیبہ نذیر نادیہ عباس دیا مہر گل ملائکہ گل نوشین اقبال نوشی سویرا فلک آنسہ شبیر امبر گل نگینہ بجز سیدہ جیا عباس کاظمی صائمہ طاہر پرویز سدرہ شاہین دلکش مریم مدیحہ کنول عظمیٰ بٹ کرن وفا اریبہ شاہ جاناں زنیرہ طاہر طیبہ افضل فاخرہ ایمان کومل رباب (شادی مبارک) ایمن وفا مدیحہ نورین نادیہ کامران کیسی ہیں آپ سب؟ شگفتہ خان (ٹوفی) آپ بھی غائب ہیں خیریت آپ سب تو رونق ہیں آنچل کی صبا نواز پلیز معاف کر دینا اگلی برتھ ڈے کی اور پچھلی کی اکھٹی وش کرتی ہوں۔ انیقہ عاصمہ امداد علی ایس انمول آپ کو میرا اسلام نبیلہ نازش تھوڑا ٹائم ہمیں بھی دے دو صبا قریشی مون قریشی حلیمہ بی بی پارس شاہ آپ سب کی دوستی قبول ہے ویسے کوئی ایک دوسرے کو دوستی کا پیغام دے یا نہ دے سب دوست ہی ہیں کیونکہ یہ احساس کا رشتہ ہے۔ آنچل میں سب ایک دوسرے کی خوشی اور غم کی پروا کرتے ہیں یہ دوستی ہی ہے مجھے فخر ہے کہ میں آنچل فیملی کا حصہ ہوں کوئی نام رہ گیا ہو تو معذرت۔ اللہ آپ سب کو خوشیاں صحت اور تندرستی عطا فرمائے آمین۔

نورین شاہد...... رحیم یار خان

مس فائزہ کے نام

امید کرتی ہوں کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک اور فٹ فاٹ ہوں گی۔ آپ میری سب سے فیورٹ استاد ہیں آپ نے مجھے لگن اور محنت سے پڑھایا جس کی وجہ سے میں نے میٹرک میں اچھے نمبر حاصل کیے اور پاس ہوئی۔ فروری میں آپ کی شادی ہے آپ کو شادی کی

بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ ہمیشہ مسکراتی رہو۔ میں خدا کا بہت شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے آپ جیسا استاد دیا۔ آپ میری استاد نہیں بلکہ بہترین دوست بھی ہیں۔ آپ نے ہمیں اب تک یاد رکھا آپ کا بہت بہت شکریہ خدا حافظ۔

صباء زرگر...... جوڑہ

آنچل فرینڈز کے نام

شازیہ فاروق، زنیرہ طاہر، نوشین اقبال نوشی، سیدہ جیا عباس کاظمی، منیبہ نواز، ارم کمال آپ سب کو میری نگارشات اور سوالات پسند آتے ہیں یہ آپ سب کی محبتیں ہیں ورنہ بندی کس قابل ہے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کو وہ تمام خوشیاں دکھائے جو آپ کے دل میں ہیں آمین۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! تمام قارئین کو میری طرف سے محبت بھرا سلام۔ آپ لوگ مجھے نہیں جانتے کیونکہ میں بالکل نئی لکھاری ہوں میں نازیہ کنول نازی کی فین ہوں۔ ان کی لکھی ہوئی ہر بات مجھے بہت پسند ہے۔ ان کے ناول تو بہت شوق سے پڑھتی ہوں میری آپ کے لیے دل سے دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں اور بہت زیادہ ترقی کریں۔ آنچل کی کوئی بھی بہن دوستی کرنا چاہے تو میری طرف سے موسٹ ویلکم او کے جی اللہ حافظ۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

نور الفرحان...... وزیرآباد

اپنے پیاروں کے نام

سلام! پیاری رانی خان، ارقم، غزل، نینا جبین، مینا علی، رانیہ چوہدری اور زویا علوی کیسی ہیں آپ سب ارے بھئی آپ حیران کیوں ہوگئے یہ میں ہی ہوں جناب کیسا لگا میرا سرپرائز جی۔ رانیہ چوہدری آپ کو سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک آپ کی زندگی میں ہزاروں خوشیاں لائے آمین۔ سب لوگ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اس کے علاوہ اگر کوئی آنچل کی قاری مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم۔

سونی خان...... آزاد کشمیر

میرا ہر لفظ میرے ابو کے نام

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرے پیارے ابو ہم سب کو اس بھری دنیا میں ان فانی ہواؤں کے سپرد کرکے شہر خموشاں میں بسیرا کریں گے۔ آنچل ریڈرز اینڈ رائٹرز دعا کریں کہ میرے ابو کی آخری خوابگاہ ہمیشہ نور سے منور رہے۔ وہاں سدا بہار رہے اس دیس میں سونے والے سب سکون سے سوئیں، آمین۔ 2014ء نے جنوری کی انیس کو اتوار کی شام 6 بجے ہم سے ہمارا سایہ چھین لیا۔ سات سال تک ہیپاٹائٹس جیسی بیماری سے لڑتے رہے، میرے پیارے ابو آہ کدھر سے لاؤں آپ کو؟ سارا زمانہ میرے ابو کا گرویدہ ہے۔ میری گزارش ہے فرینڈز کہ دعا کریں میری معصوم ماں ہمیشہ پرسکون رہے انہیں بھی کچھ نہ ہو ہمارے پاس صرف ماں ہے ابھی تو ہم بہت چھوٹے ہیں میرے ابو فی امان اللہ۔ خدا آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

ثوبیہ نواز اعوان...... سرگودھا

پیاری دوستوں کے نام

فصیحہ آصف خان، کوثر اعجاز، سباس گل، نسیم سکینہ صدف، فریدہ خانم، سدرہ شاہین، سدرہ کلثوم، کاجل شاہ، فرح طاہر، بشریٰ باجوہ، نادیہ جہانگیر، غزالہ جلیل، شمیم ناز صدیقی، نگہت اکرم، نگہت غفار، نزہت جبیں مجھے تمہاری دوستی پر بڑا ناز ہے تم جہاں بھی رہو خوش رہو میری طرف سے بے حد سلام اور دعا۔

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

یادگار لمحے

جویریہ سالک
yaadgar@aanchal.com.pk

حمد

آغاز حمد تیری بسم اللہ سے یارب
ہوں فدا تیرے نام پر بسم اللہ سے یارب
تیری حمد و ثناء بن جائے میری فکر زندگی
اور اسی راہ میں ہوجائے گل یہ شمع یارب
تُو ہی خالق و مالک تُو ہی رازق و فتاح
سب نظر آئیں تیرے ہی اشارے کے منتظر یارب
میری حد نگاہ سے دور ہے تیری کائنات کی ہر شے
تیرا ہی جلوہ نظر آئے جدھر بھی دیکھوں یارب
تُو ہی ڈالتا ہے بے جانوں میں جان
تُو ہی کہے کُن اور فیکون ہوجائے یارب

سامعہ ملک...... احاطہ ٹیکسلا

جن کا یہ کلیہ تھا

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا "یہ بتاؤ کہ اپنے ملک کا شریف آدمی کون ہے؟"
دوست نے کہا: "یہ بتا کر میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بننا چاہتا۔"
"اچھا...... تو سب سے بے ایمان شخص کون سا ہے؟"
"یہ بتا کر میں تم سے دشمنی نہیں مول لینا چاہتا۔" دوست نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

عنبر فاطمہ...... فیصل آباد

حرکت

ہر منزل میں کوئی نہ کوئی کانٹا ضرور ہوتا ہے
ہر کانٹا اپنے اندر کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ رکھتا ہے
ہر راز میں کوئی نہ کوئی امتحان انگڑائیاں لیتا ہے
ہر امتحان میں کوئی نہ کوئی تجربہ ضرور ہوتا ہے
ہر تجربے سے کوئی نہ کوئی سبق حاصل ہوتا ہے
ہر سبق میں ایک جستجو کروٹ لیتی ہے
ہر جستجو کی کوئی نہ کوئی ابتدا ہوتی ہے
ہر ابتداء سے چند مسائل جنم لیتے ہیں
ہر حل میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے
ہر نقص ہمیں اصلاح پر اکساتا ہے
اور یوں حضرتِ انسان ترقی کی شاہراہوں پر رواں دواں رہتا ہے

انوشہ طارق...... کراچی

نیو اسٹائل آف نکاح

مولوی: "ڈو یو ایگری ٹو چینج یور فیس بک اسٹیٹس فرام سنگل ٹو میریڈ؟"
بوائے: "ییس، ییس، ییس......"
گرل: "ییس، ییس، ییس......"
مولوی: "کانگریچولیشن! یور پروفائل اب ڈیٹڈ سکسیس فلی، یو آر ناؤ ہسبینڈ وائف، یو مے ناؤ اپ لوڈ یور ویڈنگ پکچرز ڈونٹ فارگیٹ ٹو ٹیگ می۔"
مولوی راکس
باراتی شاکڈ

ہما شیراز......

باتیں کچھ خاص

ہمیشہ یہ ہی سوچ کے جیو کہ میرے ربّ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے اگر وہ مجھے میرے اعمال کے برابر دیتا تو میرے پاس آج کچھ بھی نہ ہوتا
دو چیزیں زندگی کی وضاحت کرتی ہیں: "آپ کا صبر جب آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔
آپ کا رویہ جب آپ کے پاس سب کچھ ہو۔"

نادیہ یٰسین...... ساہیوال

نفرت اور انتقام

نفرت اور انتقام کی آگ میں ہم خود جل رہے ہوتے ہیں، نفرت بھی تو ہمیں اسی شخص سے ہوتی جسے انتہا کی حدوں تک چاہا ہو۔ انتقام اندھا ہوتا ہے نہ غیروں کو دیکھتا ہے نہ اپنوں کو۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب نفرت کی آگ سرد ہوتی ہے تو تب خبر ہوتی ہے کہ نقصان تو خود ہمارا اپنا ہوا ہے۔ اس آگ میں ہم خود جھلسے ہیں۔

فائزہ بلال اقرا آغا آفرین...... جام پور

حرف اول

ایک بات تو یہ طے ہے کہ
تاریخ ادب میں جتنا بھی محبت پر لکھا ہے
مردنے ہی لکھا ہے
لیکن اب علم کے درجے طے کرتے ہوئے
مجھے یہ تو پتا چل گیا کہ
کم از کم جو لوگ جس موضوع پر لکھتے ہیں
کبھی کبھی
اس کے حرف اول
سے بھی واقف نہیں ہوتے

امبر گل...... جھڈو سندھ

سوال

حضرت علیؓ ایک دشمن سے جنگ لڑ رہے تھے انہوں نے تلوار کا زور سے وار کیا اور اس کی تلوار دو ٹکڑے کر دی۔ حضرت علیؓ غیر مسلح شخص پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اس لیے فوراً ہاتھ روک لیا وہ شخص کہنے لگا۔

"مجھے تلوار دو میں مقابلہ کروں گا۔"

حضرت علیؓ نے اپنی تلوار دی' وہ حیران ہو کر بولا۔

"تعجب ہے آپ خود غیر مسلح ہو گئے۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا "ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے مانگنے والے کا سوال رد کیا ہو' تم نے مجھ سے تلوار مانگی میرے پاس ایک ہی تلوار تھی' اس لیے میں نے تمہیں وہ دے دی۔"

یہ دیکھ کر وہ کافر مسلمان ہو گیا۔

عظمیٰ فرید خان...... ڈی آئی خان

دھوکا

ایک بدصورت فعل کا بدہیت نام ہے۔

عہد وفاداری میں ہو یا محبت میں' غلامی میں ہو یا مختاری میں' انسانی اعصاب پر چیونٹیوں کی مانند چمٹ جاتا ہے جس کے بعد انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا وجود کائنات سے کٹ گیا ہو۔ وہ خود کو اتنا خالی محسوس کرتا ہے اور اتنا تنہا کہ اسے پوری دنیا فریب کا جال نظر آنے لگتی ہے۔

رفعت سراج کے شاہکار سے اقتباس

آمنہ امداد...... سرگودھا

لطیفہ

چپراسی "پہلوان جی! تم ایک وقت میں کتنے لوگوں کو اٹھا سکتے ہو؟"

پہلوان "کم از کم دس لوگوں کو۔"

چپراسی "چھوڑو یار! تم سے تو تگڑا میرا مرغا ہے جو صبح پورے محلے کو اٹھاتا ہے۔"

عائشہ پرویز...... کراچی

انمول موتی

رشوت...... انصاف کو کھا جاتی ہے
توبہ...... گناہ کو کھا جاتی ہے
غیبت...... عمل کو کھا جاتی ہے
نیکی...... بدی کو کھا جاتی ہے
غصہ...... عقل کو کھا جاتا ہے
جھوٹ...... رزق کو کھا جاتا ہے
اور فکر...... عمر کو کھا جاتی ہے

مبین رانا...... سمندری

قول حضرت علیؓ

حضرت علیؓ نے فرمایا "کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو' دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آ جاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔"

جسم ایک دکان ہے اور زبان اس کا تالا ہے' تالا کھلتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ دکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔"

سدرہ شاہین...... خانیوال

وجوہات غربت اور محتاجی

غربت اور محتاجی چار چیزوں سے آتی ہے۔

☆ جلدی جلدی نماز پڑھنے سے
☆ کھڑے ہو کر پانی پینے سے

☆ منہ سے چراغ بجھانے سے
☆ آستین یا دامن سے منہ صاف کرنے سے

ناہید اختر...... احسان پور

لطیفہ

تین پٹھان ٹرپ پر گئے' اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر انہیں یاد آیا کہ وہ سموسے تو گھر ہی بھول آئے ہیں ان میں جو سب سے چھوٹا خان تھا اسے سموسے لانے کو کہا تو وہ نہ مانا کہ کہیں میرے بعد یہ لوگ پیپسی ہی نہ پی جائیں۔ دوسرے دونوں خان نے اسے یقین دلایا کہ وہ تیرے آنے کے بعد ہی پئیں گے آخر چھوٹا خان چلا ہی گیا۔

دوسرے دونوں خان انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہیں آیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی' آخرا کتا کر کہنے لگے کہ "وہ تو آیا نہیں چلو پیپسی تو پئیں۔" یہ سن کر ایک قریبی درخت کے پیچھے سے چھوٹا خان نمودار ہوا اور بولا۔

"دیکھا مجھے پتا تھا آپ لوگوں نے پی لینی ہے اس لیے میں گیا ہی نہیں۔"

رضوانہ کرن...... کمالیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ

اچھی بات

جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو
سر سے آسمان تک رحمت الٰہی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے
فرشتے تیرے چہرے کی طرف جمع ہو جاتے ہیں
ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی! اگر تُو دیکھ لے تیرے سامنے کون ہے اور تُو کس سے بات کر رہا ہے تو اللہ کی قسم تُو قیامت تک سلام نہ پھیرے۔

کائنات اشرف...... بوسال سکھا

اہلیت

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک وفد آیا' وفد میں شامل ایک نوجوان اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے لگا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا "تم خاموش رہو' نوجوان! کسی بزرگ کو بولنے دو۔"

"امیر المومنین!" نوجوان نے کہا۔ "عقل و دانش کا تعلق سن و سال سے نہیں ہوتا ورنہ آپ کی مسند پر کوئی بزرگ تر آدمی نظر آتا۔"

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

محبت

خدا سے ہو تو بندگی بن جاتی ہے
استاد سے ہو تو دوستی بن جاتی ہے
دولت سے ہو تو مرض بن جاتی ہے
والدین سے ہو تو عبادت بن جاتی ہے

نصرت عارف...... واربرٹن

اشفاق احمد کی کتاب

اشفاق احمد اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ کسی انسان کا پہلا پیار بننا کوئی بڑی بات نہیں بننا ہے تو کسی کا آخری پیار بنو

اس لیے کبھی یہ مت سوچو کہ تم سے پہلے وہ کسی اور سے پیار کرتا تھا' کوشش یہ کرو کہ تمہارے بعد اسے کسی اور کے پیار کی ضرورت ہی نہ رہے۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

واصف علی واصف

☆ جاگنے والے زندہ ہوں تو سونے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

☆ جاگنے والے نہ رہیں تو سونے والے بھی نہ رہیں گے' گڈریا سو جائے تو بھیڑیے ریوڑ کھا جاتے ہیں۔

☆ لوگ فوری نتیجوں پر غور کرتے ہیں اور اس طرح انتہائی نتائج سے بے خبر رہتے ہیں۔

☆ ہم شاید جانتے ہیں کہ ہمارے فیصلوں کے اوپر ایک اور فیصلہ نافذ ہو جایا کرتا ہے' یہ وقت کا فیصلہ ہے۔

☆ تذبذب اس مقام کو کہتے ہیں جہاں آگے جانے کی ہمت نہ ہو اور واپس جانا ممکن نہ ہو۔

☆ جب زمانہ امن کا ہو اور حالات جنگ جیسے ہو تو سمجھو عذاب ہے۔

☆ منافق وہ ہوتا ہے جو اسلام سے محبت کرے اور مسلمانوں سے نفرت۔

ارم کمال...... فیصل آباد

قرآنی معلومات

قرآن پاک کی سب سے بڑی سورۃ البقرہ ہے۔
قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔
قرآن پاک میں 30 پارے 114 سورتیں اور 558 رکوع ہیں۔
قرآن پاک کی عروس القرآن سورۃ رحمٰن کو کہا جاتا ہے۔
قرآن پاک کا دل سورۃ یٰسین کو کہا جاتا ہے۔ قرآن میں 6666 آیتیں ہیں۔
قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت "آیۃ الکرسی" ہے۔
سورۃ التوبہ قرآن پاک کی ایسی سورۃ ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی۔ قرآن پاک میں کل لفظ 323760 ہیں۔
سورۃ الناس قرآن پاک کی ایسی سورۃ ہے جو حرف "س" پر اپنی آیت ختم کرتی ہے۔ قرآن پاک کی سات منزلیں ہیں۔
قرآن پاک میں قل سے شروع ہونے والی کل 5 سورتیں ہیں سورۃ الجن، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس۔

رابعہ ساحر..... جہانیاں

گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تمہارے درجے بلند کردے؟" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "ضرور اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ناگواری اور مشقت کے باوجود کامل طریقے پر وضو کرنا، مسجد کی طرف چل کر جانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ تمام اعمال اللہ کی حفاظت اور پناہ میں آنے کا ذریعہ ہیں" (مشکوۃ المصابیح)

سیدہ علیشاہ..... بہاولپور

سچے موتی

☆ محبت بانٹنے سے بڑھتی ہے۔
☆ درد بانٹنے سے کم ہوتے ہیں۔
☆ مسکراہٹ درد چھپانے کا اوزار ہے۔
☆ جو سوچو گے وہی پالو گے اس لیے اپنی سوچ مثبت اور تعمیری رکھیں۔
☆ شک رشتوں کو کھوکھلا اور جذبات کو پامال کردیتا ہے۔
☆ بامقصد زندگی انسانیت کا پتا دیتی ہے۔
☆ دنیا سے مانگ کر شرمندگی اٹھانے کے بجائے رب کائنات سے مانگ کر سرخرو ہونا بہتر ہے۔
☆ نیکی صرف مغرب کی جانب منہ پھیر لینا نہیں کسی کی آنکھ سے اشک چرالینا، چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرنا بھی نیکی اور صدقہ ہے۔

سیدہ جیا عباس کاظمی..... تلہ گنگ

طرز تخاطب

ایک تاجر نے ایک بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔
"یا شیخ میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو؟"
بہلول نے جواب دیا۔
"روئی اور لوہا خرید لو۔"
تاجر نے ایسا ہی کیا کچھ عرصے میں اس کی قیمت کئی گناہ بڑھ گئی اور تاجر کو بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ کافی عرصے کے بعد تاجر نے ایک بار پھر بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔
"اے پاگل بہلول! اس سال میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو۔"
"اس سال پیاز اور تربوز خرید لو۔" تاجر نے ایسا ہی کیا لیکن کچھ ہی دن میں پیاز اور تربوز سڑ گئے اس مرتبہ تاجر کو بہت نقصان ہوا۔ تاجر نے بہلول سے جا کر اس غلط مشورے کے بارے میں دریافت کیا تو بہلول نے کہا۔
"اے تاجر تم نے پہلی بار مجھے یا شیخ کہہ کر پکارا تھا اس لیے میں نے عقل و منطق کے ساتھ تمہیں مشورہ دیا تھا لیکن دوسری بار مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کیا اس لیے میں نے تمہیں اپنے پاگل پن میں مشورہ دیا ہے پس تم اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہو کیونکہ کوزے میں سے

وہی نکالا جاتا ہے جو اس میں ڈالا گیا ہو۔"

فوزیہ سلطانہ..... تونسہ شریف

میراثی

دو میراثی ایک بارات کے ساتھ گئے وہاں جاکر بیٹھ گئے تو ان کو بار بار پانی پیش کیا گیا۔
ایک میراثی نے تنگ آکر کہا۔
"بھئی تھوڑے سے چاول دے دو پانی حلق میں پھنس گیا ہے۔"

عریشہ ناز..... خانیوال

قیمتی موتی

○ دوست سو بھی تھوڑے ہوتے ہیں دشمن ایک بھی بہت ہوتا ہے۔
○ ایک اچھا دوست اگر سو بار بھی روٹھے تو ہر بار مناؤ کیونکہ قیمتی موتیوں کی مالا جتنی بار بھی ٹوٹے اسے ہر بار پرونا پڑتا ہے۔
○ دوستی کا رشتہ نازک کچے دھاگے کی طرح ہوتا ہے دھاگا ٹوٹ جاتا ہے مگر اس میں گرہ آجاتی ہے۔
○ ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے لیکن سچا دوست بننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔

پاکیزہ ماہ نور..... لاوہ

خوب صورت باتیں

❖ زندگی ایک کتاب ہے جو مرتے دم تک انسان کے ساتھ ہے مگر اس کے رفیق مضامین سمجھنے کے لیے علم صادق اور عقل سالم درکار ہے
❖ بعض کتابیں چکھ لینے کے قابل ہوتی ہیں بعض نگل جانے کے لائق اور بہت تھوڑی ایسی ہوتی ہیں جن کو چبانے اور ہضم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔
❖ یاد رکھو کہ جو کتاب کئی بار پڑھنے کے لائق نہیں وہ پڑھنے ہی کے لائق نہیں۔
❖ یاد رکھو کہ علم ادب کے سیکھنے والے لفظی بحث میں اور ریاضی دان عددی بحث میں اپنے بیش قیمت وقت اور دماغ کو تباہ کردیتے ہیں۔
❖ تعلیم جو انسانیت بخشتی ہے، بہت کم لوگ اس کی حقیقت سے باخبر ہیں۔

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

یادیں

❀ یادیں مایوسیوں میں امید کا چراغ ہیں۔
❀ یادیں انسان کا سرمایہ حیات ہیں۔
❀ یادوں کو انسان محسوس تو کرسکتا ہے مگر دیکھ نہیں سکتا۔
❀ یادیں ایک شگفتہ پھول کی مانند ہیں۔
❀ یاد رکھنا بھی ملاقات کی ایک شکل ہے۔
❀ یادیں انسان کو صحراؤں میں بھٹکنے پر مجبور کردیتی ہے۔
❀ خدا کی یاد سب بلاؤں سے نجات دلاتی ہے۔
❀ یادیں ماضی کا حسن اور مستقبل کا سرمایہ ہوتی ہے۔

فرحت اشرف جٹ..... سیدوالا

بہاریں

مارچ اپریل کے دن بھی
کتنے عجیب ہوتے ہیں
جب جب پھول کھلتے ہیں
دل مرجھانے لگتے ہیں
کچھ بچھڑے لوگ یاد آنے لگتے ہیں
یوں تو بھری بہار میں ہر طرف خوش بو ہوتی ہے
دل کو نہ جانے مگر کس کی جستجو ہوتی ہے
جب بھی یہ مہکی فضا میں آتی ہیں
گزرا وقت یاد دلاتی ہیں
یہ جو ہر طرف گل کھلے ہوئے ہیں
دل میں یادوں کے نشتر چبھوتے ہیں
کون کہتا ہے......؟
بہاریں خوشی لاتی ہیں
یہ تو اداسیوں سے دامن بھر جاتی ہیں......!!

امبر گل..... جھڈو (سندھ)

وادیٔ عشق

پیاری قارئین فرینڈز! جب بھی آپ میں سے کسی کا بھی وادیٔ عشق میں جانے کا اتفاق ہو تو وادیٔ عشق کا

نقشہ ذہن نشین کرتی جائیں۔ حدودِ اربع کچھ یوں ہے وادیٔ عشق کے مشرق میں محبت کا شہر آباد ہے۔ مغرب میں چاہت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہے جس کے ساحل پر تشنگانِ عشق کی کثرت پائی جاتی ہے۔ شمال میں الفت کے سدا بہار بڑے بڑے باغات پائے جاتے ہیں۔ ہر طرف پھیلی وفا کے پھول کی خوشبو وہاں کے باسیوں کے دل و دماغ کو معطر کیے ہوئے ہے۔ وہاں کا مشہور پھل خلوص کا پھل، مشہور پھول، وفا کا پھول ہے۔ مسکراہٹ وہاں کی مکین کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہاں کا مشہور مشروب "جامِ عشق" ہے لیکن کہیں کہیں نفرت کی کانٹے دار جھاڑیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جنوب میں بے اعتنائی کے پہاڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ جس کے نشیب میں بے رخی کا ایک بہت گھنا جنگل واقع ہے جہاں پر چلتی بے وفائی کی ہوا بھی محبت، چاہت اور الفت کے علاقوں میں داخل ہو کر وہاں پر بسنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

شمع مسکان...... جام پور

نظم

میں بھول جاؤں تمہیں
اب یہی مناسب ہے
مگر بھلانا بھی چاہوں تو کس طرح بھولوں
کہ تم تو پھر بھی حقیقت ہو
کوئی خواب نہیں
یہاں تو دل کا یہ عالم ہے کیا کہوں
کم بخت!
بھلا نا پایا یہ وہ سلسلہ
جو تھا ہی نہیں
وہ ایک خیال
جو آواز تک گیا ہی نہیں
وہ ایک بات
جو میں کہہ نہیں سکا تم سے
وہ ایک ربط
جو ہم میں کبھی رہا ہی نہیں
مجھے ہے یاد وہ سب
جو کبھی ہوا ہی نہیں

جاوید اختر...... کراچی

ویلنٹائن ڈے

♥ ایک سروے کے مطابق ویلنٹائن ڈے پر جو پھول خریدے جاتے ہیں ان میں 75 فیصد کے خریدار مرد ہوتے ہیں۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ پھول خریدنے والی خواتین میں سے 15 فیصد ایسی ہوتی ہیں جو یہ پھول خود اپنے ہی آپ کو بھیجتی ہیں یعنی انہیں کوئی ایسا مرد نہیں ملتا جو انہیں پھول کے قابل سمجھے۔

♥ سب سے زیادہ ویلنٹائن ڈے کے کارڈ اساتذہ کو موصول ہوتے ہیں۔ ان کے بعد بچوں، ماؤں، بیویوں اور پھر محبوباؤں کا نمبر آتا ہے، چھ سے دس سال کی عمر تک کے بچے اپنے اساتذہ، ہم جماعتوں اور گھر والوں کے ساتھ کم و بیش 65 کروڑ کارڈز کا تبادلہ کرتے ہیں۔

♥ امریکہ میں مرد، عورتوں کے مقابلے میں ویلنٹائن کارڈز پر دگنی رقم خرچ کرتے ہیں۔

♥ ویلنٹائن ڈے پر دل کی شکل کے چاکلیٹ کے ساڑھے 3 کروڑ ڈبے فروخت ہوتے ہیں۔

♥ ویلنٹائن منانے والوں میں سے 70 فیصد کارڈ بھیجتے ہیں۔ 49 فیصد ٹیلی فون کرتے ہیں۔ 48 فیصد تحائف دیتے ہیں۔ 37 فیصد خصوصی کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ 33 فیصد کھانے کی کوئی میٹھی چیز دیتے ہیں۔ 30 فیصد کھانا کھانے باہر جاتے ہیں اور 19 فیصد صرف پھول دیتے ہیں۔

سعدیہ اجمل...... گوجرانوالہ

dish@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتداء ہے اس پاک پروردگار کے نام سے جو خالق کائنات ہے۔ مارچ کا شمارہ بہار نمبر پیش خدمت ہے۔ امید ہے سب بہنیں خیریت سے ہوں گی اور تمام بہنوں سے التماس ہیں کہ وہ تمام بیماروں کے لیے دعا کریں کہ پاک پروردگار ان کو شفاء کاملہ عطا فرمائے اور تمام مرحوم کی مغفرت فرمادیں...... آمین۔ اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے تبصروں کی طرف۔

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن۔ عزیز از جان آپی جی! میری جانب سے آپ کو تمام اسٹاف اور قاری بہنوں کو خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔ اس مرتبہ آنچل کافی لیٹ ملا، اس دفعہ سرورق منفرد تھا، اچھا لگا۔ اپنی شدید ترین بیماری کی وجہ سے تقریباً آٹھ ماہ بعد شرکت کررہی ہوں، تکلیف کے باوجود آنچل کا ساتھ نہ چھوڑا چاہے ایک کہانی ایک ماہ میں پڑھی۔ سرگوشیاں سے لے کر کام کی باتیں تک ہمیشہ کی طرح پرچہ لاجواب رہا۔ سرگوشیاں پڑھنے کے بعد بس ملک کے لیے دعائیں ہی نکلتی ہیں کہ اللہ پاک ہمارے پاکستان کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنادے۔ سلسلے وار ناول تینوں ہی اے ون جارہے ہیں اقراء آپی، سمیرا شریف اور ام مریم جی آپ کی تحریریں لاجواب ہیں، کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ میری دعا ہے اسی طرح آپ سب ترقی کی منازل طے کرتی رہیں۔ نازیہ کنول نازی آج کل ندارد کیا ہوا؟ روشنی کے پیامبر، جیسی اصلاحی تحریریں آنچل کی جان ہیں۔ میری طرف سے سب کے لیے دعائیں، اللہ حافظ۔

☆ شبانہ گڑیا! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آپ کا تبصرہ اچھا لگا۔

نورین شاهد...... رحیم یار خان۔ السلام علیکم! کافی ماہ سے آنچل لیٹ مل رہا ہے اس لیے شرکت کرنے سے قاصر تھی مگر میں نے اس دفعہ ڈھیٹ بن کر لکھنا شروع کردیا کہ شاید ہم بھی اس محفل میں جلوہ گر ہو پائیں۔ اس دفعہ آنچل 27 کو ملا ٹائٹل اچھا تھا "سرگوشیاں" میں قیصر آراء آپی نے ٹھیک کہا ہمارے ملک میں ہر نعمت موجود ہے سوائے اچھے حکمرانوں کے۔ "بھیگی پلکوں پر" تو ہر قسط میں ٹینشن ہوتی ہے مگر اس دفعہ پری اور طغرل کی صلح نے موڈ ٹھیک ہی رکھا، پھر آئے "ٹوٹا ہوا تارا" پر سمیرا آپی آپ کمال کا لکھ رہی ہیں پر پلیز انا اور شہوار کو جلدی عقل دینا اور عادلہ کی فیملی کو تو سزا ملنی چاہیے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" فاطمہ کا مسلمان ہونا بہت اچھا لگا مگر لاریب کی ہٹ دھرمی پر غصہ آتا ہے کیسے اپنے باپ کو ٹارچر کررہی ہے، کاش شرجیل سمیعہ کی شادی کروادے کسی اچھے انسان سے اور یہ عباس مجنوں بن گیا ہے اسے اپنے بچوں کی کوئی پروا نہیں۔ "غلطی کا ازالہ" افسانہ بہت زبردست تھا، ضیاء نے دوستی کا حق ادا کیا اور سمیر کو بھی سبق ملا۔ سمیرا غزل صدیقی آپ کی شاعری اور تحریریں زبردست لگتی ہیں مختصر تحریر مگر جامع اور واضح سبق ویل ڈن۔ "فریب محبت" میں عروج کا اپنی مخلص دوست کو دھوکہ دینا اچھا نہیں لگا، پتا نہیں لوگ دھوکہ دے کر مطمئن کیسے رہتے ہیں لیکن ایک دن وہ ضرور اس کے پاس لوٹ کر آجاتا ہے۔ فوزیہ احسان بہت اچھا لکھا کیپ اٹ اپ۔ سلمٰی غزل کا ناول بھی پسند آیا۔ "محبت ہو تو ایسی ہو" عابدہ سبین بہت زبردست، واقعی مرد بھی عورت سے زیادہ وفادار ہوتے ہیں۔ مکمل ناول دونوں ہی بے حد اچھے لگے کہ لکھنے والے نام خاص تھے۔ نازیہ آپی پلیز جلدی دوبارہ کوئی ناول لکھوؤ مس یو سو

مچ۔ بیاض دل میرا فیورٹ سلسلہ ہے دوست کے نام پیغام آئے میں تمام پیغام اچھے لگے اب اجازت اللہ حافظ۔

عائشہ خان...... ٹنڈو محمد خان۔ شہلا آپی السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ فروری کا آنچل 25 جنوری کو ہی مل گیا دل خوش ہوگیا۔ قیصر آپی کے تمام جواب پسند آئے۔ ہم سے پوچھیے میں بھی کھٹے سوال اور میٹھے جواب پسند آئے۔ آئینہ میں تمام بہنوں کے تبصرے پسند آئے خاص طور پر آمنہ امداد سرگودھا، مہر گل دعا گل کراچی اور طیبہ نذیر شادیوال کے زیادہ پسند آئے۔ یادگار لمحے میں سے پروین افضل شاہین بہاولنگر کا انتخاب پسند آیا مگر سب سے زیادہ تارا شاہ چکوال کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند آیا۔ دوست کا پیغام میں میں نے شمع مسکان اور دوسری بہنوں کے نام پیغام لکھے تھے مگر ہمیں تو کوئی اہمیت ہی نہیں دی گئی خیر تمام بہنوں کے پیغام پڑھے بہت مزہ آیا یہ سلسلہ میرا فیورٹ ہے۔ نظموں غزلوں میں نظم سیدہ علیشاہ بہاولپور کی پسند آئی۔ باقی شمارہ ابھی زیر مطالعہ ہے سب سے پہلے ''ٹوٹا ہوا تارا'' اور ''بھیگی پلکوں پر'' پڑھوں گی مگر ابھی ٹائم کم ہے بھائی بھابی عمرہ پر گئے ہیں اور ان کے 3 عدد بچے مجھے ہی سنبھالنے ہیں With میرے 3 بچوں کے مطلب کہ چھ عدد بچوں کو مجھے اکیلی کو سنبھالنا ہے (ہاہاہا) او کے اب اجازت اللہ حافظ۔

☆ پیاری عاشی! اتنی مصروف زندگی سے کچھ پل آپ نے ہمارے لیے نکالے اچھا لگا اور آپ کو بہت بہت مبارک ہو آپ کے بھائی بھابی کے عمرے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی عبادات کو قبول فرمالیں آمین۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا آپی! ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی فروری کا آنچل اس دفعہ 29 تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل گرل کی مسکراہٹ زبردست تھی۔ در جواب آں سے ہوتے ہوئے دانش کدہ میں اپنے ایمان کو مضبوط سے مضبوط تر کیا۔ ہمارا آنچل میں ماریہ وحید کا تعارف اور انداز پسند آیا۔ ''بھیگی پلکوں پر'' پری ابھی پوری طرح آمادہ نظر نہیں آتی یقین آتے آتے ہی آئے گا شیری کی شادی عادلہ سے ہی ہونی چاہیے۔ صد شکر ماہ رخ کی جان احمر غفران سے چھوٹی اور دلربا اور احمر غفران اپنے انجام کو پہنچے۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں شہوار کا نکاح ہوتے ہی دماغ خراب ہوگیا ہے جو ابھی تک انمول محبت کو زحمت سمجھ رہی ہے لگتا ہے انا ولید سے رشتے جڑنے کے بعد ہی شک کی عینک اتارے گی۔ کاشفہ کو انا اور ولید کے درمیان نہ آنے دیجیے گا۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' میں فاطمہ کو انعام کی صورت میں عباس ملنا چاہیے جبکہ سکندر کو چاہیے کہ لاریب کے دو چار تھپڑ لگادے تاکہ دماغ کے کیڑے نکل جائیں۔ ''محبت ہو تو ایسی ہو'' میں واقعی فہد نے محبت کو امر کردیا بہت ہی متاثر کن کہانی تھی۔ ''روشنی کے پیامبر'' اور ''غلطی کا ازالہ'' شاہکار تحریریں تھیں۔ بیاض دل میں نادیہ عباس جیا، صبا نواز، مسز نگہت غفار، سائرہ اور طلعت نظامی کے اشعار پسند آئے۔ غزلوں میں ''ام ثمامہ، انا احب اور شائلہ قربان کی غزلیں دل میں گھر گئیں۔ یادگار لمحے میں مدیحہ کنول سرور، مہر گل، دلکش مریم نور سحر شاہ اور پروین افضل شاہین کے مراسلات اے ون رہے۔ ہم سے پوچھیے کے کھٹے میٹھے اور چٹ پٹے سوالات نے بے حد مزا دیا۔ اچھا اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

شاہ زندگی...... راولپنڈی۔ السلام علیکم! آنی کیا حال ہیں امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے تو آنچل کو سالگرہ مبارک اور جن کی بھی ہے ان سب کو سالگرہ کی مبارک باد۔ آنچل کی

ماڈل بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ نازیہ کنول نازی کم آن آجاؤ واپس، سمیرا جی پلیز انا اور ولید کی منگنی کے بجائے نکاح کروادیں پلیز، ام مریم ویلڈن کہانی زبردست جارہی ہے۔ بھیگی پلکوں پر، اقرا جی معاف کیجیے گا آپ کی کہانی کیا ہے مجھے سمجھ بالکل نہیں آتی، مجھے کیا بہت سے لوگوں کو سمجھ نہیں آتی شروع سے اسٹوری اچھی تھی لیکن اب...... خواب کے رنگ صائمہ قریشی یار یہ کیا لکھا ہے افسوس ہوا پڑھ کر ایک ٹانگ ادھر اور...... باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں یادگار لمحے میں مدیحہ کنول کا شکریہ۔ سیدہ علیشاہ، مہر گل، سلمیٰ ملک، رابعہ شاکر، ارم کمال، قراۃ، صائمہ، طیبہ شیریں، شازیہ فاروق، تارا شاہ، سونی ولی، آنٹی پروین کے یادگار لمحوں نے بہت سے لمحات یاد کروادیے باقی آنچل ابھی پڑھا نہیں آخر میں سب دوستوں کو سلام۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

زویا زہرہ...... پنڈی۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف، قارئین امید ہے آپ سب ٹھیک ہوں گے میری دعاؤں سے۔ آنچل 30 کو ملا ٹائٹل دیکھ کر مسکرائی۔ حمد و نعت پڑھ کر دل کو سکون پہنچانے کی کوشش کی پھر چلے دوستوں کے تعارف کی طرف۔ تعارف سب کے پسند آئے، ہمیں دوسروں کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔ بھیگی پلکوں پر بہت زبردست جارہا ہے پری طغرل کو ساتھ دیکھ کر خوشی ہوئی عادلہ کو شیری کے ساتھ رکھیں۔ عائزہ کی سزا ابھی ختم ہونی چاہیے ماہ رخ قید سے آزاد ہوگئی شکر ہے۔ مجھے ہے حکم اذاں، مریم بیسٹ بہت اچھے لاریب کا رویہ ٹھیک کردیں سکندر کے ساتھ اور ایمان کی طبیعت بھی اچھی کردیں بس۔ آئینہ میں سب کے تبصرے شاندار تھے۔ دوست کا پیغام آئے تو ہے ہی بیسٹ سب کو سلام۔

☆ زویا ڈیئر! آپ تفصیلی تبصرے کے ساتھ شرکت کرسکتی ہیں۔

منیبہ نواز...... صبور شریف۔ السلام علیکم! شہلا جی آپ کو اور تمام پڑھنے والوں کو سلام۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے شمارے کی طرف تو سب سے پہلے بات ہوجائے ٹائٹل کی جو کہ ذرا بھی دل کو پسند نہیں آیا۔ آئینہ میں اپنی شرکت نہ دیکھ کر دل کو پریشانی بھی ہوئی ہیں بیاض دل میں اپنی شرکت دیکھ کر خوشی بھی ہوئی۔ چلیں خیر ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ اب بات کرتے ہیں تھوڑے سے سلسلہ وار ناول کی ''بھیگی پلکوں پر'' میں پری کی تبدیلی اچھی لگی عادلہ کا بھی معاملہ ختم کریں پلیز اقرا جی اب۔ ''ٹوٹا ہوا تارہ'' میں انا اور ولید کی منگنی کا سن کر اچھا لگا شہوار اور مصطفیٰ میں شاید اب تھوڑی بہت انڈر اسٹینڈنگ ہو ہی جائے گی ویلڈن۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' بھی بہت اچھا جارہا ہے اسپیشلی سکندر کا کردار آج کے لیے بس اتنا اگلے ماہ تک کے لیے اجازت دیں اپنے چاہنے والوں کا بہت سا خیال رکھیں مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں آخر میں بنارس، شفق، طوبہ، مریم، نوشابہ، مشی، میمونہ، فروا، رمشا سب کو سلام اینڈ الحفیظ الامان۔

مسکان جاوید...... کوٹ سمابہ۔ شہلا آپی جی السلام علیکم! اس دفعہ آنچل نے بہت بہت انتظار کروایا۔ پہلے جو 25 تاریخ کو مل جاتا تھا اس دفعہ 30 تاریخ کو ملا۔ سب سے پہلے میں نے ام مریم کی کہانی (مجھے ہے حکم اذاں) پڑھی لاریب کے لیے اتنا ہی کہوں گی کہ سکندر کے ساتھ اپنا بی ہیو ٹھیک کرے۔ فاطمہ پر بہت ترس آتا ہے آپی ام مریم جی سے ریکوسٹ ہے کہ دین اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھا کریں۔ سمیرا شریف طور (ٹوٹا ہوا تارہ) میں انا اور ولید کے رشتے کی بات سن کر کہانی بہت اچھے موڑ پر آ گئی ہے انا کی جو غلط فہمیاں ہیں پلیز آپی دور کردیں اب عادلہ (عباس) کے ساتھ پتا نہیں کون سا کھیل کھیلتی ہے۔

عابدہ سبین کا افسانہ (محبت ہو تو ایسی ہو) بہت اچھا تھا۔ فوزیہ احسان رانا، صائمہ قریشی، سمیرا غزل صدیقی، رابعہ شاہین ان سب کی کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سمیرا شریف طور کی طرح (سمیرا تعبیر) آپ بھی مجھے بہت اچھی لگی۔ یادگار لمحے میں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ باقی تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح زبردست تھے آخر میں سب کے لیے میری دعائیں۔

سدرہ اسحاق...... لودھراں۔ تمام سنتے کانوں اور پڑھتی آنکھوں کو سدرہ کا سلام قبول ہو۔ امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے اور میری فکر مت کریں کیونکہ میں تو خیریت سے ہی ہوتی ہوں۔ کسی بھی رسالے یا ڈائجسٹ میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ اس دفعہ فروری کا آنچل 26 کو ملا سب سے پہلے ٹائٹل پر نگاہ پڑی، بہت پسند آیا۔ اس کے بعد ہمیشہ کی طرح سلسلے وار ناول ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی طرف گئی۔ سمیرا آپی آپ کا ناول بہت اچھا ہے ہر دفعہ یہ سوچ کر پڑھنا شروع کرتی ہوں کہ شاید شہوار اور ولید وغیرہ کے خاندان کا پتا چل سکے لیکن امید پر دنیا قائم ہے۔ ام مریم کا ناول ''مجھے ہے حکم اذاں'' بہت تیز اور اچھا جا رہا ہے۔ لاریب اپنے تمام نخروں کے ساتھ اچھی لگتی ہے آپی لاریب اور سکندر کو کبھی جدا مت کرنا۔ باقی سب اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ آنچل از بیسٹ ڈائجسٹ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

☆ سدرہ گڑیا، پہلی مرتبہ شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری شہلا عامر السلام علیکم! گزشتہ ماہ جنوری 2014ء میں میرے پاپا اس دنیا سے چلے گئے ہیں ہم سب اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس جانا ہے۔ اسی وجہ سے آنچل نہیں پڑھ سکی اس لیے تبصرے کی معذرت۔ آنچل بہنوں سے التماس ہے کہ وہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ میرے پاپا کو جنت میں جگہ عطا فرمائے اور ہم لواحقین کو صبر جمیل دے، آمین۔

☆ ڈیئر پروین، ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں رب تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔ قارئین سے بھی دعا کے ملتمس ہیں۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے فروری کا ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ تمام قسط وار کہانیوں میں ''مجھے ہے حکم اذاں'' کی قسط بہت زبردست تھی۔ سکندر پر ترس آتا ہے اور لاریب پر افسوس ہوتا ہے۔ اب ایمان کو بہت دیر تک کومے میں نہیں رکھیے گا۔ جلدی سے اسے صحت یاب کریں کہ شرجیل کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو چکا ہے اور سمعیہ کا نکاح شاید شرجیل ابراہیم سے کروا دے۔ فاطمہ کی بھی آزمائش اب ختم کر دیں۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی قسط بس ٹھیک تھی ولید کیا تک بنتی تھی کاشفہ کو بلانے کی انکار کر دیتا بھلا۔ ''بھیگی پلکوں پر'' ماہ رخ کے والدین اس دنیا میں نہیں رہے یہ جان کر افسوس ہوا اس نے والدین کا دل دکھایا اور معافی بھی نہ مانگ سکی۔ طغرل اور پری کی جلد شادی کروا دیں اب ان کی شادی کو کئی قسطوں تک مت لٹکائیے گا مکمل ناول صائمہ قریشی کا اچھا تھا۔ ''یقین ایک سرحد ہے'' تحریر بس ٹھیک تھی۔ افسانے سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے خاص کر محبت ہو تو ایسی ہو۔ بہت اچھا افسانہ تھا۔ غلطی کا ازالہ رابعہ شاہین نے بہت اچھا لکھا سمیر کو یہ تو پتا چلا کہ بے وفائی کیا ہوتی ہے۔ تعارف نبیلہ انجم کا پسند آیا۔ شعر تقریباً سبھی کے اچھے تھے۔ نظمیں ام ثمامہ اور سیدہ جیا عباس کی پسند آئیں۔ ''دوست کا پیغام آئے'' میں نادیہ کامران آپ

کا شکریہ لیکن اس بار تو اتنی سردی نہیں ہے بہر حال مجھے بھی سردی کا موسم پسند ہے اور ڈیئر ہم تو خود سے منسلک رشتوں کو مایوس نہیں کرتے ہاں یہ رشتے ہمیں اکثر مایوس کر دیتے ہیں ایقہ ملک دعا کا شکریہ۔ آپ بھی خوش رہیں۔ کرن ملک تعارف پسند کرنے کا شکریہ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

شمع مسکان...... جام پور۔ بہت پیاری شہلا آپی اینڈ قارئین و رائٹرز فرینڈز۔ السلام علیکم کیسی ہیں آپ سب یقیناً اس ماہ بھی آنچل کو انجوائے اور ہماری غیر موجودگی کو محسوس کیا ہوگا۔ اس ماہ آنچل خلاف معمول 28 تاریخ کو موصول ہوا۔ سرورق ماڈل ونٹر ویئر کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ سب سے پہلے ''حکیم خان حکیم'' کے قلم کی نوک سے نکلے قادر مطلق اور عالم دو جہاں کی تعریف بیان کرتے عقیدت کے موتیوں سے اپنے قلب و روح کو منور کیا پھر قیصر آنٹی کی سرگوشیاں پڑھیں۔ فہرست پر نظر ڈالتے ہوئے میں صفحہ نمبر 57 پر جا رہی تھی درمیان میں ''در جواب آں'' میں فرینڈز کے خطوط کے محبت بھرے جواب قیصر آنٹی دیتی نظر آئیں میرا ارادہ سیدھا اپنی تجویز کردہ منزل تک جانے کا تھا مگر ''ہمارا آنچل'' میں بہنوں کی پر شکوہ نظر خود پر مرکوز دیکھیں تو شرمندگی نے آ گھیرا اور چاروں کے تعارف اچھے تھے۔ آئینہ میں اپنا تبصرہ نہ ہونے کے باوجود ہر بہن کے تبصرے میں خود کو روشن پایا۔ آمنہ امداد، مہر گل، دعا گل آپ کے الفاظ مزاح سے بھرپور تھے کہ آپ نے میری اور اپنی دوستی کو صد بونڈ سے جوڑا ہے۔ آپ سے ریکویسٹ ہے کہ اپنی دوستی کو خلوص کی گاڑھی چاشنی بنا کر محبت سے ہمیشہ کے لیے زیست میں جوڑ لیں۔ طیبہ نذیر، کائنات عابد (فیصل آباد) تھینکس الاٹ میری باتیں پسند کرنے کے لیے۔ مدیحہ نورین آپ سب کا شکریہ مجھے یاد رکھنے کا اس کے بعد ''دوست کا پیغام آئے'' پر گئی جہاں میری فرینڈز نے مجھے یاد رکھا اپنے میسجز میں صبا نواز بھٹی یار مجھے معلوم نہیں تھا کہ اکتوبر میں آپ کی برتھ ڈے تھی میں اپنے پورے ''سویٹ دلوں والے'' گروپ کی جانب سے آپ کو ہیپی برتھ ڈے کہتی ہوں اور سوری بھی کرتی ہوں۔ یار کان ضرور پکڑتی مگر ہاتھ فارغ نہیں ہے ایک میں قلم اور دوسرے میں پیپر۔ قرۃ العین، صائمہ عنبرین، طیبہ نذیر دعاؤں کے لیے شکریہ۔ یادگار لمحے میں طیبہ نذیر کی توبہ اور طیبہ شیریں کی دعا بہت پسند آئیں۔ غزلیں نظمیں میں سیدہ جیا عباس اور راشد ترین کی شاعری نے متاثر کیا۔ ''بیاض دل'' میں منیبہ نواز، سائرہ، مدیحہ نورین، فصیحہ آصف خان، نادیہ عباس، کوثر اعجازی چوہدری، سمیرا غزل صدیقی کے انتخابات بیسٹ تھے۔ مستقل سلسلوں کے بعد میں تبصرہ کروں گی صائمہ قریشی کی تحریر خواب کے رنگ دھنک سے بہت پیاری تحریر تھی۔ ایک بات بتاؤں میں نے اس کی پہلی قسط پڑھی ہی نہیں تھی دوسری کے انتظار میں اور اب دونوں اکٹھی پڑھیں بہت مزہ آیا پڑھ کر اسپیشلی صفی اور ندا کی نوک جھونک سے بہت محظوظ ہوئی۔ اف کشش کا آئیڈیل کا تصور یہ باتیں حقیقتاً صرف رسالوں، ٹی وی تک ہی اچھی لگتی ہیں۔ حقیقت میں ہم سفر کا ایسا رویہ لڑکی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ''ہم سے پوچھیے'' میں اپنے سوال دیکھ کر خوشی ہوئی اچھا بھئی اب شمع مسکان کو اجازت دیں۔

☆ شمع ڈیئر، آپ کا تفصیلی تبصرہ پڑھ کر اچھا لگا کہ آپ ہر چیز کا کافی غور و خوض سے مطالعہ کرتی ہیں۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان، زندگی بھی دکھوں کا نام ہے سنا تو تھا مگر اس پر یقین ابھی کچھ دن پہلے آیا ہے۔ کزن کی شادی تھی مگر اس کی شادی کے روز بالکل بارات کے وقت بڑے چاچو کی

ڈیتھ ہوگئی۔ سب لوگ سکتے کی کیفیت میں تھے۔ پلیز سب قاری بہنوں سے درخواست ہے کہ ان کی مغفرت کی دعا مانگیں۔ ایسے ہی حالات میں آنچل نے آتے ہی ہمیں زندگی کے ہر رنگ کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ سرورق بہت پسند آیا۔ سرگوشیاں سننے کے لیے آنی کے قریب آئے تو وہ بھی اس ملک کے حالات کے بارے میں بتارہی تھیں۔ حمد ونعت کے بعد ہمیشہ کی طرح ٹوٹا ہوا تارہ پر قیام کیا۔ شہوار تمہیں جتنا مرضی سمجھالو مگر تم نے نہ سمجھنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ اب موبائل مصطفیٰ کے کمرے میں پھینکنا لازمی تھی' نجانے تمہیں کب عقل آئے گی؟ مصطفیٰ ڈیئر شہوار کی کسی بات پر کان نہیں دھرنا' ہمیشہ سکھی رہو گے۔ ولید صاحب آپ بھی سدھر جاؤ آپ میں بھی بہت سی خامیاں ہیں جنہیں جلد دور کرنا بہت ضروری ہے۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' عباس کی حالت بالکل متوقع ہے بعض رشتے ہوتے ہی ایسے ہیں جن کے بنا جینا محال ہوتا ہے۔ فاطمہ بس تمہیں خدا پر بھروسہ قائم رکھنا ہے یقیناً کامیاب ٹھہرو گی۔ شرجیل صاحب شکر ہے آپ کو بھی عقل آئی مگر آئی بہت دیر سے ہے۔ لاریب بی بی کیوں اپنی اور دوسروں کی دشمن بنی ہوئی ہو۔ سکندر جتنا ڈرو گے وہ ڈراتی چلی جائے گی۔ دل کا اتنا بھی فرمانبردار نہیں ہونا چاہیے۔ تیسرا سلسلے وار ناول ''بھیگی پلکوں پر'' ادھر بھی عادلہ بی بی گل کھلا رہی ہیں۔ شیری بھی ایک الگ ہی کردار ہے۔ نفرت ہے کہ بڑھتی جارہی ہے عائزہ کی سزا اب کم ہوجانی چاہیے۔ طغرل صاحب عجیب جذباتی بندے ہو کبھی تو اپنے جذبات پر قابو رکھا کرو۔ اب بات کروں گی صائمہ قریشی کے ناول ''خواب کے رنگ دھنک سے'' اچھا ناول تھا ہمارے اندازے کے عین مطابق مشعل سے ٹکرانے والی دیوار میر سب ثابت ہوا۔ میر سب اچھا کردار تھا۔ مشعل بھی اچھی تھی۔ صفی صاحب نجانے کیوں مجھے آپ کا بات بات پر گانا گانے کی عادت اچھی نہیں لگی۔ دوسری کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ اب بات کروں گی مستقل سلسلوں کی ہمارا آنچل مدیحہ کنول' اب جب بھی چھت پر بیٹھ کر کینو کھانا مجھے ضرور یاد کرنا۔ نبیلہ انجم ڈیئر مجھے حافظ قرآن لوگ بہت اچھے لگتے ہیں تمہیں پڑھ کر بھی خوشی ہوئی شہلا راؤ یہ تم نے دوستوں سے پیچھے ہٹنے کی عادت کہاں سے اپنالی۔ خدا تمہارا انجینئر بننے کا خواب پورا کرے آمین۔ ماریہ وحید میں بھی پہلے بھوک ہڑتال کیا کرتی تھی مگر اب نہیں۔ (عقل جو آگئی ہے) ''بیاض دل'' رابعہ مبارک' صوفیہ خان' طیبہ عبید آپ نے اچھا لکھا۔ نظمیں' غزلیں ام ثمامہ مسز نگہت غفار' شمائلہ قربان' سیدہ جیا عباس کاظمی کی کاوش پسند آئی۔ آئینہ میں تبصرہ کرنے والوں کا شکریہ۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ خدا حافظ بالخصوص اس دعا کے ساتھ کہ خدا پاک اس ملک پر رحمت نازل کرے' آمین۔

پیاری فائزہ اللہ تعالیٰ آپ کے گھر والوں کو صبر واستقامت عطا فرمائے' آمین

فوزیہ سطانہ...... تونسہ شریف۔ السلام علیکم! آنچل والیوں کیا حال ہیں۔ اس بار آنچل 28 تاریخ کو ملا ٹائٹل مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔ سرگوشیوں سے مستفید ہوکر آگے بڑھے تو ''ہمارا آنچل'' میں مدیحہ کنول اور نبیلہ انجم کے تعارف متاثر کن لگے۔ اس کے بعد کہانیوں کی طرف بڑھے۔ ''بھیگی پلکوں پر'' مائی گاڈ یہ پری کو کیا ہوگیا ہے ویسے اس کی سوچ ٹھیک تھی۔ ماہ رخ کو کڑی سزا ملی ہے اب خدا کرے کہ اعوان برا نہ نکلے ''ٹوٹا ہوا تارا'' بہت بہت اچھی اسٹوری ہے مجھے انا بہت اچھی لگتی ہے۔ انا اور ولید والا پارٹ زیادہ دیا کریں۔ سمیرا آپی ہماری دعائیں رنگ لائی ہیں اور آپ کو سمعان احمد مل گیا۔ انا کو ولید سے ہرگز جدا مت کرنا اور یہ

کاشفہ اسے تو دل کرتا ہے بندہ اس کا گلہ دبا دے چیپ گرل۔ اس کے بعد ہم چلے ''حکم اذاں'' کی طرف مائی گاڈ ام مریم کیا شاہکار ناول لکھا ہے آپ نے اور کبھی کبھی فاطمہ میں مجھے ''مصحف'' کی محمل نظر آتی ہے۔ لاریب پر غصہ اور ترس بیک وقت آتا ہے اور ہاں سکندر کون ہے مائی گاڈ کافی سسپنس پھیلا ہوا ہے کہانی میں۔ ایمان کو ٹھیک کردیں اور ہاں عباس کو پاگل تو نہ بنائیں پلیز۔ ویسے بہت عجیب لگتا ہے ناجب ہم یہ کہتے ہیں رائٹرز سے کہ محترمہ خدا کے لیے فلاں کو ٹھیک کردیں۔ جبکہ ٹھیک تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ''خواب کے رنگ دھنک سے'' بہت ہی زبردست ناول تھا۔ بہت پسند آیا مجھے تو کشش بہت معصوم اور بہت کیوٹ لگتی تھی۔ پلیز نازی آپی آپ بھی انٹری دیں جلد آئی مس یو باقی تمام آنچل بیسٹ تھا۔ اس ماہ کے لیے اتنا ہی اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

حافظہ سمیرا...... 157 این بی۔ السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین کو محبتوں بھرا سلام۔ اس بار آنچل 28 کو ہی مل گیا تو ہم نے سوچا کہ کیوں نہ اس بار آئینے میں اپنی شکل دیکھی جائے سو جھٹ سے قلم اٹھایا اور بیٹھ گئے لکھنے۔ ٹائٹل سرسری سا دیکھ کر قیصر آرا کی سرگوشیاں پڑھیں۔ پھر چھلانگ لگا کر ٹوٹا ہوا تارا پر پہنچے۔ سمیرا جی پلیز انا کو تھوڑی سی ہمت دے دیں ولید سے اظہار کرنے کی اور شہوار کو تھوڑی سی عقل دے دیں مصطفیٰ کو سمجھنے کی۔ صائمہ قریشی آپ کی کشش بالکل میرے جیسی ہے سڑیل ہیرو کو پسند کرنے والی اقرا آپی اگلی قسط کا بڑی شدت سے انتظار ہے دیکھو پری کیا کرتی ہے نئی کوپل رابعہ شاہین آپ نے بڑی عمدگی سے غلطی کا ازالہ کیا ہے ''مجھے ہے حکم اذاں'' ام مریم پلیز لاریب کو کچھ تو سدھار دیں عباس کو زندگی کے لیے ٹھیک کردیں۔ شرجیل کو برا نہ بنانا اور اس کی تائی اماں کو بہت بری سزا دینا۔ ''یقین ایک سرحد ہے'' بھی اچھی رہی غرض تمام ناول افسانے بیسٹ تھے۔ بیاض دل میں علمہ' فریحہ اور دلکش کے شعر اچھے لگے مدیحہ' نبیلہ اور ماریہ سے مل کر بہت اچھا لگا آئینے میں سب کے تبصرے اچھے لگے۔ مجموعی طور پر اس ماہ کا آنچل زبردست تھا اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

فرخندہ فیض...... گجرات۔ السلام علیکم شہلا آپی آنچل اسٹاف ریڈرز اور رائٹرز سب کیسے ہیں؟ آئینہ میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی آنچل 26 کو مل گیا۔ ٹائٹل بہت بہت پسند آیا۔ حمد ونعت کے بعد درجواب آں قیصر آپی نے بہت محبت سے سب کو جواب دیے۔ اس دفعہ ہر سلسلے وار کہانی زبردست جارہی ہے۔ سمیرا شریف طور زبردست یار بہت اچھا لکھتی ہو۔ میں تو تمہاری فین ہوگئی ہوں۔ باقی مکمل ناول ''یقین ایک سرحد ہے'' خواب کے رنگ دھنک سے بھی بہت اچھے تھے۔ ناولٹ اور افسانے بھی کمال کے تھے۔ باقی سلسلے بھی اچھے تھے۔

☆ پیاری گڑیا' پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید۔

شفاعت بتول نین تارا...... جام پور۔ السلام علیکم! تمام آنچل قارئین اور اچھی سی شہلا آپی! اس ماہ کا آنچل زبردست رہا میری سب سے فیورٹ کہانی ''بھیگی پلکوں پر'' ہے پری اور طغرل کا کپل بہت اچھا ہے لیکن پری کو ایک کنفیوزڈ انسان کے طور پر بتایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی ماما پاپا اور دادی کتنا پیار کرتے ہیں باقی سلسلے بھی بہت اچھے تھے لیکن مجھے ''یادگار لمحے'' والا سلسلہ بہت اچھا لگتا ہے۔ میں دسویں جماعت میں پڑھتی

ہوں میں نے نویں جماعت سے آنچل پڑھنا شروع کیا جو اقساط سلسلہ وار ناول کی نہیں پڑھی تھیں وہ بھی امی کی لائبریری میں سے پرانے آنچل ڈھونڈ کر پڑھیں میں پرانے آنچل بھی پڑھتی ہوں اگر میں "ہمارا آنچل" میں اپنا تعارف لکھوں تو کیا آپ شائع کریں گی۔ پلیز آپ انٹرویو والا سلسلہ بھی شروع کریں اس کے ساتھ ہی ہمیں اجازت دیں اللہ آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمائے آمین۔

☆ ڈیئر تارا! آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں۔ آپ باقی تحریروں پر بھی تبصرہ لکھیں اور اپنی نگارشات بھجوا سکتی ہیں۔

فضہ ہاشمی...... پاک پتن شریف۔ السلام علیکم! اللہ سے دعا ہے کہ یہ وطن اور اس کے بسنے والے بحق محمد وآل محمد ہمیشہ خوش وخرم اور سدا شاد وآباد رہیں، آمین۔ اس بار مجھے جس چیز نے خط لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ صاحبہ "یقین ایک سرحد ہے" ناول ہے۔ اتنی پیاری اور دل کو چھو لینے والی تحریر تھی یوں لگ رہا تھا جیسے ہم کوئی افسانہ نہیں بلکہ خود زندگی کو پڑھ رہے ہوں ہر کردار سچا اور بالخصوص تحریم کی خالہ کردار۔ بظاہر سخت و کرخت لیکن اندر ہی اندر نرم دل اور اندر ہی اندر سلگنے والی۔ زید بھی اتنا ہی بدتمیز قسم کا جیسی کھردری خالہ اتنا ہی کھردرا وہ یقین جانیے مجھے ناول نے اتنا مزہ دیا کہ اس کی تعریف میرے الفاظ سے ٹپک رہی ہوگی میں انہیں مبارک باد دیتی ہوں۔ دوسری چیز یہ کہ مجھے ام مریم کو مشورہ دینا تھا کہ صالحہ جیسی کٹنی لڑکی کے ساتھ ہرگز ہرگز بھی شادی نہیں کروانی شرجیل کی اس سے بہتر تو سمیعہ ہے مگر اس کے والدین کو تو میرا جی چاہ رہا تھا کہ دونوں کو پکڑ کر خوب پھینٹی لگاؤں جو دوسروں کی آنکھوں سے دیکھتے اور دوسروں کے کانوں سے ہی سنتے ہیں۔ شرجیل کی شادی صرف اور صرف ایمان کے بعد اگر ہو سکتی ہے تو سمیعہ کے ساتھ اور ہاں تایا اور تائی اماں کے تو خوب کس بل نکالنے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو بھی سبق ملے اور خود انہیں بھی۔ مرچ مصالحے والے کردار لاریب اور سکندر کا ہے۔ جن میں سب سے زیادہ جان ہے میرا مشورہ ضرور پہنچایئے گا ام مریم جی کو۔ سلمیٰ غزل صاحب کا "ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا" اپنے نام کے برعکس تھوڑا سا ڈھیلا نکلا کیونکہ موضوع انتہائی جاندار تھا اس پر غالب کے شعر کو عنوان بنایا لیکن مرزا جیسی زندہ دلی اور بذلہ سنجی کو چھو نہ سکا۔ بہر حال ان کا اپنا طرز تحریر ہے جو ان کی پہچان ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں شہوار کی ماں کا راز بھی اب کھول دیں تاکہ گرہ کھل سکے ہمارے دماغوں کی۔ بھیگی پلکوں پر اقرأ صغیر احمد کے دھیمے دھیمے مخصوص انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ شکر ہے پری بھی تھوڑی ایگری ہوئی۔ نئی کونپلیں میں "غلطی کا ازالہ" بھی اچھا تھا "روشنی کے پیامبر" بھی انتہائی اچھی کہانی تھی جس میں رشوت سے گریز اور اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کا سبق دیا ہے۔ "خواب کے رنگ دھنک سے" صائمہ قریشی کا ایک ہلکی پھلکی تحریر تھی عام گھروں کی کہانی جس میں کچھ روٹھ جاتے ہیں اور کسی ایک بندے کی کاوش سے مان جاتے ہیں۔ اس بار تو میں نے رسالے میں ایک لفظ تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ ڈش مقابلہ میں ساری ڈشیں پڑھ لیں حالانکہ مجھے کچن کی الف ب سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے بھیا طاہر بھائی اور انکل صاحب مشتاق قریشی کی خدمت میں بھی سلام وآداب۔

☆ فضہ ڈیئر! آپ کے پچھلے دو خطوط ہمیں موصول نہیں ہوئے تو شامل کیسے کرتے۔ آپ کی تنقید ہمیں ہرگز گراں نہیں گزرتی۔

آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات۔ السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف ریڈرز اور رائٹرز کو کیا حال ہیں شہلا آپی اس دفعہ آنچل نے انتظار کی سولی پر لٹکا دیا تھا۔ پھر 30 کو دیدار کروا ہی دیا۔ سرورق کی دوشیزہ کچھ خاص متاثر نہیں کرسکی۔ فوراً سے بیشتر آئینہ میں پہنچے پر وہاں اپنا عکس عینک لگا کر ڈھونڈا تو نہیں ملا۔ خیر اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں باقی تبصرے سب کے بہت اچھے تھے۔ ام مریم کے ساتھ سکندر کی شادی کی تقریب میں قدم رنجہ فرمائی لیکن لاریب کے رویے نے دل توڑ کر دکھ دیا آخر اسے غرور کس بات کا ہے۔ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ شہوار کے ساتھ ملاقات کا سوچا پر وہاں بھی دل کو کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی سمیرا جی اب شہوار پر اس کا ماضی کھول دیں۔ کچھ کچھ تو کھل ہی گیا اور آپس کی بات ہے ولید کے ابا جان کو انا کی آنکھوں میں محبت نظر آ گئی پر ولید کو نظر نہیں آئی لیکن ولی کا منگنی کا فیصلہ کچھ اچھا لگا۔ ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں سے ملاقات اچھی لگی۔ بیاض دل اس دفعہ کمال کا تھا یادگار لمحے سب کے یادگار تھے۔ باقی آنچل زیر مطالعہ ہے اگر پڑھنے بیٹھ جاتی نا تو شاید آپ سب سے ملاقات نہ ہو پاتی۔ خدا آنچل کو بہت زیادہ ترقی دے اور کامیابی اس کے قدم چومے آمین خدا سب کو اپنی حفاظت میں رکھے آمین، حیات باقی ملاقات باقی۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ آداب عرض ہے آپی جان اور سب پڑھنے والے کیسے ہیں امید ہے ٹھیک ہوں گے فروری کا ٹائٹل اچھا تھا ماڈل بھی نائس تھی۔ میر سب اور کشش کو ایک کردیا بہت اچھا کیا۔ کشش کا آئیڈیل اسے مل گیا اور صفی کی شوخیاں اور ندا کی جھجک دل کو بھائی ویری گڈ "محبت ہو تو ایسی ہو" عابدہ سبین بہت اچھا لکھا آپ نے بھی۔ رمشاء نور، شمائلہ رانی کے اشعار پسند آئے۔ جیا آپی اور نوشین کی شاعری گڈ تھی۔ سوئٹ انا احب بہت بہت مبارک ہو مطرب کی اور اللہ آپ کو مطرب کی ڈھیروں خوشیاں دکھائے۔ نادیہ کامران، نوشین اقبال، طیبہ نذیر اور باقی تمام پڑھنے والوں کو بہت بہت سلام۔ دعاؤں کے ساتھ اللہ ہمارے ملک کو تمام مشکلات سے بچائے اور امن وسکون کا گہوارہ بنائے آمین، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ۔

نامعلوم...... نامعلوم۔ السلام علیکم! شہلا آپی اور آنچل اسٹاف امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ آپی میں آنچل کی مستقل قاری ہوں، آنچل بہت اچھا رسالہ ہے۔ میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں۔ اس بار ٹائٹل بہت اچھا تھا اور تمام اسٹوریز بھی لاجواب تھیں۔ ام مریم جی لگتا ہے کہ لاریب بہت تنگ کرے گی سکندر کو اس کو جلدی عقل دلائیں اور ایمان کی مشکلات بھی اب شاید کم ہوں۔ فاطمہ کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں سمجھوتا کرنا پڑے گا اسے لیکن عباس ملنا چاہیے اسے۔ اقرأ آپی آپ تو اسٹوری بڑھایئے پری کو کچھ احساس ہوا ہے کہانی کو تھوڑا اور تیز کریں۔ ٹوٹا ہوا تارا اچھا جارہا ہے۔ مگر انا کی حالت ولید کو بتا ہی دیں۔ باقی رسالہ بھی اچھا تھا، اللہ حافظ۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن پاکستان کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنادے اور ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین۔

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر

س: سنا ہے کہ جو مرد گنجے ہوتے ہیں وہ بہت دولت مند ہوتے ہیں میری اکثر دوستوں کے میاں گنجے ہیں اور میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین گنجے نہیں ہیں کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ وہ گنجے ہوجائیں اور ہم بھی امیر ہوجائیں؟

ج: آپ سوتے میں ان کی حجامت کردیں۔

س: زنجیر کون سی پائیدار ہوتی ہے جرمن کی گولڈ کی یا پیار کی؟

ج: سب سے پائیدار چائنا کی ہوتی ہے۔

عشرت سید...... حیدر آباد، سندھ

س: جب برستی آنکھوں سے خواب بہنے لگے تو توپوں کا رخ (ارے سمجھیں نا نگاہوں کا رخ) کدھر ہوگا؟

ج: آپ ہی کے طرف ناں......

س: آپی سب کہتے ہیں آئینہ انسان کو خوب صورت بناتا ہے مگر میں کہتی ہوں حقیقت۔ آپ کیا کہیں گی؟

ج: خوب صورتی دیکھنے والے کی نظر میں ہوتی ہے۔

س: 23 جنوری کو میرا برتھ ڈے تھا آپ نے مجھے وش نہیں کیا۔

ج: کتنی زور زور سے پکارا تھا پر آپ نے تو سنا ہی نہیں ناں......

عظمیٰ فرید خان...... ڈی آئی خان

س: آپی زن مرید کہاں پائے جاتے ہیں؟

ج: اپنا پلو جھاڑوں ناں بس......

س: آپی وہ ڈبل صوفے پر کسی کے اٹکنے بلکہ لٹکنے کی گنجائش ختم کرکے بیٹھتی ہیں، کیا کروں؟

ج: آپ بھی مقابلے میں آجاؤ بس۔

س: آپی سچ سچ بتائیں کہ ہم دونوں میں زیادہ کون خوب صورت ہے؟

ج: آپ...... چلیں اب دل رکھنے کے لیے شکریہ ہی کہہ دیں۔

س: اوکے جی اللہ حافظ۔

ج: خوش رہو، اللہ حافظ۔

ماہ رخ سیال...... سرگودھا

س: سنا ہے آپی آپ مجھ سے ملنے آرہی تھی مگر بارش میں......

ج: جی بس راستے میں وہ مل گئے تو ہم......

س: آپی جب تکلیف برداشت سے باہر ہوجائے تو کیا کریں؟

ج: برداشت کو دیوار پر ماردیں۔

س: آپی سنا ہے کہ گدھے کے سر پر سینگ ہوتے ہیں مگر مجھے دکھائی نہیں دیتے۔

ج: اس کے لیے آئینہ رکھوانے آگئے۔

طیبہ تنیر...... شادیوال گجرات

س: آداب عرض کرتی ہوں آپی جان کیا حال ہیں؟

ج: ہم تو ٹھیک ہے اپنی سناؤ۔

س: کبھی جو بادل برسے میں دیکھوں تجھے آنکھیں بھر کر لگے تو مجھے پہلی بارش کی دعا؟

ج: آہم...... کہیں وہ آنکھیں دیکھ کر بے ہوش نا ہو جائے۔

س: زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ج: آپ کے لیے تو بس کھانا، کھانا اور مزید کھانا ہی زندگی کا مقصد ہے۔

س: جن کو ہم دیکھنا نہیں چاہتے وہی لوگ کیوں نظر آتے ہیں؟

ج: عینک تبدیل کرلو۔

س: پوری دنیا میں انسان ہی کیوں ہے، جن کو ہم سمجھ نہیں پاتے؟

ج: تمہارے پاس عقل سلیم ہوتی تو سمجھ پاتیں ناں۔

ہما شیراز

س: شعر کا جواب شعر میں دیں۔

خود کو کر بلند اتنا کہ میں کوٹھے پر چڑھ جاواں
خدا بندے سے خود پوچھے اتر جا سیں کہ میں آواں

ج: شاعر مشرق کی شاعری سے مذاق، بری بات ہما شیراز۔

س: شمائلہ جی اب آپ کے جواب پہلے کی طرح کرارے کیوں نہیں رہے میرا مشورہ مانیے تو ناشتے میں 10 عدد ریڈ چلی کھایا کیجیے سب کچھ ایک دم کرارا ہوجائے گا۔

ج: کرارہ یا کباڑہ؟

س: اور اب آخری سوال آپ کے متعلق ہی کہ یہ آپ کے بالوں میں وائٹ وائٹ کیا نظر آرہا ہے، جواب ضرور دیجیے گا۔

ج: ہر وقت شیشے کے آگے کھڑے رہنا اچھا نہیں ہوتا۔

شازیہ فاروق احمد...... خان بیلہ

س: شمائلہ جی سنا ہے پچھلے ماہ "ہم سے پوچھیے" میں کچھ کمی سی تھی کہیں وہ کمی میری غیر حاضری کی تو نہیں تھی؟

ج: خوش فہمی تو ملاحظہ کیجیے ذرا۔

س: شمائلہ جی عقل کے اندھے کونسا چشمہ استعمال کرتے ہیں؟

ج: آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر دیکھ لو۔

س: شمائلہ جی آپ کے کالم میں آپ کے جوابات بہت اچھے ہوتے ہیں ویسے ہی جیسے......؟

ج: موسم سرما کی دھوپ۔

س: شمائلہ جی بہار کی آمد پر آپ یوں کھل سی گئی ہیں۔ ویسے پھول کون سا پسند ہے آپ کو؟

ج: جناب پھول سب ہی پیارے ہوتے ہیں۔

مدیحہ ناز شفیع...... بوری والہ

س: شمائل آنی پہلی بار شرکت کررہی ہوں خوش آمدید کہیں گی؟

ج: خوش آمدید جناب۔

س: سویٹ آنی مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں؟

ج: آپ کا حسن نظر ہے یہ تو......

س: محبت میں ہمیشہ سوئی کیوں ملتی ہے؟

ج: جب ایسے کام کروگی تو ایسا ہی انجام ہوگا نا۔

سنیاں زرگر...... جوڑہ

س: آپی جی بلی اپنے بچوں کو سات گھر کیوں گھماتی ہے انسان کیوں نہیں گھماتے؟

ج: ہم مستقبل قریب میں یہ شوق بھی پورا کرلینا۔

س: آپی بندر زیادہ کیلے کیوں کھاتے ہیں اور ساتھ میں جوئیں بھی۔

ج: تمہیں ان کے کیلے کھانے پر اعتراض یا اکیلے کھانے پر؟

س: آپی میری جو چھوٹی بہن ہے نا وہ میری کوئی بات نہیں مانتی میں ایسا کیا کروں کہ وہ میری ہر بات مانے؟

ج: وہ بے وقوف تھوڑی ہے جو تمہاری ہر بات مانے۔

س: اوکے آپی جی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں خدا حافظ۔

ج: سدا خوش رہو۔

نفیسہ بنت حبیب...... لودھراں

س: آداب عرض آپی سچ بتایئے میرا پہلی دفعہ آنا کیسا لگا؟

ج: آداب عرض ہے، خالی ہاتھ آئی ہو تو جیسا لگ سکتا ہے نا......

س: آئی ہوں مشاعرہ پڑھنے دوستوں ہو تم پر سلام
بہت وقت گزر گیا، ہے کوئی چائے کا انتظام

ج: نہ چائے نہ پانی ہے فقط جوتوں کا انتظام ہے
ہے یہی سوغات چاہے منسٹر ہو یا کوئی غلام

س: آپی بھلا بتایئے تو آخر یہ بجلی جاتی کہاں ہے؟

ج: کیوں بتایئے اگر تم وہاں پہنچ گئی اور......

عائشہ پرویز...... کراچی

س: کھٹ کھٹ...... السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتی ہوں؟

ج: وعلیکم السلام آجایئے مادام۔

س: آپی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، ساتھ میں کشمیری چائے کا مزہ ہو اور......؟

ج: اور پھر آپ کا خواب ٹوٹ جائے ساس کی چپل سے۔

س: نہ وہ ڈاکٹر ہیں نہ انجینئر ہیں نہ وکیل ہیں وہ تو بس......؟

ج: تمہارے شوہر اور تمہارے کفیل ہیں۔

س: کوئی آئے...... مجھے دیکھے پھر مسکرائے اور کہے بھلا کیا؟

ج: کبھی منہ بھی دھولیا کرو۔

س: آپی آنسو دینے والا دل کے قریب ہوتا ہے یا آنسو پونچھنے والا؟

ج: آنسو دینے والی پیاز اور پونچھنے والے ٹشو پیپر، ان میں سے کون تمہارے دل کے قریب ہے تم ہی جانو۔

س: دل ہے کہ مانتا نہیں؟

ج: دل تو پاگل ہے۔

ثانیہ مغل، اقرا وکیل...... سر گودھا

س: شمائلہ آپی! ہمیں آپ کے پچھلے جوابات کافی بور لگے۔

ج: کیونکہ آپ کے سوالات جو نہیں تھے۔

س: آج کل آنچل پڑھنے کا ٹائم نہیں مل رہا کیا کریں۔

ج: کیوں جناب سارا دن سوتی ہو کیا؟

س: پیپر سر پر ہیں تیاری کچھ نہیں کیا کریں؟

ج: اچھا جی تو...... سر کے بال کدھر گئے۔

س: آپ کہتی ہیں ہم سے پوچھئے ہم نے پوچھا جواب دیں۔

ج: اگر آپ کو صاف جواب دے دیا تو شرکت کیسے کروں گی۔

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

س: شمائل آپی آداب عرض ہے جواب فرض ہے۔

ج: سلام حاضر جواب حاضر۔

س: شمائل جی آج ایک کام کردو اور مجھ سے دعائیں لو پروین افضل شاہین، مدیحہ نورین اور شاہ زندگی کو سلام کہہ دیجیے کہہ دیں گی نا؟

ج: آپ سب پر سلامتی ہو۔

س: سردی بہت ہے گلا خراب ہے میں رو رہی ہوں بھلا کیوں؟

ج: ڈاکٹر نے انجیکشن جو لگا دیا ہوگا۔

س: شمائل کبھی کبھی تو میں آپ کی حاضر جوابی پر حیران رہ جاتی ہوں یوں ایک دم نٹ کھٹ سا جواب کہاں سے سوجھتا ہے آپ کو؟

ج: تو ہم آپ کے مزاج کی پہچان بن گئے۔

س: ہم بھول گئے ہر بات مگر......؟

ج: مگر اماں کی ڈنڈے سے مار نہیں بھولے اوئی اماں......

س: چلو آپ پر احسان عظیم کیا، ہم نے اپنا سوالنامہ بند کیا اب کوئی دعا دوا اچھی سی خدا حافظ۔

ج: ہمیشہ خوش رہو۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

س: روٹھے روٹھے سے ہیں سرکار آخر کیوں؟

ج: روٹھیں نہ بات بات پر کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

س: آج کل آپ ہمیں محفل میں جگہ کیوں نہیں دیتیں؟

ج: آپ دوسری جگہ جو مصروف ہوتی ہیں۔

س: مرغ اذان دیتا ہے مرغی کیوں نہیں؟

ج: اگر مرغی نے اذان دینی شروع کردی تو آپ ناشتہ کیسے کروں گی سوچ لو۔

س: گھر کی مرغی دال برابر کیوں بھلا؟

ج: سارے سوال مرغیوں سے متعلقہ پولٹری فارم ہے کیا؟

آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

محمد علی راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ بچپن کی غلطیوں کی وجہ سے بہت کمزور ہوگیا ہوں اس کا علاج بتائیں۔

محترم آپ AGNUSCAST 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

طیبہ افضل چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے بڑے بھائی کی ایڑی میں درد ہے چھوٹے بھائی کو قبض اور سر درد کی شکایت ہے۔

محترمہ آپ بڑے بھائی کو CYCLEMEN 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور چھوٹے بھائی کو NUXVOM 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ دیں انشاء اللہ صحت یاب ہوں گے۔

نادیہ عباس موسیٰ خیل سے لکھتی ہیں کہ میرے بال دومنہ کے ہیں اور بڑھتے نہیں ہیں دوسرے میرے چہرے پر بال ہیں اور قد چھوٹا ہے۔

محترمہ آپ 1500 روپے منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر کردیں آپ کو HAIR GROWER اور APHRODITE گھر پہنچ جائے گا قد بڑھانے کی دوا آنچل میں اکثر لکھی ہوتی ہے ہومیو پیتھک اسٹور سے حاصل کرلیں۔

آ۔ ج ڈنگہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان الرحم کی پرانی شکایت ہے دوسرا مسئلہ میرے بھائی کے بیٹے کو ہرنیہ ہے۔

محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ہرنیہ کا آپریشن کرالیں دوا سے علاج نہیں ہوتا۔

مسز علی ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرے دو بچے ہیں کچھ کھاتے پیتے نہیں میرا مسئلہ سیلان الرحم کا ہے اور نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے خاوند کے بال گرتے جارہے ہیں گنج پن ہوگیا ہے۔

محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں بچوں کو BARIUMCARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں خاوند کے لیے میرے کلینک کے نام پتے پر 600 روپے کا منی آرڈر کردیں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

عائشہ ممتاز لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بلیک ہیڈز اور دھبے ہیں، بہت علاج کرایا ٹھیک نہیں ہوتے۔

محترمہ آپ GRAPHITE 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ماہم یاسین خاں چندنیاں سے لکھتے ہیں کہ میرا وزن 70 کلو ہے چہرے پر دانے نکلتے ہیں نشان چھوڑ جاتے ہیں چھوٹی بہن کا حافظہ کمزور ہے۔

محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام لیں اور PHYTOLACCA Q کے دس قطرے دوپہر اور رات کو لیں۔ بہن کو KALIPHOS 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ دیں۔

ملائکہ اقبال فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے کولہوں کے جوڑ درد کرتے ہیں بہن کے چہرے پر دانے نکلتے ہیں اور نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

محترمہ آپ RHUSTOX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیا کریں اور بہن کو GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ دیں۔

صبا رحمان نوشہرہ سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے۔ کوئی دوا بتائیں بہن کے ہاتھ پیر سانولے ہیں۔

محترمہ آپ CALCPHOS 6X کی چار
گولی تین وقت روزانہ لیں اور BARIUM
CARB 30 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن لیں
تین ماہ پورے کرلیں۔
بہن کو JODUM-1000 کے پانچ قطرے
پندرہ دن میں ایک بار دیں 6 ماہ مکمل کرلیں۔

گڑیا رانی شہزاد پور سے لکھتی ہیں کہ مجھے معدہ کا
مسئلہ ہے ہر وقت گیس تیزابیت بہت رہتی ہے۔ ڈسٹ
الرجی بھی ہوتی ہے ناک کا گوشت بڑھا ہوا ہے۔

محترمہ آپ TEUCRIUM 3X کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام لیں اور دوپہر
رات کو NUXUM30 کے پانچ قطرے لیں۔

احمد علی خان پور سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے
بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ STAPHISGARIA 30 کے
پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں امی کو HYPARICUM 30
کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ دیں۔

مس فائقہ اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے
کہ میرے دانتوں میں درد رہتا ہے کیڑا بھی ہے سامنے
والے دانت ٹوٹتے جارہے ہیں۔

محترمہ آپ KRESOT-30 کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

پاکیزہ طیب ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ کانوں میں
سوزش ہے قد چھوٹا ہے اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

محترمہ آپ CALC PHOS 6X کی چار
گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور
BRIUMCARB 200 کے پانچ قطرے آدھا
کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں۔ کان
کا علاج ڈاکٹر سے کرائیں۔

سراج اللہ بھٹی لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرے خاص
مسئلہ کے لیے آپ نے ACID PHOS 3X
تجویز کی تھی استعمال کر رہا ہوں خاص فائدہ نہیں ہے اور
کیا میں HAIR GROWER استعمال کرسکتا
ہوں بیٹے کے لیے ہیئر گروور منگوائی تھی اس کے بالوں
کو بہت فائدہ ہے۔

محترم آپ SELENIUM 30 کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا
کریں آپ بھی ہیئر گروور استعمال کرسکتے ہیں۔

صفیہ عباس ضلع لیہ سے لکھتی ہیں کہ میں اکثر آپ
کے مشوروں سے مستفید ہوتی رہتی ہوں میرے
چہرے پر چھائیاں ہیں بال بھی سفید ہوگئے ہیں ہیئر
گروور سے فائدہ نہیں ہوا۔

محترمہ آپ چھائیوں کے لیے BERBARIS
AQUIF Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں
ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ HAIR
GROWER کے استعمال سے بال سفید ہونا رک
جاتے ہیں جو سفید ہوچکے وہ کالے نہیں ہوتے۔

صائمہ بتول مظفر پور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ
ہے کہ مجھے بلغم بہت آتا ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ سانس کی
نالیوں میں بلغم جم گیا ہے۔

محترمہ آپ KALIBICH 30 کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

مسز احسن لالہ موسیٰ سے لکھتی ہیں کہ بچوں کی
پیدائش کے بعد پیٹ اور بریسٹ لٹک گئے ہیں وزن
بڑھ گیا ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACC-Q کے دس
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا
کریں اور مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک
کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ بریسٹ بیوٹی آپ کے
گھر پہنچ جائے گا۔

ریحانہ شورکوٹ سے لکھتی ہیں کہ نزلہ ہمیشہ سے رہتا
ہے صبح کے وقت بہت چھینکیں آتی ہیں۔ ماہانہ نظام کی
خرابی ہے صرف ایک دن جاری ہوتا ہے۔

محترمہ آپ POTHOS 3X کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام پیا کریں
اور PULSATILLA 30 کے پانچ قطرے
دوپہر اور رات کو پیا کریں۔

حمیرہ بشیر چنیوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا چہرہ بہت
دبلا پتلا ہے اور پیٹ باہر نکل رہا ہے چکر سر درد رہتا ہے
چہرے پر دانے نکل رہے ہیں بال بہت تیزی سے گر
رہے ہیں۔

محترمہ آپ کے بہت سے مسائل موجود ہیں۔
آپ کا علاج اتنی دور سے ممکن نہیں ہے آپ دونوں
مقامی ہومیو ڈاکٹر سے رجوع کریں بال گرنے سے
روکنے کے لیے HAIR GROWER منگالیں
600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر
ارسال کردیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

نازش فاطمہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میری تھوڑی پر
داڑھی کی طرح بال نکل آتے ہیں لیزر کا علاج بھی کرایا
مگر بال ختم نہیں ہوتے۔

محترمہ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک
کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں آپ کو
APHRODITE گھر پہنچ جائے گا۔ ہم نے اس
نسخہ میں مزید بہتری کی ہے اس کا اثر تیز بنایا ہے لیبل
بھی تبدیل کیا ہے۔ اس کے استعمال سے بہت جلد
فالتو بال ختم ہوجائیں گے۔

نور فاطمہ لیہ سے لکھتی ہیں کہ ہم بہت پریشان ہیں
ہمارا بچہ زندہ نہیں رہتا پیدائش سے پہلے یا فوراً بعد
مرجاتا ہے کیا اس کا بھی کوئی علاج ہے۔

محترمہ آپ TUBERCULINUM 200
کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں
دن لیں۔ یہ دوا حمل کے پہلے ماہ سے شروع کردیں۔
تیسرا ماہ ختم ہونے پر روک دیں۔

متین احمد کھاریاں سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب کی
بہت تکلیف ہے بہت زیادہ جلن ہوتی ہے اس کے
ساتھ شہوت شدید ہوتی ہے صبر نہیں ہوتا۔

محترم آپ CANTHRIS 3X کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا
کریں انشاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

لائبہ قریشی مردان سے لکھتی ہیں کہ میری ازدواجی
زندگی خطرے میں پڑگئی ہے۔ مجھے ازدواجی تعلق قائم
کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی شوہر ناراض رہتا ہے
کہتا ہے کہ طلاق دے دوں گا۔ میں بہت پریشان
ہوں میرا گھر برباد ہونے سے بچالیں۔

محترمہ آپ ONOSMODIUM CM
کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر
آٹھویں دن پیا کریں حالات درست ہونے پر دوا کا
استعمال بند کردیں۔

گلزار فاطمہ ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت
زیادہ ہے کم کرنا چاہتی ہوں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے
دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں اور مرغن اشیاء سے پرہیز کریں پیدل
چلا کریں۔

ممتاز الدین خان لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرے
بیٹے کا قد بہت چھوٹا ہے عمر 16 سال ہے۔

محترم آپ بیٹے کو CALC PHOS 6X چار
چار گولی تین وقت روزانہ دیں اور BARIUM
CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں
ڈال کر ہر آٹھویں دن دیں تین ماہ مکمل کرلیں پھر عمر
کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا۔

سیدہ خاتون بھکر سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان کی
شکایت ہے ٹانگوں تک بہہ جاتا ہے۔

محترمہ آپ ALUMINA 30 کے پانچ

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

کرم دین ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں کہ رات سوتے وقت منہ میں پانی بھر جاتا ہے کبھی کبھی دانتوں سے خون بھی آتا ہے۔

محترم آپ MERCSOL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

دلدار خان ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں کہ بچپن کی غلطیوں کی باعث صحت برباد کر چکا ہوں بہت زیادہ پریشان ہوں۔

محترم آپ STAPHISAGRIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سعدیہ آئرلینڈ سے لکھتی ہیں کہ مجھے چند بیماریوں سے متعلق مشورہ کرنا ہے 10 یوروں کا بینک ڈرافٹ بھیج رہی ہوں اسے کیش کرالیں پھر فون پر رابطہ کرلوں گی۔

محترمہ آپ کو فیس بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی میں خدمت خلق کے لیے یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہوں۔ آپ فون پر رابطہ فرمائیں آپ سے تعاون کروں گا۔

جہاں آراء راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال اتر رہے ہیں میں گنجی ہو رہی ہوں میری ایک دوست نے آپ سے رجوع کرنے کو کہا ہے۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ HIAR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے گنج پن دور ہوگا بال لمبے گھنے مضبوط ہوجائیں گے گرے ہوئے بالوں کی جگہ نئے بال پیدا ہوں گے۔

نسیم بیگم سکھر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال نکلتے ہیں لیزر بھی کرایا تھا 6 ماہ بعد پھر بال پیدا ہوگئے۔

محترمہ آپ APHRODITE استعمال کریں آپ کے بال انشاءاللہ مستقل طور پر ختم ہوجائیں گے۔ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں۔ نیو فارمولا APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

کنزہ پروین حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے لیکوریا کی شکایت ہے مناسب علاج تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مختاری بیگم سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا بچہ عمر 6 سال بستر میں پیشاب کردیتا ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ بچے کو CAUSTICUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

رخشندہ خان کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ 4 بچوں کی ماں ہوں بچوں کو دودھ پلانے سے خوبصورتی ختم ہوگئی ہے۔

محترمہ آپ JODUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ اس پر لکھے ہوئے طریقہ سے استعمال کریں گی انشاءاللہ خوب صورتی بحال ہوگی۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی 75850۔ فون 021-36997059

خط لکھنے کا پتا۔ آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

گلاب اور اس کے فوائد

گلاب کے پھول کی جتنی اقسام ہیں اتنے ہی ان کی افزائش کے مختلف طریقے ہیں۔ بہت سے گلاب جنگلی ہوتے ہیں جو خود بہ خود پیدا ہوتے ہیں بہت سے گلاب کے پودے بیلوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی قلمیں لگائی جاتی ہیں' جب کہ بہت سوں کے زردانے بکھیرے جاتے ہیں' بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے تنے مضبوط ہوتے ہیں اور وہ سیدھے کھڑے رہتے ہیں اور بہت سے گلاب کے پودوں کی افزائش باقاعدہ مصنوعی سہارا دے کر کی جاتی ہے۔

گلاب کسی بھی زرخیز زمین پر پیدا ہوسکتے ہیں خصوصاً جہاں پانی کی نکاسی بہتر ہو اگرچہ گلاب کی بعض اقسام کسی خاص قسم کی زمین کی پابند نہیں' بس زمین ذرا زرخیز ہونی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ چکنی مٹی والی زمین' ریتیلی زمین کے مقابلے میں گلابوں کی زیادہ پسندیدہ زمین ہوتی ہے۔ اس میں وہ زیادہ اچھی طرح پروان چڑھتے ہیں' اس کے علاوہ موسم بھی کسی قدر سرد درکار ہے۔ گلاب دوسرے پودوں سے الگ تھلگ رہ کر آسانی سے بڑھتا ہے۔ عام طور پر گلاب کو دو اقسام میں شمار کرتے ہیں ایک کو دیسی گلاب اور دوسری قسم کو ولایتی گلاب یا انگریزی گلاب کہتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ خوشبو کے لحاظ سے دیسی گلاب بالکل منفرد ہے۔ دیسی گلاب کو بھی مزید دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کو ہم سیوتی اور دوسری قسم کو سندھی گلاب کہتے ہیں۔

سیوتی گلاب کا رنگ گلابی مائل سرخ اور خوشبو ذرا ہلکی ہوتی ہے جب کہ سندھی گلابی تیز سرخ بلکہ ہلکا سیاہی مائل ہوتا ہے اور اس کی خوشبو زیادہ تیز ہوتی ہے۔ گلاب کا عطر اسی گلاب سے بنتا ہے گلاب کا گل قند بھی بے حد مفید ہے۔ گلاب کے خواص و فوائد میں ہم یہ تفریق نہیں کرتے کہ یہ فوائد سیوتی گلاب کے ہیں یا سندھی گلاب کی قسم کے بلکہ یہاں ہم جو فائدہ بیان کریں گے وہ فائدے دیسی گلاب کی تمام قسموں پر محیط ہیں خواہ وہ کوئی بھی قسم ہو

گلاب کا سونگھنا

گلاب کے فوائد ایسے عظیم الشان ہیں کہ اس کا پینا اور کھانا تو ایک طرف صرف گلاب سونگھنے سے ہی دل کی دھڑکنوں میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اس کو سونگھنے سے دماغ کو بے داری اور قرار حاصل ہوتا ہے۔ بے ہوشی کی حالت میں اگر اصلی اور خالص گلاب کے عطر کو دیگر ادویات کے ساتھ ملا کر سونگھایا جائے تو متاثر شخص کو فوراً ہوش آجاتا ہے۔

تازگی کے لیے

بعض لوگوں کے جسم پر بدبودار پسینہ آتا ہے یا پسینہ بہت زیادہ آتا ہے۔ بار بار نہانے کے باوجود بھی تازگی محسوس نہیں ہوتی' ایسے افراد اگر گلاب کی پتیاں جسم پر ملیں تو اس سے پسینہ آنا کم ہوجاتا ہے اور بدبو بھی دور ہوجاتی ہے۔

سردرد میں

اگر گرمی کی وجہ سے سر کا درد ہو' کنپٹیوں میں ٹیسیں اٹھتی ہوں سر سے گرمی نکلتی ہو اور دل میں بے چینی بھی ہو رہی ہو تو ایسے میں گلاب کا بار بار سونگھنا فائدہ مند ہے۔ گلاب کے علاوہ عرق گلاب

اور خالص عطر گلاب کو سونگھنا بھی فائدہ مند ہے۔ اس سے قلب کو تسکین ملتی ہے اور سر کا درد ختم ہو جاتا ہے، دل کی بے چینی دور ہو جاتی ہے اور دل کی دھڑکنیں بھی اعتدال میں آ جاتی ہیں اگر متلی اور چکر آتے ہوں تو وہ بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

جسم کی سوزش

گلاب کی پتیوں کو پیس کر جسم پر جس جگہ سوزش یا ورم ہو تو وہاں پر لگانے سے ورم تحلیل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گلاب کے تازہ پھولوں کو تھوڑے پانی میں جوش دے کر پیس لیں اور ورم والی جگہ پر لیپ کرنے سے بھی ورم تحلیل ہو جاتا ہے۔

آنکھوں میں جلن

گرمی کی وجہ سے اگر آنکھیں درد کرنے لگیں تو گلاب کی تازہ پتیوں کا عرق آنکھوں میں ڈالنا مفید ہے اس سے آنکھوں کا درد دور ہو جاتا ہے۔ تازہ گلاب کی پتیوں کو پیس کر ایک کپڑے میں رکھیں اور پوٹلی بنالیں اس پوٹلی کو دونوں آنکھوں کے بند پپوٹوں پر رکھنے سے آنکھوں کو سکون ملتا ہے۔ آنکھیں تازہ دم ہو جاتی ہیں۔ اس سے نہ تو آنکھوں میں کسی قسم کی خارش ہوتی ہے اور نہ ہی سوجن۔ اس کے علاوہ آنکھوں کی جلن میں عرق گلاب وقفے وقفے سے آنکھوں میں ٹپکانے سے آنکھوں کی تمام تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔

دانتوں کا درد

خشک گلاب کی پتیوں کو باریک پیس کر کپڑے سے چھان لیں اور منجن کے طور پر دو بار روزانہ دانتوں پر ہلکے ہلکے برش کریں اس طرح کے مساج کرنے سے دانتوں کی کمزوری دور ہو جاتی ہے اور منہ سے ناگوار مہک آنا بھی ختم ہو جاتی ہے۔

پیاس کی شدت میں کمی

گرمی کے موسم میں اکثر کھلے ماحول میں کام کرنے سے پیاس کی شدت بڑھ جاتی ہے ایسے میں خالص عرق گلاب تھوڑی مقدار میں لے کر پانی اور چینی ملا کر شربت بنالیں اور برف ملا کر پی لیں اس سے سکون ملے گا اور پیاس کی شدت ختم ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں اگر کمسن بچوں میں پیاس کی شدت زور پکڑ جائے تو انہیں خالص عرق گلاب میں خالص عرق مشک ملا کر ٹھنڈا کر کے وقفے وقفے سے پلائیں، پیاس کی شدت ختم ہو جائے گی۔

جلد کے لیے

اگر گرمی کی شدت سے چہرے کا رنگ سانولا ہو جائے تو اس کا تدارک اور رنگت کو نکھار کے لیے خشک گلاب کی پتیوں کو پیس لیں اور پھر اس سفوف کو ہم وزن بیسن میں ملا کر اس میں دودھ ڈال کر پیسٹ بنالیں۔ ہفتے میں ایک بار چہرے کو اچھی طرح دو تین بار ٹھنڈے پانی سے دھولیں اس کے بعد گلاب کے اس ابٹن کو چہرے اور گردن پر اچھی طرح لگائیں اور خشک ہونے پر ٹھنڈے پانی سے چہرہ اور گردن دھولیں اس سے جلد پر سرخی آتی ہے اور رنگت بھی نکھر جاتی ہے۔ اگر چہرے پر کیل مہاسے ہوں تو انہیں دور کرنے کے لیے عرق گلاب اور گلیسرین ہم وزن لے کر ملالیں اس کو چہرے پر ماسک کے انداز میں لگالیں۔ چند بار کے استعمال سے ہی چہرہ صاف ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ گلاب کی تازہ پتیوں کو پانی میں جوش دے کر اس پانی سے نہانے سے جسم کی جلد نکھرتی ہے اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔

ثمرین کنول...... کراچی